DPUR103DCT

مطالعہ نثر

ڈپلوما اِن اردو

(پہلا سمسٹر)

(تیسرا پرچہ)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-500032، تلنگانہ، بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Course: Mutala-e-Nasr
ISBN: 978-81-994387-9-8
First Edition: October 2025

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Publication	:	2025
Copies	:	1000
Price	:	190/- (The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Md Nehal Afroz, CDOE, MANUU
Cover Designing	:	Dr. Mohd. Akmal Khan, CDOE, MANUU
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Mutala-e-Nasr

Paper 3

Diploma in Urdu 1st Semester

Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission from the publisher (registrar@manuu.edu.in)

مدیر

پروفیسر نکہت جہاں

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

معاون مدیر

پروفیسر محمد نسیم الدین فریس

سابق ڈین اسکول آف لینگویجز و صدر شعبہ اردو

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مجلس اِدارت

پروفیسر نکہت جہاں

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

پروفیسر محمد نسیم الدین فریس

سابق ڈین اسکول آف لینگویجز و صدر شعبہ اردو

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر ارشاد احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد نہال افروز

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد اکمل خان

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد جعفر

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

کورس کو آرڈی نیٹر

پروفیسر نکہت جہاں، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر محمد نہال افروز، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 1,5,6,7,8
ڈاکٹر ارشاد احمد، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 2
ڈاکٹر محمد اکمل خان، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 3,4,13,14,15,16
ڈاکٹر محمد جعفر، مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 9,10,11,12

فہرست

پیغام	شیخ الجامعہ، مانو	06
پیغام	ڈائرکٹر، سی ڈی اُو اِی، مانو	07
کورس کا تعارف	کورس کو آرڈی نیٹر	09

بلاک I

اکائی 1: نثر :	نثر کے اوصاف اور اقسام	11
اکائی 2: حکایات :	سعدی شیرازی، مولانا روم وغیرہ	25
اکائی 3: کہانیاں :	پنچ تنتر، لوک کہانیاں	41
اکائی 4: لطائف اور پہیلیاں :	آب حیات، یادگار غالب، سرخ حاشیے، نریش کمار شاد، ادیبوں کے لطیفے (نارنگ ساقی) امیر خسرو اور لوک پہیلیاں	59

بلاک II

اکائی 5: داستان :	سیر تیسرے درویش کی (باغ و بہار، میر امن)	78
اکائی 6: ناول :	توبتہ النصوح (نذیر احمد)، پتھر کا جگر (جیلانی بانو)	90
اکائی 7: افسانہ :	کابلی والا، عید گاہ	105
اکائی 8 : ڈراما :	آزمائش (محمد مجیب)، سمجھوتا، (انور عنایت اللہ)	120

بلاک III

اکائی 9 : مضمون :	عورتوں کے حقوق (سرسید)، سرسید اور اردو لٹریچر (شبلی)	132
اکائی 10: انشائیہ :	خطبہ صدارت (ابن انشا)، امید کی خوشی (سرسید)	147
اکائی 11: خاکہ :	مہدی نواز جنگ (صالحہ عابد حسین)، میر تقی میر (آب حیات، محمد حسین آزاد)	161
اکائی 12: سوانح :	یادگارِ غالب (حالی)، حیات جاوید (حالی)، تلاش حق (مترجمہ: عابد حسین)	175

بلاک IV

اکائی 13: سفرنامہ :	سند باد جہازی (الف لیلہ)، ہندوستان جنت نشاں (صالحہ عابد حسین)	192
اکائی 14: طنز و مزاح:	ہوائی قلعے (شوکت تھانوی)، زیرو ناٹ آوٹ (یوسفی)	206
اکائی 15: خطوط :	غالب، مولانا آزاد، نہرو وغیرہ	222
اکائی 16: سیرت :	سیرت النبیؐ اور دیگر اکابرین کی سیرتیں	239
نمونہ امتحانی پرچہ		257

پیغام

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ (مانو)

گزشتہ چند برسوں کے دوران یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر اردوداں طبقے میں اردو سیکھنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں شائقین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ نئی نسل اردو ادب سے بالخصوص اردو شاعری سے دلچسپی رکھتی ہے۔ آج اردو شاعری کو بہتر انداز سے سمجھنے اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے نوجوان اور باذوق لوگ اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ اردو کی وہ نئی نسل، جس نے انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کی ہے لیکن اردو نہیں جانتی، وہ بھی اردو سیکھنا چاہتی ہے۔ اردو زبان کے شائقین اور اردو سیکھنے کے خواہشمند افراد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن نے "ڈپلوما ان اردو" کا نصاب ترتیب دیا ہے۔ یہ ایک فاصلاتی طرز کا پروگرام ہے جسے اساتذہ نے بہ حسن خوبی انجام دیا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ CDOE کے معاونین کی انتھک اور مخلصانہ کاوشوں کی بدولت "ڈپلوما ان اردو" کا اکتسابی مواد تیار ہو سکا۔ میں ان سب کو دلی مبارک باد دیتا ہوں، ساتھ ہی اردو سیکھنے کے شائقین کو دعوت دیتا ہوں کہ آیئے مانو کے اس فاصلاتی پروگرام کے ذریعے اردو زبان سیکھیے اور اردو کے اس نصاب کے مدِّ نظر اپنے ذوق سلیم کی تربیت کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اکتسابی مواد اردو زبان سیکھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ مزید یہ کہ اس حوالے سے آپ نہ صرف اردو زبان سے واقف ہوں گے بلکہ اردو کے علمی، ادبی اور ثقافتی ورثے سے بھی شناسائی حاصل کریں گے جس کی روح ہندوستانی ہے۔

پیغام

پروفیسر محمد رضاء اللہ خاں
ڈائرکٹر، سی ڈی اُو اِی (مانو)

دور حاضر میں فاصلاتی طرز تعلیم کو ساری دنیا میں ایک نہایت کارآمد اور مفید طریقہ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑی تعداد میں لوگ اس طریقہ تعلیم سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اردو آبادی کی تعلیمی صورتِ حال کے پیش نظر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اپنے قیام کے روز اول ہی سے اس طرزِ تعلیم کو اپنایا۔ چنانچہ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم (سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن) کے تحت یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکٹ کورسوں پر مبنی جملہ (19) پروگرام نہایت کامیابی سے چلائے جارہے ہیں۔ جن کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت پیش کیا جانے والا نیا تعلیمی پروگرام" ڈپلوما ان اردو" ہے۔ اس کا آغاز اسی سال (2025) سے ہو رہا ہے۔

یہ پروگرام بنیادی طور پر غیر اردوداں طبقے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا خود اکتسابی مواد تیار کرنے والے ماہرین نے غیر اردوداں طبقے کے ذہن و مزاج اور اکتسابی دشواریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش نظر اکتسابی مواد تیار کیا ہے تاکہ غیر اردوداں افراد کو اردو سیکھنے میں دقت نہ ہو اور وہ آسانی سے اردو زبان سیکھ لیں۔ میں اکتسابی میں مواد لکھنے والے اساتذہ اور ماہرین کو صمیم قلب سے مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تدریسی مواد، اردو زبان سیکھنے کے خواہشمند افراد میں اردو کی لسانی مہارتوں (سمجھنا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا) کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوگا۔

کورس کا تعارف

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (مانو)ہندوستان کی ایک اہم مرکزی یونیورسٹی ہے جس کا قیام 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے ذریعے عمل میں آیا۔مانو کو ملک کی دیگر جامعات کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ یونیورسٹی اردو ذریعہ تعلیم (اردو میڈیم)کی یونیورسٹی ہے جو اردو زبان میں روایتی اور فاصلاتی طرز پر اردو آبادی کو اعلیٰ پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم فراہم کر رہی ہے۔اس یونیورسٹی کو جو مینڈیٹ(Mandate) دیا گیاہے اس کے تحت اس کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اردو زبان کی ترویج وترقی ہے۔

مانو کے تمام روایتی اور فاصلاتی طرز کے پروگراموں اور کورسوں میں یہ مقصد زیریں لہر کی طرح کارفرماہے۔یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ عہد حاضر میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اردو زبان کو ادب کے علاوہ سوشل سائنس اور سائنس کی مختلف شاخوں، کامرس اور بزنس مینجمنٹ کمپیوٹر سائنس اور انجینئرنگ، قانون اور صحافت جیسے عصری علوم سے جوڑنے میں نہایت طاقتور اور متحرک کردار ادا کر رہی ہے۔اس میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کے شعبوں کے ساتھ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے پروگرام بھی برابر کے شریک ہیں۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت مختلف شعبہ ہائے علم میں مختلف سطحوں کے متعدد پروگرام پیش کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ اردو داں طبقے کی ایک بڑی تعداد استفادہ کر رہی ہے۔مانو کے شیخ الجامعہ پروفیسر سید عین الحسن عابدی ہمیشہ یونیورسٹی کی ترقی وتوسیع ، تعلیمی معیار کی بلندی اوراردو زبان کے فروغ واستحکام کے لیے نئے نئے منصوبوں پر غور کرتے رہتے ہیں،ان کے ذہن رسانے یہ سوچا کہ اردو زبان کا ایک ایساڈپلوماپروگرام متعارف کراناچاہیے جس کے ذریعے غیر اردوافراد کو اردو زبان سیکھنے میں سہولت ہو اور وہ اردو میں نوشت وخواند کی استعداد کے حامل ہو سکیں و نیز ان میں اردو ادب اوراردو کی گنگا جمنی ثقافت کی اہمیت اور عظمت کا شعور بھی پیدا ہو۔ شیخ الجامعہ کی ایمااور پروفیسر محمد رضاء اللہ خاں،ڈائرکٹر مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کی رہنمائی میں اردو کے ایک ڈپلوماپروگرام کا خاکہ تیار کیا گیا۔ماہرین کے مشوروں سے اس کا نصاب ترتیب دیا گیااور فاصلاتی طرز تعلیم کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتبہ نصاب کے مطابق اس ڈپلوماپروگرام کا خود اکتسابی مواد اور کتابیں تیار کی گئیں۔اوراب یونیورسٹی کے ارباب مجاز کی منظوری سے یہ پروگرام جسے ڈپلوماان اردو(Diploma in Urdu) کے نام سے موسوم کیا گیاہے،مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت اردو زبان سیکھنے کے خواہش مندوں کے لیے پیش کیا جارہاہے۔

موجودہ زمانے میں اردو زبان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو تا جارہاہے۔برصغیر ہند وپاک کے علاوہ اردو زبان خلیجی ممالک شرق

اوسط، وسطی ایشیا، مشرق بعید یورپ اور امریکہ کے کئی شہروں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو زبان دستور ہند کے آٹھویں شیڈول میں درج بڑی ہندستانی زبانوں میں شامل ہے۔ ملک کی کچھ ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندی کے ساتھ مل کر اردو دنیا کی تیسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔

ہندوستانی فلموں کے مکالموں اور نغموں میں اردو استعمال کی جاتی ہے۔ اردو زبان کے مشاعرے، غزل اور قوالی کے پروگرام بڑے ذوق وشوق سے سنے جاتے ہیں۔ ان پروگراموں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے غیر اردو داں سامعین اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ گلوکار فلمی اداکار، اسٹیج پر مظاہرہ کرنے والے فن کار اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اینکر اور خبریں نشر کرانے والے وغیرہ سب صحیح تلفظ اور خوبصورت لہجے میں بات کرنے کے لیے اکثر اردو سیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باذوق افراد بھی جو اردو زبان کی شیرینی، نفاست اور شائستگی کے دلدادہ ہیں اردو سیکھنا چاہتے ہیں، یہ پروگرام ان تمام افراد کی ضرورت کی تکمیل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ پروگرام مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگا جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ یہ پروگرام ان افراد کے لیے بھی مددگار ثابت ہوگا جو اردو زبان کے بیش بہا اور رنگا رنگ ادبی سرمائے تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ڈپلوما اِن اردو پروگرام دو سمسٹروں پر مبنی ہے جس کے پہلے اور دوسرے سمسٹر میں تین، تین پرچے ہوں گے۔ ہر پرچے میں سولہ اکائیاں ہیں جنھیں چار بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر پرچے کے ذریعے طلبا کو موضوع سے متعلق ڈپلوما کی سطح کے مطابق تمام ضروری معلومات پہنچانے کی ممکنہ کوشش کی گئی ہے۔ ہر سمسٹر میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے طلبا کو تینوں پرچوں کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے علاوہ تفویضات (Assignments) کی تکمیل بھی لازمی طور پر کرنا ہے۔ تبھی وہ اس پروگرام میں کامیاب اور ڈپلوما ان اردو کے اہل قرار پائیں گے۔

ہم نہایت مسرت کے ساتھ ڈپلوما ان اردو پروگرام کے تیسرے پرچے کی یہ کتاب پیش کر رہے ہیں جس کا عنوان "مطالعہ نثر" ہے۔ اس میں نثر کی خصوصیات اور اس کی اہم اصناف جیسے افسانہ، ناول، ڈراما، داستان، مضمون، انشائیہ، خاکہ، سوانح، سفر نامہ، طنز و مزاح، خطوط، سیرت کے علاوہ حکایت، کہانی اور لطیفہ سے متعارف کرایا گیا ہے۔ ابتدا میں نثر کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں پھر نثر کی مختلف اصناف کے نمونے دیے گئے ہیں تاکہ طلبا ان اصناف کے متن کا مطالعہ کریں۔ اس سلسلے میں ہر صنف کی سادہ اور آسان تعریف اور مصنف کا سرسری تعارف اور منتخب متن کا مختصر خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں دو باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ طلباء میں (1) نثر کی مختلف اصناف کی شناخت کی صلاحیت پیدا ہو۔ (2) خاموش مطالعے کی عادت اور نثری ادب پاروں کی تحسین کی استعداد پیدا ہو۔

پروفیسر نکہت جہاں
کورس کو آرڈی نیٹر

مطالعہ نثر

بلاک I

اکائی 1 : نثر کے اوصاف اور اقسام

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 افسانوی نثر کے اوصاف اور اقسام
1.2.1 داستان
1.2.2 حکایت
1.2.3 کہانی
1.2.4 افسانہ
1.2.5 ناول
1.2.6 ناولٹ
1.2.7 ڈراما
1.3 غیر افسانوی نثر کے اوصاف اور اقسام
1.3.1 مضمون
1.3.2 انشائیہ
1.3.3 خاکہ
1.3.4 سوانح
1.3.5 سفر نامہ
1.3.6 خطوط
1.4 اکتسابی نتائج
1.5 مشکل الفاظ

1.6 مشقیں

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.0 تمہید

"نثر" عربی زبان کے لفظ "نَثَرَ" سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں، بکھیرنا، کسی چیز کو منتشر کرنا یا پھیلانا، بکھری ہوئی چیز، ایسی چیز جو منتشر یا پھیلی ہوئی ہو۔ لہٰذا، نثر کا لغوی مفہوم "بکھری ہوئی عبارت" یا "بکھیر کر بیان کرنا" ہے۔ ادب میں "نثر" سے مراد وہ تحریر ہے ، جو بغیر کسی مخصوص وزن، بحر یا قافیہ کے لکھی جاتی ہے۔ یعنی ایسی عبارت جو نظم کی قید سے آزاد ہو اور جملوں اور پیراگراف کی شکل میں ہو۔ نثر میں خیالات، احساسات، معلومات یا کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور اس کا مقصد قاری کو معلومات فراہم کرنا یا کسی موضوع پر غور و فکر کی دعوت دینا ہوتا ہے۔ نثر اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں وزن کا اہتمام نہ ہو، دوسرے شاعری کی طرح ابہام بھی نہ ہو۔ نثر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں حقیقت اور واقعیت ہو۔ نثر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس سے وہ کام لیا جائے جو شعر میں آسانی سے ممکن نہ ہو۔ نثر کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر۔ اس اکائی میں ہم انہیں دونوں اقسام کے بارے میں پڑھیں گے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نثر کے معنی و مفہوم سے واقف ہو سکیں۔
- افسانوی نثر کے اوصاف اور اس کی اقسام کو سمجھ سکیں۔
- غیر افسانوی نثر اور اس کی اقسام کو بیان کر سکیں۔

1.2 افسانوی نثر کے اوصاف اور اقسام

افسانوی نثر اردو ادب کی ایک اہم شاخ ہے جو حقیقت اور خیال کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ اس میں مصنف زندگی کے کسی ایک پہلو، واقعہ یا نفسیاتی کیفیت کو بیان کرتا ہے، جس کا مقصد پڑھنے والے کو ایک مخصوص تاثر یا تجربے سے گزارنا ہوتا ہے۔

افسانوی نثر میں کسی ایک مرکزی خیال یا واقعہ پر زور دیا جاتا ہے، جس سے پڑھنے والے کو پر ایک مخصوص تاثر مرتب ہوتا ہے۔ اس میں کرداروں کی نفسیات، جذبات اور رویوں کی تفصیل سے عکاسی کی جاتی ہے، جو کہانی کو حقیقت کے قریب تر بناتی ہے۔ افسانوی نثر میں ماحول، وقت اور جگہ کی تفصیل سے پیش کش کی جاتی ہے، تاکہ قاری خود کو کہانی کے منظر میں محسوس کرے۔ اس میں زبان کا استعمال فنی اور ادبی ہوتا ہے، جو کہانی کی گہرائی اور اثر کو بڑھاتا ہے۔ افسانوی نثر میں تشبیہات، استعارے اور دیگر ادبی پہلوؤں کا استعمال کیا جاتا ہے، جو کہانی کو مزید دلکش اور معیاری بناتا ہے۔ داستان، حکایت، کہانی، افسانہ، ناول، ناولٹ، ڈراما وغیرہ اصناف افسانوی نثر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان اصناف کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

1.2.1 داستان:

داستان ایک ایسی ادبی صنف ہے جو نثری صورت میں لکھی جاتی ہے اور اپنے اندر تخیل، غیر معمولی واقعات، مافوق الفطرت عناصر، اور دلچسپ کرداروں کا امتزاج رکھتی ہے۔ عام طور پر داستان طویل قصہ ہوتا ہے جس میں واقعات کی کثرت اور تفصیل اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پڑھنے ولا ایک نئی اور عجیب دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ داستان کا بنیادی مقصد صرف واقعات سنانا نہیں بلکہ قاری کو ایک ایسے خیالی اور پر اسرار ماحول میں لے جانا ہوتا ہے جہاں وہ وقت اور حقیقت کی حدود سے نکل کر مافوق الفطرت کرداروں، دیومالائی مخلوقات، جادو، طلسم، بہادری، عشق، انتقام، وفاداری، فریب اور دوسرے جذبات و عناصر سے بھرپور ایک دنیا کا مشاہدہ کرے۔

داستانیں طویل ہوتی ہیں۔ اس میں ایک ایک واقعے کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ کرداروں کے لباس، مکالمات، جذبات، اور گردوپیش کے مناظر تک کو تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ داستانوں میں جن، پریاں، دیو، جادوگر، طلسماتی دروازے، بولتے جانور اور دیگر غیر فطری عناصر کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد قاری کو حیرت و استعجاب کی کیفیت میں مبتلا رکھنا ہوتا ہے۔ داستانوں کے کردار غیر معمولی ہوتے ہیں۔ جیسے بہادر شہزادے، عقل مند وزیر، خوبصورت شہزادیاں، سازشی دشمن، یا جادوگرنی۔ یہ کردار اکثر اچھائی اور برائی کے نمائندے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کشمکش داستان کا مرکزی محرک بنتی ہے۔ داستان میں اکثر ہیرو ایک طویل اور خطرناک سفر پر نکلتا ہے، جس میں اسے مختلف امتحانات، جنگیں، یا طلسماتی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مہمات سے قاری کی دلچسپی مسلسل قائم رہتی ہے۔ اگرچہ داستان بنیادی طور پر تخیلاتی اور تفریحی ہوتی ہے، لیکن اس میں اکثر معاشرتی اور اخلاقی پیغام بھی چھپا ہوتا ہے۔ جیسے وفاداری، سچائی، دلیری، صبر اور نیکی کی فتح کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ داستانوں کی زبان عام طور پر پر شکوہ، مرصع اور جذباتی ہوتی ہے۔ پرانے زمانے کی داستانوں میں فارسی الفاظ اور فقروں کا استعمال بھی عام ہے، جو اس کی فضا کو مزید جادوئی بناتا ہے۔ ان کا مقصد نہ صرف تفریح فراہم کرنا ہوتا ہے بلکہ انسانی جذبات، روایات اور اخلاقیات کو بھی ایک منفرد انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

1.2.2 حکایت:

حکایت ایک مختصر نثری یا منظوم قصہ ہوتا ہے جس میں دلچسپ اور سبق آموز واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ واقعات بظاہر سادہ اور چھوٹے ہوتے ہیں، مگر ان کے پس منظر میں ایک گہرا اخلاقی، سماجی یا اصلاحی پیغام چھپا ہوتا ہے۔ حکایت کا بنیادی مقصد صرف تفریح یا دلچسپی نہیں ہوتا، بلکہ قاری یا سامع کو کوئی سبق سکھانا اور اسے زندگی کے کسی پہلو پر غور کرنے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے۔

حکایت عام طور پر چھوٹے پیمانے پر لکھی جاتی ہے۔ اس میں غیر ضروری تفصیل نہیں ہوتی بلکہ مختصر الفاظ میں مقصد کو پہنچایا جاتا ہے۔ حکایت کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ وہ کوئی اخلاقی یا اصلاحی سبق دیتی ہے۔ اکثر حکایتوں کے آخر میں نتیجہ یا پیغام واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ حکایت میں کردار اکثر جانور یا فرضی مخلوق ہوتے ہیں ، جن کے ذریعے انسانی معاشرت اور اخلاقیات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ حکایت عام فہم زبان میں لکھی جاتی ہے تاکہ ہر عمر اور ہر سطح کے لوگ اسے سمجھ سکے۔ چونکہ حکایت قصے کی صورت میں ہوتی ہے، اس لیے یہ قاری یا سامع کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ بچے، بزرگ، عام لوگ سب اس سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

1.2.3 کہانی:

کہانی نثر کی ایک مشہور اور قدیم صنف ہے جس میں ایک یا زیادہ کرداروں کے گرد گھومتا ہوا کوئی واقعہ یا خیال بیان کیا جاتا ہے۔ کہانی کا بنیادی مقصد قاری کو دلچسپی، تفریح اور کبھی کبھی سبق آموز پیغام دینا ہوتا ہے۔ کہانی مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی، لیکن اس میں واقعات کی ترتیب، کرداروں کی نفسیات، ماحول کی عکاسی، اور کسی انجام تک پہنچنے والا منطقی سفر لازمی ہوتا ہے۔ ایک مکمل کہانی تین حصوں پر مشتمل ہوتی ہے:

ابتدا: جس میں کرداروں کا تعارف اور پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

وسط: جس میں مسئلہ یا تنازعہ پیدا ہوتا ہے اور کہانی دلچسپی اختیار کرتی ہے۔

انجام: جس میں مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور کہانی کسی نتیجے پر پہنچتی ہے۔

کہانی میں مختلف کردار ہوتے ہیں، جیسے مرکزی کردار (ہیرو)، مخالف کردار (ویلن)، معاون کردار وغیرہ۔ کرداروں کے جذبات، رویّے اور فیصلے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کہانی میں ایک یا زیادہ واقعات ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے جُڑے ہوتے ہیں اور کہانی کے پلاٹ کو بناتے ہیں۔ کہانی میں جگہ، وقت، اور حالات کی تفصیل دی جاتی ہے تاکہ قاری منظر کو محسوس کر سکے۔ کہانی کی زبان سادہ، پر اثر اور رواں ہوتی ہے تاکہ قاری اس میں دلچسپی لے سکے۔ بعض کہانیاں محض تفریح کے لیے ہوتی ہیں، جب کہ کچھ کہانیاں کسی اخلاقی، معاشرتی یا نفسیاتی پیغام کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ کہانی ایک ایسی صنف ہے جو انسان کے تجربات، خیالات، جذبات اور مشاہدات کو دلچسپ انداز میں پیش کرتی ہے۔ چاہے وہ بچوں کے لیے ہو یا بڑوں کے لیے، کہانی ہمیشہ سننے اور پڑھنے والوں کو متاثر کرتی ہے۔ یہ معاشرے، زندگی اور انسان کی نفسیات کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔

1.2.4 افسانہ:

افسانہ اردو ادب کی ایک اہم اور جدید نثری صنف ہے۔ یہ مختصر اور جامع ہوتا ہے اور کسی خاص واقعے، خیال، احساس یا کردار کو مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ افسانہ کا مقصد نہ صرف قاری کو متاثر کرنا ہوتا ہے بلکہ اسے کسی نفسیاتی، سماجی، تہذیبی یا انسانی تجربے پر غور کرنے پر بھی آمادہ کرنا ہوتا ہے۔

"افسانہ" دراصل لفظ "افساں" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "قصہ" یا "کہانی"۔ مگر ادبی اصطلاح میں افسانہ محض کہانی نہیں بلکہ ایک مربوط، مختصر اور معنویت سے بھرپور تخلیق ہے، جو چند صفحات پر مشتمل ہوتی ہے لیکن اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ افسانہ طویل داستان یا ناول کی طرح نہیں ہوتا۔ اس میں اضافی تفصیلات سے گریز کیا جاتا ہے اور اصل خیال یا واقعے پر پوری توجہ دی جاتی ہے۔ افسانہ اپنے اختتام پر قاری کے ذہن میں ایک واضح تاثر، احساس یا سوچ چھوڑ جاتا ہے۔ پورا افسانہ اسی ایک تاثر کی تعمیر میں لگا ہوتا ہے۔ ہر افسانے میں ایک مرکزی خیال یا نکتہ ہوتا ہے، جس کے گرد پوری کہانی گھومتی ہے۔ یہ خیال انسانی زندگی، سماجی مسئلے، نفسیاتی کشمکش یا اخلاقی تضاد پر مبنی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کرداروں کی تعداد کم ہوتی ہے، لیکن وہ بھرپور اور جاندار ہوتے ہیں۔ ان کے خیالات، حرکات و سکنات، اور جذبات قاری کے

دل میں اتر جاتے ہیں۔ جدید افسانوں میں علامتی زبان اور تجریدی انداز (یعنی مجرد خیال کی ترجمانی) کا استعمال بھی عام ہے۔ بہت سے جدید افسانے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا اختتام واضح نہیں ہوتا، بلکہ قاری کو خود سوچنے اور نتیجہ اخذ کرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ افسانہ ایک فنکارانہ تخلیق ہے جو محدود الفاظ میں انسانی تجربات، احساسات، اور مشاہدات کو اتنے مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے کہ قاری ایک گہرے تاثر سے دوچار ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف ادب کا آئینہ ہے بلکہ معاشرت، نفسیات اور حقیقتوں کی عکاسی کا خوبصورت ذریعہ بھی ہے۔

1.2.5 ناول:

ناول اردو ادب کی ایک جامع، طویل اور ہمہ گیر نثری صنف ہے، جس میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، معاشرتی حالات، جذبات، مسائل، اور کرداروں کی نفسیات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

لفظ "ناول" (Novel) لاطینی زبان کے لفظ "novellus" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے، نیا یا نیاپن رکھنے والی بات۔ یہ صنف ابتدا میں مغرب میں ترقی پائی، اور بعد میں اردو میں بھی اسے اپنایا گیا۔ ناول صرف ایک واقعہ یا کردار پر مشتمل نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک وسیع کائنات کو پیش کرتا ہے، جس میں کئی کردار، ذیلی کہانیاں، معاشرتی پس منظر اور جذباتی اتار چڑھاؤ ہوتے ہیں۔ اس میں زندگی کی عکاسی حقیقت پسندانہ انداز میں کی جاتی ہے۔ ناول کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی طوالت ہے۔ یہ ایک مکمل کتاب کی صورت میں ہوتا ہے جس میں واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ناول میں عام طور پر بہت سے کردار ہوتے ہیں، جن میں مرکزی، ضمنی، اور ضمنی سے بھی کم اہمیت رکھنے والے کردار شامل ہو سکتے ہیں۔ ہر کردار کا ایک الگ پس منظر اور نفسیاتی پہلو ہوتا ہے۔ ناول میں واقعات ایک منظم ترتیب اور منطقی ربط کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ پلاٹ میں اتار چڑھاؤ، پیچیدگیاں، کشمکش اور حل کا عمل شامل ہوتا ہے۔ ناول میں زمان و مکان (Time & Space) کی تفصیل دی جاتی ہے۔ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود اس دنیا کا حصہ ہو۔ کرداروں کے درمیان گفتگو (مکالمے) کے ذریعے ان کی شخصیت، جذبات، اور سوچ کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ ناول کی زبان عام طور پر سادہ اور رواں ہوتی ہے، مگر کبھی کبھی مصنف تخلیقی اور علامتی زبان بھی استعمال کرتا ہے، خاص طور پر جب مقصد صرف واقعہ بیان کرنا نہ ہو، بلکہ فکر و فلسفہ اجاگر کرنا ہو۔ ناول کو زندگی کا آئینہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں فرد، خاندان، معاشرہ، سیاست، تاریخ، مذہب، محبت، نفرت، اور دیگر انسانی جذبے شامل ہوتے ہیں۔ ناول ادب کی ایک ہمہ جہت اور مکمل صنف ہے جو انسانی زندگی کو گہرائی اور وسعت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ یہ قاری کو صرف ایک کہانی نہیں سناتا، بلکہ اسے زندگی، ماحول اور فضا کا تجربہ کراتا ہے۔ ناول نہ صرف ایک فنی شاہکار ہو سکتا ہے، بلکہ تاریخ، ثقافت، معاشرت، اور انسانی جذبات کا اہم دستاویزی حوالہ بھی ہوتا ہے۔

1.2.6 ناولٹ:

ناولٹ اردو نثر کی ایک صنف ہے جو ناول اور افسانے کے درمیان کی شکل رکھتی ہے۔ یہ نہ تو اتنا مختصر ہوتا ہے کہ افسانہ کہلائے، اور نہ اتنا طویل اور جامع ہوتا ہے کہ مکمل ناول شمار ہو۔ اس میں ناول کی گہرائی اور افسانے کا اختصار دونوں موجود ہوتے ہیں۔

لفظ "ناولٹ (Novella) " انگریزی سے لیا گیا ہے، جو خود لاطینی "novella" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے " نئی چھوٹی بات یا

کہانی"۔ناولٹ ایک مختصر ناول ہوتا ہے جس میں کسی ایک خاص واقعے، کردار، یا خیال کو اتنی گہرائی سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ افسانے کی سطح سے بلند ہو جائے، لیکن تفصیل اور وسعت میں وہ مکمل ناول کے معیار پر نہ پہنچے۔ناولٹ کی طوالت افسانے سے زیادہ اور ناول سے کم ہوتی ہے۔ یہ عموماً 50 سے 100 صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ناولٹ میں عموماً ایک ہی خیال یا واقعہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جسے گہرائی سے پیش کیا جاتا ہے، لیکن ذیلی کہانیوں یا کثرتِ کردار سے گریز کیا جاتا ہے۔کرداروں کی تعداد محدود ہوتی ہے، لیکن ان کی شخصیت کو قدرے تفصیل سے اجاگر کیا جاتا ہے۔افسانے کے برعکس، ناولٹ میں واقعہ کا نفسیاتی، سماجی یا جذباتی تجزیہ کیا جاتا ہے۔افسانے کی طرح ناولٹ بھی ایک مربوط تاثر قائم کرتا ہے، لیکن اس کے اندر خیالات کی تہہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ناولٹ کی زبان افسانے کی طرح سادہ، مگر ناول کی طرح پُراثر، علامتی یا فکری بھی ہو سکتی ہے۔ ناولٹ ادب کی ایک ایسی صنف ہے جو کہانی کو نہایت گہرے اور بامعنی انداز میں بیان کرتی ہے۔ یہ قارئین کو مختصر وقت میں گہرے انسانی، نفسیاتی یا سماجی تجربات سے گزارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

1.2.7 ڈراما:

ڈراما ادب کی ایک ایسی صنف ہے جو مکالموں اور حرکات کے ذریعے کسی واقعے، مسئلے یا کرداروں کی کشمکش کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ وہ اسٹیج پر ادا کیا جا سکے۔ڈرامے کو پڑھا بھی جا سکتا ہے، لیکن اس کی اصل روح اسٹیج پر عملی طور پر دکھانا ہوتی ہے۔

لفظ "ڈراما" یونانی لفظ "ڈراؤ (drao) " سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "عمل کرنا" یا "کر کے دکھانا"۔یعنی ڈراما وہ صنف ہے جو صرف تحریری بیان نہیں کرتی، بلکہ کرداروں کے ذریعے عملی شکل میں دکھاتی ہے۔ڈرامے میں زندگی کے کسی ایک مسئلے یا صورتِ حال کو مکالموں اور حرکات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں تماشائی یا قاری کرداروں کی نفسیات، کشمکش، جذبات اور فیصلے کو براہِ راست محسوس کرتے ہیں۔ڈراما مکالموں(Dialogues) پر مشتمل ہوتا ہے۔ کردار اپنی بات، جذبات اور خیالات مکالمے کے ذریعے ادا کرتے ہیں۔ڈراما "عمل کی صنف" ہے۔ اس میں کرداروں کی حرکات و سکنات، چہل قدمی، تاثرات سب کچھ اہم ہوتا ہے۔ڈرامے کو مختلف مناظر اور پردوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، تاکہ مختلف مراحل کو واضح طور پر دکھایا جا سکے۔ڈرامے کے کردار بہت اہم ہوتے ہیں۔ ہر کردار کا اپنا منفرد اندازِ گفتگو، مقصد اور مزاج ہوتا ہے۔ڈراما عموماً ایک تنازعہ یا کشمکش سے شروع ہوتا ہے، جو آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتا ہے، اور آخر میں کسی انجام یا حل پر ختم ہوتا ہے۔ڈرامے کا مقصد صرف کہانی سنانا نہیں بلکہ تماشائی کے دل پر اثر ڈالنا ہوتا ہے۔ اس میں جذباتی، اخلاقی، یا سماجی پیغام بھی شامل ہو سکتا ہے۔ڈراما ادب کی وہ مؤثر عملی صنف ہے جو زندگی کے حقیقی مسائل کو مجسم شکل میں پیش کرتی ہے۔ اس کے ذریعے معاشرتی، اخلاقی، اور جذباتی موضوعات کو براہِ راست دل و دماغ تک پہنچایا جاتا ہے۔ڈراما صرف کہانی نہیں بلکہ ایک مکمل تجربہ ہے جسے دیکھا، سنا اور محسوس کیا جاتا ہے۔

1.3 غیر افسانوی نثر کے اوصاف اور اقسام

غیر افسانوی نثر اردو ادب کا وہ زمرہ ہے، جس کا مواد حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اس میں تخیلاتی یا من گھڑت عناصر شامل نہیں ہوتے۔ یہ نثر زندگی کے حقیقی واقعات، تجربات، مشاہدات، اور احساسات کو بیان کرتی ہے، جس کا مقصد قاری کو معلومات فراہم کرنا، کسی موضوع پر روشنی ڈالنا یا کسی تجربے کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ غیر افسانوی نثر میں مصنف اپنی ذاتی رائے، مشاہدات اور تجزیہ کو پیش کرتا ہے،

لیکن یہ سب کچھ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، نہ کہ تخیل یا فکشن پر۔

غیر افسانوی نثر میں بیان کردہ تمام مواد حقیقی واقعات، تجربات، یا مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ اس صنف کا مقصد قاری کو معلومات فراہم کرنا یا کسی موضوع پر تجزیہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ مصنف اپنی ذاتی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو بیان کرتا ہے، جو قاری کو حقیقت سے جوڑتے ہیں۔ اگرچہ یہ نثر حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، لیکن اس میں ادبی اسلوب اور زبان کی خوبصورتی کا خیال رکھا جاتا ہے، تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔ افسانوی نثر کی طرح غیر افسانوی نثر میں بھی کئی اصناف شامل ہیں، جن میں مضمون، انشائیہ، خاکہ، سوانح، سفر نامہ، وغیرہ اہم ہیں۔ ذیل میں ان اصناف کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

1.3.1 مضمون:

مضمون اردو ادب کی ایک اہم نثری صنف ہے، جس میں کسی مخصوص موضوع پر مصنف اپنے خیالات، مشاہدات، تجربات اور معلومات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ مضمون کا مقصد قاری کو کسی موضوع پر جامع، مؤثر اور دلچسپ انداز میں آگاہی فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ایک مؤثر مضمون عام طور پر تین بنیادی حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

تمہید: مضمون کا ابتدائی حصہ، جس میں موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے اور قاری کے اندر دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔

نفسِ مضمون: مضمون کا مرکزی حصہ، جس میں موضوع کی تفصیلات، دلائل، مثالیں اور تجزیے پیش کیے جاتے ہیں۔

اختتام: مضمون کا آخری حصہ، جس میں پیش کیے گئے نکات کا خلاصہ اور نتیجہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک کامیاب مضمون لکھنے کے لیے درج ذیل اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

موضوع کا انتخاب: ایسا موضوع منتخب کریں جو قاری کی دلچسپی کا باعث بنے اور جس پر آپ کو مکمل معلومات حاصل ہوں۔

مواد کی ترتیب: خیالات اور معلومات کو منطقی ترتیب میں پیش کریں تاکہ مضمون میں تسلسل برقرار رہے۔

زبان و اسلوب: سادہ، واضح اور مؤثر زبان استعمال کریں تاکہ قاری آسانی سے مضمون کو سمجھ سکے۔

دلائل و مثالیں: اپنے نکات کی وضاحت کے لیے مناسب دلائل اور مثالیں پیش کریں۔

اختتامیہ: مضمون کے اختتام پر پیش کیے گئے نکات کا خلاصہ اور نتیجہ بیان کریں تاکہ قاری کو مکمل تصویر حاصل ہو۔

1.3.2 انشائیہ:

انشائیہ اردو نثر کی ایک اہم صنف ہے جو مصنف کے ذاتی خیالات، مشاہدات اور جذبات کو بے تکلف، شگفتہ اور دلچسپ انداز میں پیش کرتی ہے۔ یہ صنف کسی مخصوص موضوع پر علمی یا تحقیقی انداز اپنانے کے بجائے تاثراتی اور تخلیقی اظہار پر زور دیتی ہے۔ انشائیہ میں مصنف کی شخصیت، اس کا اندازِ فکر اور اسلوب نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

انشائیہ میں مصنف اپنے خیالات اور تجربات کو ذاتی انداز میں بیان کرتا ہے، جس سے تحریر میں انفرادیت آتی ہے۔ اس صنف میں کسی مخصوص ڈھانچے یا ترتیب کی پابندی نہیں ہوتی؛ مصنف اپنی مرضی سے بات کو آگے بڑھاتا ہے۔ انشائیہ میں ہلکے پھلکے مزاح، ظرافت اور شگفتگی کا عنصر پایا جاتا ہے، جو قاری کو محظوظ کرتا ہے۔ انشائیہ میں مصنف اپنے تاثرات، جذبات اور خیالات کو اس انداز میں پیش

کرتا ہے کہ قاری کو بھی وہ محسوسات منتقل ہو سکیں۔ انشائیہ میں کسی خاص نتیجے یا انجام تک پہنچنا ضروری نہیں ہوتا؛ بات کو قاری پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

1.3.3 خاکہ:

خاکہ غیر افسانوی نثر کی وہ صنف ہے جس میں کسی شخصیت کی ظاہری اور باطنی خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ قاری کے ذہن میں اس شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر ابھر آئے۔ خاکہ نگاری کا مقصد کسی فرد کی زندگی کے اہم، منفرد اور دلچسپ پہلوؤں کو مختصر، مؤثر اور فنکارانہ انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ یہ صنف شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ انداز میں بیان کرتی ہے، تاکہ قاری اس فرد کی سیرت اور صورت دونوں سے واقف ہو سکے۔

خاکہ میں طوالت سے گریز کیا جاتا ہے؛ صرف وہی باتیں شامل کی جاتی ہیں جو شخصیت کی تصویر کشی کے لیے ضروری ہوں۔ خاکہ نگار کی کوشش ہوتی ہے کہ قاری کے ذہن میں ایک مخصوص اور مکمل تاثر قائم ہو۔ شخصیت کی عادات، اطوار، حرکات و سکنات، لباس، گفتگو اور مزاج کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قاری کے سامنے مجسم ہو جائے۔ خاکہ نگاری میں مبالغہ آرائی، مدح سرائی یا تنقید سے گریز کیا جاتا ہے؛ شخصیت کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ خاکہ نگار اپنے مشاہدات اور تاثرات کو تخلیقی انداز میں پیش کرتا ہے، جس سے تحریر میں دلکشی اور روانی پیدا ہوتی ہے۔

1.3.4 سوانح:

سوانح اردو ادب کی ایک اہم نثری صنف ہے، جس میں کسی فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں پیدائش، تعلیم، مشاغل، عادات و اطوار، افکار و نظریات، کامیابیوں، ناکامیوں اور وفات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ صنف اس فرد کی ظاہری اور باطنی زندگی کو اس انداز میں پیش کرتی ہے کہ قاری اس کی شخصیت کا مکمل اور حقیقت پسندانہ تصور قائم کر سکے۔

سوانح "عربی زبان کے لفظ "سانحہ" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں "پیش آنے والا واقعہ" یا "ظاہر ہونے والی چیز"۔ ادبی اصطلاح میں، سوانح سے مراد کسی فرد کی زندگی کے حالات و واقعات کا تفصیلی بیان ہے، جس میں اس کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو معروضی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

سوانح میں فرد کی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کو شامل کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی مکمل تصویر قاری کے سامنے آ سکے۔ سوانح نگاری میں مصنف کو غیر جانبدار اور حقیقت پسند ہونا چاہیے، تاکہ شخصیت کے محاسن و معائب دونوں کو دیانت داری سے پیش کیا جا سکے۔ سوانح میں اس عہد اور ماحول کا ذکر بھی شامل ہوتا ہے جس میں فرد نے زندگی گزاری، تاکہ اس کی شخصیت کی تشکیل کے عوامل کو سمجھا جا سکے۔ اگرچہ سوانح نگاری ایک تحقیقی عمل ہے، لیکن اس میں ادبی حسن اور دلکشی بھی ہونی چاہیے، تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔

1.3.5 سفرنامہ:

سفرنامہ اردو ادب کی ایک اہم غیر افسانوی نثری صنف ہے، جس میں مصنف اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے مشاہدات،

تجربات، واقعات اور تاثرات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ یہ صنف قاری کو نہ صرف جغرافیائی معلومات فراہم کرتی ہے بلکہ مختلف اقوام اور ان کی ثقافتوں، رسم و رواج، طرزِ زندگی اور تاریخی و سماجی پہلوؤں سے بھی روشناس کراتی ہے۔

سفر نامہ دو الفاظ "سفر" اور "نامہ" سے مرکب ہے۔ "سفر" کے معنی ہیں "مسافت طے کرنا" اور "نامہ" کے معنی ہیں "تحریر" یا "بیان"۔ یوں "سفر نامہ" کا مطلب ہوا "سفر کی تحریری روداد"۔ ادبی اصطلاح میں، سفر نامہ ایسی نثری تحریر کو کہتے ہیں جس میں مصنف اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے حالات، مناظر، لوگوں، ثقافتوں اور ذاتی تاثرات کو بیان کرتا ہے۔ یہ تحریر عموماً بیانیہ انداز میں ہوتی ہے اور پڑھنے والے کو سفر نامہ نگار کا ہم سفر بنا دیتی ہے۔

سفر نامہ عموماً بیانیہ انداز میں لکھا جاتا ہے، جس میں مصنف اپنے سفر کے حالات و واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مصنف اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کو بیان کرتا ہے، جو سفر نامے کو حقیقت پسندی اور انفرادیت عطا کرتے ہیں۔ سفر نامے میں مختلف علاقوں کے جغرافیائی، تاریخی، سماجی اور ثقافتی معلومات شامل ہوتی ہیں، جو قاری کے علم میں اضافہ کرتی ہیں۔ مصنف اپنے تاثرات اور احساسات کو بھی بیان کرتا ہے، جو تحریر کو جذباتی اور دلچسپ بناتے ہیں۔ سفر نامے میں ادبی اسلوب، زبان و بیان کی خوبصورتی اور تخلیقی انداز بھی شامل ہوتے ہیں، جو اسے محض معلوماتی تحریر سے بلند مقام دیتے ہیں۔

1.3.6 خطوط:

خطوط اردو ادب کی ایک اہم غیر افسانوی نثری صنف ہے، جس کے ذریعے افراد یا ادارے اپنے خیالات، جذبات، معلومات یا احکامات کو تحریری شکل میں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ تحریری رابطے کا مؤثر ذریعہ ہے جو ذاتی، دفتری، کاروباری اور سرکاری مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

"خط" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، لکیر، نشان، تحریر یا مکتوب۔ خط ایک تحریری پیغام ہے جو دو افراد یا اداروں کے درمیان خیالات، جذبات یا معلومات کے تبادلے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ خط لکھنے والے کو "مکتوب نگار" اور جسے خط بھیجا جاتا ہے، اسے "مکتوب الیہ" کہتے ہیں۔ خط کے مختلف اجزا ہوتے ہیں۔

پیشانی: خط کی ابتدا میں لکھنے والے کا پتہ اور تاریخ درج کی جاتی ہے۔

القاب و آداب: مخاطب کو مناسب القاب سے مخاطب کیا جاتا ہے، جیسے "محترم والد صاحب" یا "عزیز دوست"۔

نفسِ مضمون: خط کا مرکزی حصہ، جس میں مدعا یا پیغام بیان کیا جاتا ہے۔

اختتامیہ: خط کے اختتام پر دعا، نیک تمنائیں یا شکریہ کے کلمات لکھے جاتے ہیں۔

دستخط: آخر میں لکھنے والے کا نام اور دستخط درج کیے جاتے ہیں۔

اگرچہ جدید دور میں رابطے کے لیے الیکٹرانک ذرائع نے خط و کتابت کی جگہ لے لی ہے، لیکن خطوط نویسی کی ادبی، تعلیمی اور دفتری اہمیت آج بھی برقرار ہے۔ یہ نہ صرف خیالات اور جذبات کے اظہار کا مؤثر ذریعہ ہے بلکہ تحریری مہارتوں کو بھی فروغ دیتا ہے۔

خطوط نویسی اردو ادب کی ایک قدیم اور معتبر صنف ہے جو ادبی اظہار کا ایک منفرد ذریعہ ہے۔ مرزا غالب، سر سید احمد خاں، علامہ

شبلی نعمانی اور ابو الکلام آزاد جیسے ادباء نے خطوط کے ذریعے نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کیا بلکہ اس دور کے سماجی، سیاسی اور ثقافتی حالات کی عکاسی بھی کی۔ ان کے خطوط آج بھی ادبی سرمائے کا حصہ ہیں اور تحقیق و تنقید کے لیے قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں۔

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- "نثر" عربی زبان کے لفظ "نَثَرَ" سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں، بکھیرنا، کسی چیز کو منتشر کرنا یا پھیلانا۔ بکھری ہوئی چیز، ایسی چیز جو منتشر یا پھیلی ہوئی ہو لہٰذا، نثر کا لغوی مفہوم "بکھری ہوئی عبارت" یا "بکھیر کر بیان کرنا" ہے۔
- ادب میں "نثر" سے مراد وہ تحریر ہے جو بغیر کسی مخصوص وزن، بحر یا قافیہ کے لکھی جاتی ہے۔ یعنی ایسی عبارت جو نظم کی قید سے آزاد ہو اور جملوں اور پیراگراف کی شکل میں ہو۔ نثر میں خیالات، احساسات، معلومات یا کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔
- افسانوی نثر اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے جو حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ اس میں مصنف زندگی کے کسی ایک پہلو، واقعہ یا نفسیاتی کیفیت کو بیان کرتا ہے، جس کا مقصد قاری کو ایک مخصوص تاثر یا تجربے سے گزارنا ہوتا ہے۔
- داستان ایک ایسی ادبی صنف ہے جو نثری صورت میں لکھی جاتی ہے اور اپنے اندر تخیل، غیر معمولی واقعات، مافوق الفطرت عناصر اور دلچسپ کرداروں کا امتزاج رکھتی ہے۔
- حکایت ایک مختصر نثری یا منظوم قصہ ہوتا ہے جس میں دلچسپ اور سبق آموز واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ واقعات بظاہر سادہ اور چھوٹے ہوتے ہیں، مگر ان کے پسِ منظر میں ایک گہرا اخلاقی، سماجی یا اصلاحی پیغام چھپا ہوتا ہے۔
- کہانی نثر کی ایک معروف اور قدیم صنف ہے جس میں ایک یا زیادہ کرداروں کے گرد گھومتا ہوا کوئی واقعہ یا خیال بیان کیا جاتا ہے۔ کہانی کا بنیادی مقصد قاری کو دلچسپی، تفریح اور کبھی کبھی سبق آموز پیغام دینا ہوتا ہے۔
- افسانہ اردو ادب کی ایک اہم اور جدید نثری صنف ہے۔ افسانہ مختصر اور جامع ہوتا ہے اور کسی خاص واقعے، خیال، احساس یا کردار کو مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔
- ناول اردو ادب کی ایک جامع، طویل اور ہمہ گیر نثری صنف ہے، جس میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، معاشرتی حالات، جذبات، مسائل، اور کرداروں کی نفسیات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔
- ناولٹ اردو نثر کی ایک صنف ہے جو ناول اور افسانے کے درمیان کی شکل رکھتی ہے۔ یہ نہ تو اتنا مختصر ہوتا ہے کہ افسانہ کہلائے، اور نہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ اس کا ناول میں شمار ہو۔ اس میں ناول کی گہرائی اور افسانے کا اختصار دونوں موجود ہوتے ہیں۔
- ڈراما ادب کی ایک ایسی صنف ہے جو مکالموں اور حرکات کے ذریعے کسی واقعے، مسئلے یا کرداروں کی کشمکش کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ وہ اسٹیج پر ادا کیا جا سکے۔ ڈراما کو پڑھا بھی جا سکتا ہے، لیکن اس کی اصل روح اسٹیج پر عملی طور پر دکھانا ہوتی ہے۔
- غیر افسانوی نثر اردو ادب کی وہ صنف ہے جو حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اور اس میں تخیلاتی یا من گھڑت عناصر شامل نہیں ہوتے۔ یہ

نثر زندگی کے حقیقی واقعات، تجربات، مشاہدات، اور احساسات کو بیان کرتی ہے۔

- مضمون اردو ادب کی ایک اہم نثری صنف ہے، جس میں کسی مخصوص موضوع پر مصنف اپنے خیالات، مشاہدات، تجربات اور معلومات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔
- انشائیہ اردو نثر کی ایک اہم صنف ہے جو مصنف کے ذاتی خیالات، مشاہدات اور جذبات کو بے تکلف، شگفتہ اور دلچسپ انداز میں پیش کرتی ہے۔ یہ صنف کسی مخصوص موضوع پر علمی یا تحقیقی انداز اپنانے کے بجائے تاثراتی اور تخلیقی اظہار پر زور دیتی ہے۔
- خاکہ اردو ادب کی ایک غیر افسانوی نثری صنف ہے جس میں کسی شخصیت کی ظاہری اور باطنی خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ قاری کے ذہن میں اس شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر ابھر آئے۔
- سوانح اردو ادب کی ایک اہم نثری صنف ہے، جس میں کسی فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں پیدائش، تعلیم، مشاغل، عادات و اطوار، افکار و نظریات، کامیابیاں، ناکامیاں، اور وفات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔
- سفر نامہ اردو ادب کی ایک اہم غیر افسانوی نثری صنف ہے، جس میں مصنف اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے مشاہدات، تجربات، واقعات اور تاثرات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔
- خطوط اردو ادب کی ایک اہم غیر افسانوی نثری صنف ہے، جس کے ذریعے افراد یا ادارے اپنے خیالات، جذبات، معلومات یا احکامات کو تحریری شکل میں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

1.5 مشکل الفاظ

مافوق الفطرت	ماورائے فطرت، فطرت کے خلاف	Supernatural
دیومالائی	دیوی، دیوتاؤں کے روایتی قصے اور کہانیاں	Mythological
استعجاب	تعجب، حیرت	Astonishment
طلسماتی دنیا	جادوئی دنیا	Magical world
تخیل	خیال کرنا	Imagination
سبق آموز	سبق سکھانے والا	Instructive / Moralistic
پراسرار	جس میں کوئی بھید چھپا ہو	Mysterious
عکاسی	کسی چیز کی ہو بہو تصویر پیش کرنا	Photography / Depiction / Reflection
قاری	پڑھنے والا	Reader
محرک	حرکت دینے والا، اکسانے والا	Motivating / Stimulus
پر شکوہ	شان شوکت والا	Magnificent

مرصع	نگینے جڑا ہوا	Ornamented / Embellished
منطق	خوش کلامی، دلیل کے ساتھ بات کرنے کا فن	Logic
تفریح	خوشی، مسرت	Entertainment
زماں و مکاں	وقت اور مقام	Time and space
مشاغل	شغل کی جمع، بہت سے کام	Activities / Occupations
شگفتگی	کھلنے کی حالت یا عمل (پھولوں وغیرہ کا)	Cheerfulness / Pleasantness
افکار	فکر کی جمع، پریشانیاں	Thoughts / Ideas

1.6 مشقیں

مشق 1: درج ذیل اصناف کے لغوی معنی لکھیے۔

1۔ ناول ....

2۔ افسانہ ....

3۔ ناولٹ ....

4۔ سوانح ....

5۔ خطوط ....

مشق 2: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ نثر ....

2۔ حکایت ....

3۔ کہانی ....

4۔ خطوط ....

مشق 3: درج ذیل الفاظ کے جمع لکھیے۔

1۔ مضمون ....

2۔ تجربہ ....

3۔ خیال ....

4۔ سانحہ ....

5۔ خط ....

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.7.1 معروضی سوالات:

1۔ نثر کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b)فارسی (c)عربی (d)ترکی

2۔ ذیل کی کون سی صنف افسانوی نثر کا حصہ ہے؟

(a) ناولٹ (b)خطوط (c)سوانح (d)انشائیہ

3۔ ذیل میں سے کون کہانی کا حصہ نہیں ہے؟

(a) ابتدا (b)انتہا (c)وسط (d)انجام

4۔ ناول کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b)انگریزی (c) یونانی (d)لاطینی

5۔ لفظ "ڈراما" کا کیا مطلب ہے؟

(a)عمل کرکے دکھانا (b)کھیلنا (c)ڈراما کرنا (d)ڈراما دیکھنا

6۔ ناولٹ عموماً کتنے صفحات پر مشتمل ہوتا ہے؟

(a)40-50 (b)100-50 (c)200-150 (d)250-200

7۔ ذیل کی کون سی صنف غیر افسانوی نثر میں شمار نہیں کی جاتی ہے؟

(a) خاکہ (b)خطوط (c)ڈراما (d)سفر نامہ

8۔ مافوق الفطرت کس صنف کا خاص جزو ہوتا ہے؟

(a)افسانہ (b)ڈراما (c)ناول (d)داستان

9۔ سوانح کس زبان کا لفظ ہے؟

(a)عربی (b)فارسی (c)ترکی (d)اردو

10۔القاب و آداب کس صنف کا جزو ہے؟

(a)مضمون (b)سوانح (c)خطوط (d)انشائیہ

1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ داستان کسے کہتے ہیں؟ مختصر بیان کیجیے۔

2۔ ناول کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

3۔ ڈراما کی تعریف بیان کرتے ہوئے ادب میں اس کی اہمیت کو واضح کیجیے۔

4۔ مضمون کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

5۔ سفر نامہ کسے کہتے ہیں؟ وضاحت کے ساتھ بیان کیجیے۔

1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نثر کی تعریف بیان کرتے ہوئے افسانوی نثر کی خوبیوں کو واضح کیجیے۔

2۔ غیر افسانوی نثر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کی اقسام پر روشنی ڈالیے۔

3۔ خاکہ اور سوانح کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار خیال کیجیے۔

1.7.1 کے جوابات:

1.7.1 کے جوابات:	c۔1	a۔2	b۔3	d۔4	a۔5
	b۔6	c۔7	d۔8	a۔9	b۔10

اکائی 2: حکایات

(سعدی شیرازی، مولانا روم)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 حکایت کیا ہے؟

2.3 سعدی شیرازی

2.3.1 حکایات سعدی شیرازی

2.4 مولانا روم

2.4.1 حکایات مولانا روم

2.5 اکتسابی نتائج

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.0 تمہید

ایسے قصے جو مختصر ہوں اور جن سے ہمیں کوئی اخلاقی سبق ملتا ہو، انھیں حکایت کہتے ہیں۔ حکایات میں حیوانوں اور انسانوں کو یا اکثر محض حیوانوں یعنی چرند پرند کو باہم انسانی قول و عمل کرتے ہوئے پیش کیا جاتا ہے۔ ہم نے ایسے قصے ضرور سنے یا پڑھے ہوں گے جن سے ہمیں کوئی اخلاقی سبق اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ ہماری مذہبی کتابوں میں بھی اخلاقیات کا درس دینے والی حکایات موجود ہیں۔ حکیم لقمان کی حکایات کے علاوہ مشہور فارسی شعرا جیسے سعدی شیرازی اور مولانا روم کی حکایات دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سبق آموز ہیں۔ اس اکائی میں ہم سعدی شیرازی اور مولانا روم کی چند حکایات پڑھیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- حکایت کسے کہتے ہیں، یہ سمجھ سکیں۔
- سعدی شیرازی اور مولانا روم کی حکایات سے لطف اندوز ہو سکیں۔

- سعدی شیرازی اور مولانا روم کی چند حکایات بیان کر سکیں۔
- سعدی شیرازی اور مولانا روم کی حکایات سے سبق حاصل کر سکیں۔
- سعدی شیرازی اور مولانا روم کی حکایات پڑھ کر اردو زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کر سکیں۔
- اردو زبان میں موجود مزید حکایات کے مطالعے کا شوق پیدا کر سکیں۔

2.2 حکایت کیا ہے؟

قصے کہانیوں سے ہم سبھی بخوبی واقف ہیں۔ قصے دلچسپ ہوتے ہیں جنہیں چھوٹے بچوں کے علاوہ بڑے بھی نہایت شوق سے سنتے اور پڑھتے ہیں۔ بچپن میں ہم سبھی نے اپنی نانی اور دادی سے یہ دلچسپ قصے سنے ہیں۔ اسکول کی جماعتوں میں بھی ہم نے درسی کتابوں کے علاوہ رسالوں اور تفریحی کتب میں قصے پڑھے ہوں گے۔ ان قصوں میں ہم سبھی دلچسپی لیتے ہیں کیونکہ ان میں دلچسپ واقعات، کردار اور مناظر ہوتے ہیں۔ ان قصوں میں دیس بدیس اور ان دیکھی دنیا کے واقعات ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے قصے بھی ہم نے ضرور پڑھے یا سنے ہوں گے جن میں دلچسپ واقعات کے ساتھ ساتھ اچھی اور مفید باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ اخلاق و عادات کو بہتر بنانے کا سبق ملتا ہے۔ ایسے قصے بھی پڑھے یا سنے ہوں گے جن سے ملنے والے اخلاقی سبق زندگی بھر یاد رہتے ہیں۔ یہ قصے ہماری بہتر تربیت میں معاون ہوتے ہیں۔ ان قصوں کو اکثر ہمارے بڑے بزرگ نصیحت اور تلقین کے طور پر بارہا سناتے رہتے ہیں۔ ایسے قصوں کو حکایات کہا جاتا ہے۔ یہ قصے چھوٹے ہوتے ہیں تاکہ یاد رہ سکیں۔ ایسا مختصر قصہ جس سے اخلاقی سبق ملتا ہو اسے حکایت کہتے ہیں۔ حکایات میں اکثر چرند پرند کی بات چیت اور عمل کے ذریعے جو انسانوں کی بات چیت اور عمل جیسے ہی ہوتے ہیں، کوئی قصہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان حیوانوں کے قول و عمل اور انسانوں کے قول عمل میں بے حد مماثلت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان حکایات کو تمثیلی قصے یا تمثیلی کہانیاں بھی کہتے ہیں۔ کئی حکایات میں انسان بھی ہوتے ہیں۔ ایسی حکایات میں بھی انسان اور حیوان آپس میں انسانوں کی طرح باتیں کرتے ہیں تبھی تو ہم انسان ان حکایات کو سمجھ پاتے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے اخلاقی سبق سے اپنی زندگی کو بہتر اور خوبصورت بناتے ہیں۔

2.3 سعدی شیرازی

سعدی شیرازی فارسی زبان و ادب کے اہم شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کا نام شیخ مصلح الدین اور تخلص سعدی تھا۔ 606ء کے قریب ایران کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ کچھ عرصہ مذہبی اور ادبی علوم کی تعلیم شیراز ہی میں حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں بغداد گئے۔ اور وہاں کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ تقریباً بتیس سال کی عمر تک یہاں علم حاصل کیا۔ پھر سیر و سفر سے دلچسپی کی وجہ سے سیاحت پر روانہ ہوئے اور مکہ، دمشق اور مختلف شہروں کا سفر کیا۔ اس طویل سفر کے بعد واپس ہوئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ سعدی نے کئی نثری و منظوم تالیفات یادگار چھوڑی ہیں جو ان کے سفر کے تجربات اور مشاہدات پر مشتمل ہیں۔ ان کی حکایات کو ہر چھوٹا بڑا نہایت شوق سے پڑھتا ہے اور بارہا بطور مثال پیش کرتا ہے۔ سعدی کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف گلستان و بوستان کو اتنی شہرت اور مقبولیت ملی کہ سعدی شیرازی زندہ جاوید ہوگئے۔ ایران کے

علاوہ ہندوستان اور دنیا کے کئی ملکوں میں ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔

2.3.1 حکایات سعدی شیرازی:

حماقت کا انجام

ایک بیوہ رئیس زادی کی دو کنیزیں تھیں جن سے وہ گھر کا کام لیتی تھی۔ یہ دونوں کنیزیں سست، کاہل اور کام چور تھیں۔ انہیں کام کرنے سے سخت نفرت تھی۔ خاص طور پر صبح سویرے اٹھنا تو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ان کی مالکہ انہیں مرغ کی اذان پر جگا دیتی کہ اٹھو، صبح ہو گئی ہے۔ گھر کا کام کرو۔ ادھر مرغ کی اذان کا کیا وہ تو آدھی رات گئے ہی اذان دینے لگتا۔ دونوں کنیزوں نے تنگ آکر مرغ کو جان سے مار دینے کا فیصلہ کیا کہ نہ یہ ہوگا نہ اذان دے گا اور وہ دن چڑھے تک مزے کی نیند سوئیں گی۔ ایک دن دونوں کنیزوں نے مالکہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرغ کو پکڑ کر مار ڈالا اور ایک جگہ دبا دیا۔ اب ہوا یہ کہ مرغ کے نہ ہونے سے بیوہ کو وقت کا اندازہ ہی نہ رہا۔ وہ کنیزوں کی جان کھانے لگی اور انہیں نصف شب کو جگانے لگی۔

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ چالاکی سے انسان کو فائدہ کے بجائے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہوشیار انسان وہ ہے جو سوچ سمجھ کر عقل سے کام لے کر کوئی قدم اٹھائے تاکہ اس کے کسی عمل سے خود اسے نقصان نہ ہو۔

مشکل الفاظ:

بیوہ	ایسی عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو	Widow
رئیس زادی	امیر اور دولت مند انسان کی بیٹی	Aristocrat's daughter / Heiress
کنیز	ایسی نوکرانی جسے خدمت کے لیے خریدا ہو	Maid / Handmaid
نصف شب	آدھی رات	Midnight

جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک لومڑی ایک چیل کی سہیلی بن گئی۔ دونوں میں اتنا پیار ہوا کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنا مشکل ہو گیا۔ ایک دن لومڑی نے چیل سے کہا۔ کیوں نہ ہم پاس رہیں۔ پیٹ کی فکر میں اکثر مجھے گھر سے غائب رہنا پڑتا ہے۔ میرے بچے گھر میں اکیلے رہ جاتے ہیں اور میرا دھیان بچوں کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ کیوں نہ تم یہیں کہیں پاس ہی رہو۔ کم از کم میرے بچوں کا تو خیال رکھو گی۔" چیل نے لومڑی کی بات سے اتفاق کیا اور آخر کار کوشش کرکے رہائش کے لیے ایک پرانا پیڑ تلاش کیا جس کا تنا اندر سے کھوکھلا تھا۔ اس میں شگاف تھا۔ دونوں کو یہ جگہ پسند آئی۔ لومڑی اپنے بچوں کے ساتھ شگاف میں اور چیل نے پیڑ پر بسیرا کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد لومڑی کی غیر موجودگی میں چیل جب اپنے گھونسلے میں بچوں کے ساتھ بھوکی بیٹھی تھی، اس نے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے لومڑی کا ایک بچہ اٹھایا اور گھونسلے میں جاکر خود بھی کھایا اور بچوں کو بھی کھلایا۔ جب لومڑی واپس آئی تو ایک بچہ غائب پایا۔ اس نے بچے کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ بچے کے غم میں وہ آنسو بہانے لگی۔ چیل بھی دکھاوے کا افسوس کرتی رہی۔

دوسرے دن لومڑی جب جنگل میں پھر شکار کرنے چلی گئی اور واپس آئی تو ایک اور بچہ غائب پایا۔ لومڑی کو شک ہوا کہ کہیں یہ چیل کا کام تو نہیں! لیکن دوستی کی مروت میں وہ خاموش رہی۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کا ایک اور بچہ غائب ہو گیا۔ چیل لومڑی کے سارے بچے کھا گئی۔ لومڑی کو چیل پر شک جو ہوا تھا، وہ پختہ یقین میں بدل گیا کہ اس کے تمام بچے چیل ہی نے کھائے ہیں مگر وہ چپ رہی۔ کوئی گلہ شکوہ نہ کیا۔ ہر وقت روتی رہتی اور خدا سے فریاد کرتی رہتی کہ۔ "اے خدا! مجھے اڑنے کی طاقت عطا فرما تا کہ میں اپنی دوست نما دشمن چیل سے اپنا انتقام لے سکوں۔

خدا نے لومڑی کی التجا سن لی اور چیل پر اپنا قہر نازل کیا۔ ایک روز بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر چیل تلاش روزی میں جنگل میں اڑی چلی جا رہی تھی کہ ایک جگہ دھواں اٹھتا دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف لپکی۔ دیکھا کچھ شکاری آگ جلا کر شکار بھوننے میں مصروف ہیں۔ چیل کا بھوک سے برا حال تھا۔ اس کے بچے بھی بہت بھوکے تھے۔ وہ صبر نہ کر سکی۔ جھپٹا مارا اور کچھ گوشت اپنے پنجوں میں دبا کر گھونسلے میں لے گئی۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کچھ چنگاریاں بھی چپکی ہوئی ہیں۔ ان چنگاریوں سے گھونسلے میں بچھے ہوئے گھاس پھوس کے تنکوں کو آگ لگ گئی۔ اسی دوران تیز تیز ہوا چلنے لگی، جس سے گھونسلہ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔۔ آگ نے اتنی فرصت ہی نہ دی کہ چیل اپنا اور اپنے بچوں کا بچاؤ کر سکے۔ وہ تڑپ تڑپ کر نیچے گرنے لگے۔ لومڑی نے جھٹ اپنا بدلہ لے لیا اور انہیں چبا چبا کر کھا گئی۔

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو دوسروں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے، اس کے ساتھ بھی برا ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی کے ساتھ بھلائی نہ کر سکو تو برائی بھی نہ کرو۔ مشہور ہے کہ برے کام کا برا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے، وہ خود بھی اسی کنویں میں گرتا ہے۔

مشکل الفاظ:

اتفاق	میل ملاپ	Coincidence / Agreement
شگاف	چیرا ہوا، کٹا ہوا	Crack / Gap / Rift
گلہ شکوہ	شکایت	Complaint / Grievance
فریاد	رحم کی درخواست، مدد کے لیے پکارنا	Call for Help / Plea

بعد از مرگ واویلا

کسی جنگل میں ریچھ نے بکرے کا شکار کیا اور کھانے کے لیے بیٹھا۔ اچانک ادھر سے ایک بھوکا شیر بھی آ نکلا اور آتے ہی بکرے پر جھپٹ پڑا۔ ریچھ نے اپنے ہاتھ سے شکار نکلتے دیکھا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ ایسے مفت خورے شیر سے کیا ڈرنا، اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ یہ سوچ کر انتہائی غصے سے دانت کٹکٹاتا ہوا شیر سے الجھ گیا۔ بہت دیر تک دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے دونوں لہولہان ہو گئے۔ نہ ریچھ ہار مانتا تھا نہ شیر۔ خوفناک لڑائی جاری رہی۔ آخر کار دونوں زخموں سے چور ہو گئے اور بے دم ہو کر

زمین پر گر گئے۔ ایک چالاک لومڑی دور کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بکرے کو اٹھا کر لے گئی۔ شیر اور ریچھ بے بسی سے یہ منظر دیکھتے رہ گئے۔

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ دو افراد کی لڑائی سے ہمیشہ تیسرا فائدہ اٹھاتا ہے۔ جوش کے ساتھ ہوش ضروری ہے ورنہ جو حاصل ہوا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ ہوشیار اور چالاک شخص ہمیشہ دوسروں کی لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنا کام بنا لیتے ہیں۔

مشکل الفاظ:

ریچھ	بھالو	Bear
آپے سے باہر ہونا	بہت زیادہ غصہ ہونا	To lose control / To be enraged
مفت خورے	بغیر محنت اور بغیر کچھ خرچ کیے فائدہ حاصل کرنے والا	Parasites / Free-riders

اپنے آپ پر بھروسہ کرو

کسی باغ میں ایک کبوتر نے اپنا آشیانہ بنایا ہوا تھا۔ جس میں وہ دن بھر اپنے بچوں کو دانہ چگاتا۔ بچوں کے بال و پر نکل رہے تھے۔ ایک دن کبوتر دانہ چونچ میں دبائے باہر سے آیا تو سارے بچوں نے اسے تشویش سے بتایا کہ اب ہمارے آشیانے کی بربادی کا وقت آ گیا ہے۔ آج باغ کا مالک اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا۔ " پھل توڑنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ کل میں اپنے دوستوں کو ساتھ لاؤں گا اور ان سے پھل توڑنے کا کام لوں گا۔ خود میں اپنے بازو کی خرابی کی وجہ سے یہ کام نہ کر سکوں گا۔" کبوتر نے اپنے بچوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ " باغ کا مالک کل اپنے دوستوں کے ساتھ نہیں آئے گا۔ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔" اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا۔ باغ کا مالک دوسرے روز اپنے دوستوں کے ہمراہ پھل توڑنے نہ آیا۔ کئی روز بعد باغ کا مالک اپنے بیٹے کے ساتھ باغ میں آیا اور کہنے لگا۔

میں اس دن پھل توڑنے نہ آ سکا کیونکہ میرے دوست وعدے کے باوجود نہ آئے لیکن میرے دوبارہ کہنے پر انہوں نے پکا وعدہ کیا ہے کہ کل وہ ضرور آئیں گے اور پھل توڑنے باغ میں جائیں گے۔

کبوتر نے یہ بات بچوں کی زبانی سن کر کہا۔ " گھبراؤ نہیں، باغ کا مالک اب بھی پھل توڑنے نہیں آئے گا۔ یہ کل بھی گزر جائے گی۔"

اسی طرح دوسرا روز بھی گزر گیا اور باغ کا مالک اور اس کے دوست باغ نہ آئے۔ آخر ایک روز باغ کا مالک اپنے بیٹے کے ساتھ پھر باغ میں آیا اور بولا۔

"میرے دوست تو بس نام کے ہمدرد ہیں۔ ہر بار وعدہ کر کے بھی ٹال مٹول کرتے ہیں اور نہیں آتے۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنا کام میں خود کروں گا اور کل باغ سے پھل توڑوں گا۔"

کبوتر نے یہ بات سن کر پریشانی سے کہا۔" بچو! اب ہمیں اپنا ٹھکانہ کہیں اور تلاش کرنا چاہیے۔ باغ کا مالک کل یہاں ضرور آئے گا کیونکہ اس نے دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنا کام خود ہی کرنا چاہیے۔ جو اپنے کام کے لیے دوسروں کی مدد کا انتظار کرتے ہیں، وہ ناکام ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

مشکل الفاظ:

آشیانہ	گھونسلہ، گھر	Nest / Dwelling
بال و پر نکلنا	چوزوں کے پر نکلنا	To grow wings and feathers / To mature
تشویش	فکر، چنتا، انہونی کا خوف	Worry / Anxiety / Concern
حقیقتاً	حقیقت میں، دراصل	Truly / Really / Indeed

وقت کی نزاکت

کسی مالدار بخیل کا بیٹا بہت سخت بیمار ہو گیا۔ دوا دارو کرنے کے باوجود بھی بیماری کا زور نہ ٹوٹا تو کسی نیک دل شخص نے اسے مشورہ دیا کہ قرآن مجید ختم کراؤ یا بکرے کا صدقہ دو۔" یہ سن کر مالدار بخیل سوچ میں پڑ گیا اور پھر بولا۔" قرآن مجید ختم کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ منڈی دور ہے اور آنے جانے میں بہت وقت ضائع ہو گا۔" اس کی یہ بات سن کر نیک آدمی نے کہا۔" قرآن مجید ختم کرنا اس لیے پسند آیا کہ قرآن اس کی نوک زبان پر ہے اور روپیہ اس کی جان میں اٹکا ہوا ہے۔"

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس وقت جو ضرورت ہے اس کے مطابق فیصلہ لینا چاہیے۔ کنجوسی سے نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ جان زیادہ قیمتی ہے اس کے لیے دولت بھی خرچ کرنی پڑے تو ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیے۔ دولت وہی کام کی ہے جو وقت پر کام آسکے۔

مشکل الفاظ:

مالدار	دولت مند، امیر	Wealthy / Rich
بخیل	کنجوس، پیسہ جوڑ کر رکھنے والا	Miser / Stingy
صدقہ	غریبوں اور ضرورت مندوں پر جانے والا خرچ	Alms / Charity
نوک زبان پر ہونا	یاد ہونا	To be on the tip of the tongue

بیمار شیر اور لومڑی

ایک شیر بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ بھوک سے جب برا حال ہوا تو لومڑی سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔" فکر نہ کرو، میں اس کا بندوبست کر دوں گی۔" یہ کہہ کر لومڑی نے پورے جنگل میں مشہور کر دیا کہ شیر بہت بیمار ہے اور بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ یہ خبر سنتے ہی جنگل کے جانور اس کی عیادت کو آنے لگے۔ شیر غار میں سر جھکائے پڑا رہتا اور عیادت کے لیے آنے والے

جانوروں کا شکار کر کے اپنی بھوک مٹاتا رہتا۔ ایک دن لومڑی شیر کا حال احوال پوچھنے کے لیے آئی اور غار کے دہانے پر کھڑی ہو گئی۔ اتفاقاً اس دن کوئی جانور نہ آیا تھا جس کی وجہ سے شیر بھوکا تھا۔ اس نے لومڑی سے کہا۔ " باہر کیوں کھڑی ہو، اندر آؤ اور مجھے جنگل کا حال احوال سناؤ۔ "لومڑی نے چالاکی سے جواب دیا۔ " نہیں میں اندر نہیں آسکتی۔ میں یہاں باہر سے آنے والے پنجوں کے نشان تو دیکھ رہی ہوں لیکن واپسی کے نہیں۔"

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کی اتنی ہی مدد کرو کہ اپنا نقصان نہ ہو۔ آنکھ بند کر کے کسی کی مدد میں حد سے گذر جانا اکثر اپنا نقصان کرنا ہوتا ہے۔ اپنی جان بچاتے ہوئے کسی کی جان بچانا عقلمندی ہے۔ نیک ہونا اچھا ہے، بے وقوف ہونا نہیں۔

مشکل الفاظ:

معذور	مجبور	Disabled / Handicapped
بندوبست	انتظام	Arrangement / Management
عیادت	بیمار سے ملنے جانا	Inquiry after health / Visiting the sick
حال احوال پوچھنا	خیریت دریافت کرنا	To ask about well-being
غار کا دہانہ	غار کا منھ، غار میں داخل ہونے کا راستہ	Cave entrance / Mouth of cave

خسارہ

حضرت سعدی ایک قافلے کے ہمراہ بیابان کا سفر طے کر رہے تھے کہ ایک پڑاؤ پر قافلہ رکا۔ نیند کے غلبے نے انہیں ایسا مدہوش کیا کہ قافلے کی روانگی کا احساس نہ ہوا۔ ایک شتر سوار نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر جگایا اور کہا۔ " مرنے کا ارادہ ہے جو یوں غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ یاد رکھ، قافلے سے بچھڑنے کی صورت میں اس لق و دق بیابان میں ہی ہلاک ہو جائے گا۔ وقت کسی کی خاطر اپنی رفتار کم نہیں کرتا۔ اس کا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ اسے غفلت کی نیند میں برباد نہ کر۔"

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ سفر میں احتیاط اور ہوشیاری ضروری ہے۔ تھوڑی غفلت بھی بڑا نقصان کر سکتی ہے اور مسافر منزل پر پہنچنے کے بجائے ہلاک ہو جائے یا راستہ کھو دے۔ غفلت کی وجہ سے مسافر راہ کھو سکتا ہے، گم ہو سکتا ہے، منزل دنیا کی ہو یا آخرت کی مسافر کا سفر کی حالت میں غافل ہونا خطرناک ہے۔

مشکل الفاظ:

خسارہ	نقصان	Loss
ہمراہ	ساتھ، سفر کا ساتھی، ہم سفر	Along / Accompanying

بیابان	سنسان اور ویران جگہ	Wilderness / Desert
مدہوش	گہری نیند کی حالت، بے ہوشی جیسی نیند	Unconscious / Intoxicated
شتر سوار	اونٹ سوار	Camel rider
لق و دق	ویرانہ، چٹیل میدان جس میں گھاس تک نہ ہو	Vast and desolate
غفلت	مقصد بھول جانا	Negligence / Carelessness
آخرت	قیامت کا دن، جزاو سزا کا دن	Hereafter / Afterlife

2.4 مولانا روم

مولانا روم کا نام مولانا جلال الدین رومی تھا۔ وہ فارسی کے عظیم شاعر، صوفی اور عالم تھے۔ ان کے نام کے ساتھ رومی اس لیے جڑ گیا کہ انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ ترکی کے علاقے میں گزارا، جو سلطنت روم میں شامل تھا۔ مولانا روم کی ولادت 30 ستمبر 1207 میں موجودہ افغانستان کے شہر بلخ میں ہوئی تھی۔ 68 سال تین ماہ کی عمر پائی۔ ان کی تاریخ وفات 17 دسمبر 1273 کو قونیہ شہر میں ہوئی۔ ان کی شاعری کے ترجمے مختلف زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ انھیں ترکی، آذر بائیجان، جنوبی ایشیا اور امریکہ میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ مولانا روم کی شاعری مذہب، نسل اور ملک کی سرحدوں کو پار کر کے عالمی سطح پر مقبول ہو گئی ہے۔۔ مولانا روم اپنی شاعری کے علاوہ اپنی حکایات کے لیے بھی بہت مشہور ہیں۔

2.4.1 حکایات مولانا روم:

باغبان اور چور

ایک چور ایک باغ میں گھس گیا اور آم کے درخت پر چڑھ کر آم کھانے لگا اتفاقاً باغبان بھی وہاں آ پہنچا اور چور سے کہنے لگا او بے شرم یہ کیا کر رہے ہو؟

چور مسکرایا اور بولا: ارے بے خبر یہ باغ اللہ کا ہے اور میں اللہ کا بندہ ہوں، وہ مجھے کھلا رہا ہے اور میں کھا رہا ہوں، میں تو اس کا حکم پورا کر رہا ہوں، ورنہ تو پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

باغبان نے چور سے کہا جناب! آپ کا یہ وعظ سن کر دل بہت خوش ہوا... ذرا نیچے تشریف لائیے تاکہ میں آپ جیسے مومن باللہ کی دست بوسی کر لوں... سبحان اللہ اس جہالت کے دور میں آپ جیسے عارف کا دم غنیمت ہے ... مجھے تو مدت کے بعد معرفت کا یہ نکتہ ملا ہے کہ جو کرتا ہے... خدا ہی کرتا ہے... اور بندے کا کچھ بھی اختیار نہیں... قبلہ ذرا نیچے تشریف لائیے... چور اپنی تعریف سن کر پھولا نہ سمایا اور جھٹ سے نیچے اتر آیا۔ جب وہ نیچے آیا تو باغبان نے اسکو پکڑ لیا اور رسی کے ساتھ درخت سے باندھ دیا اور ایک ڈنڈا لے کر اس کی مرمت کرنے لگا، چور چلا اٹھا، کہ ظالم کچھ تو رحم کرو، میرا اتنا جرم نہیں جتنا تو نے مجھے مار لیا ہے۔ باغبان نے ہنس کر اس سے کہا کہ جناب ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اگر پھل کھانے والا اللہ کا بندہ تھا تو مارنے والا بھی تو اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کے حکم سے ہی مار رہا ہے کیوں کہ اس کے حکم

ہے باغبان نے کہا.... اور اسی اختیار کی وجہ سے اچھے یا برے کام کا ذمہ دار بھی۔ کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہلتا چور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا... خدارا مجھے چھوڑ دے.... اصل مسئلہ میری سمجھ میں آگیا ہے ... کہ بندے کا بھی کچھ اختیار

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو خدا نے اچھائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی ہے۔ ساتھ ہی یہ صلاحیت بھی ہر انسان کو دی ہے کہ وہ اچھائی کو اختیار کرے اور برائی سے دور رہے۔ اسی لیے تو وہ برے کام کرنے کی وجہ سے سزا اور اچھے کاموں کے کرنے پر انعام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اپنے برے کاموں کو خدا کی مرضی ٹھہرا کر سزا سے بچا نہیں جا سکتا۔

مشکل الفاظ:

باغبان	باغ کی دیکھ بھال کرنے والا	Gardener
وعظ	تقریر، نصیحت کی باتیں	Sermon / Preaching
مومن باللہ	اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا بندہ	Believer in Allah / Faithful
دست بوسی	ہاتھ چومنا، عقیدت ظاہر کرنا	Kissing the hand / Showing respect
عارف	جاننے والا، سچائی اور حقیقت سے واقف	Mystic / Gnostic / Wise person
غنیمت	مفید، بیش قیمتی	Blessing / Boon / Gain
توحید	ایک خدا پر ایمان	Monotheism
معرفت	رسائی، حقیقت کی سچی پہچان	Knowledge / Spiritual insight
قبلہ	محترم، جناب	Respected / Honourable
خدارا	خدا کے لیے	For God’s sake / Please
اختیار	قدرت	Authority / Power / Choice

حقیقت کیا ہے؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند دوستوں نے لوگوں کی سمجھ کو آزمانا چاہا۔ انہوں نے ایک ہاتھی کو ایک تاریک کمرے میں باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ باہر آئے اور لوگوں کو ہاتھی دیکھنے کی دعوت دی۔ وہ ہاتھی کو دیکھنے کے لیے تاریک کمرے میں داخل ہوئے۔ چونکہ اندھیرے کی وجہ سے وہ دیکھ تو نہ سکتے تھے اس لیے انہوں نے اسے ہاتھ سے چھونے کی کوشش کی۔

ایک شخص نے اس کے کان کو چھوا اور کہا "یہ ایک پنکھے کی طرح ہے۔" دوسرے شخص نے اس کی سونڈ کو چھوا اور بولا "یہ پانی کے نلکے کی طرح ہے" تیسرے شخص کا ہاتھ اس کی ٹانگ کو لگا، اس نے کہا "ہاتھی ایک ستون کی طرح ہے۔" چوتھے شخص نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور بولا "ہاتھی ایک تخت کی طرح ہے۔" ہر شخص نے ہاتھی کو اپنے تجربے کے مطابق سمجھا اور دوسروں کو بتایا۔ اگر ہر شخص کے ہاتھ میں ایک موم بتی ہوتی تو ان کے تجربات کا فرق دور ہو جاتا اور وہ ہاتھی کا اصل روپ دیکھ سکتے۔

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حقیقت کو جاننے، پہچاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حقیقت سے واقف عالم کی رہنمائی حاصل ہو ورنہ جہالت تو ایک اندھیرا ہے جہاں چیزیں ویسی نظر نہیں آتی ہیں جیسی کہ وہ ہوتی ہیں۔

مشکل الفاظ:

تاریک	اندھیرا	Dark / Darkness
دعوت دینا	اپنی طرف بلانا	To invite / To call (to religion)
ستون	کھمبا	Column / Pillar
تجربے	جیسا دیکھا، سمجھا اور جانا	Experiences / Experiments

ظاہر و باطن

ایک دن حضرت موسیٰ کہیں جا رہے تھے کہ سر راہ ان کی ملاقات ایک گڈریے سے ہوئی جو بہ آواز بلند یہ کہہ رہا تھا۔ "اے خدا! تو کہاں ہے۔ اگر میری تجھ سے ملاقات ہو جائے تو میں تیرا غلام بن کر زندہ رہوں۔ میں تیرے جوتوں کی مرمت کروں اور تیرے سر میں کنگھی کروں، میں تیرے تیری دھوؤں، تیری جوئیں ماروں اور تیرے لیے دودھ لے کر آؤں۔ اے پروردگار! اگر تو مجھے مل جائے تو میں تیرے ہاتھوں کو بوسہ دوں اور تیرے پاؤں کی مالش کروں اور جب تیرے سونے کا وقت آجائے تو تیرے کمرے کی صفائی کروں۔ او خدا! میں تجھ پر اپنی بکریاں قربان کرنا چاہتا ہوں اور میں تیری تلاش میں مارا مارا پھر تا رہتا ہوں کاش تو میری یہ گریہ وزاری کو سن سکے۔"

وہ گڈریا اسی قسم کی بے تکی باتیں کرتا جا رہا تھا۔ موسیٰ نے اسے روک کر پوچھا "اے انسان! تم کس سے مخاطب ہو؟" وہ بولا "اس ذات سے جس نے ہم سب کو بنایا اور جس نے ہمیں زمین اور آسمان دکھائے۔"

موسیٰ بولے "استغفر اللہ! تم نے ایسی بے ہودہ باتیں کی ہیں کہ تمہارا ایمان فاسد ہو گیا ہے اور تم کافر ہو گئے ہو۔ تم نے خدا کی توہین کی ہے۔ خدا ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ تمہیں اپنے منہ میں روئی بھر لینی چاہیے۔ تمہاری باتوں کی بدبو چاروں طرف پھیل گئی ہے۔ تم نے مذہب پاک صاف لباس پر بدنما دھبے بکھیر دیے ہیں۔ تمہیں خدا کی عظمت کا کوئی اندازہ نہیں۔"

گڈریا بولا "او موسیٰ! تم نے میرے منہ کو بند اور میری روح کو مجروح کر دیا ہے۔"

اس نے اپنے کپڑے پھاڑے، آہ وزاری کی اور ریگستان کی طرف بھاگ نکلا۔

اسی دن خدا موسیٰ سے مخاطب ہو کر بولا "اے موسیٰ! یہ تم نے کیا کیا، تم نے میرے غلام کو مجھ سے جدا کر دیا۔ کیا تم دنیا میں لوگوں کو مجھ سے ملانے آئے ہو یا جدا کرنے، مجھے سب چیزوں سے زیادہ ناپسند جدائی ہے۔ میں نے ہر انسان کو ایک منفرد مزاج جداگانہ انداز فکر اور خصوصی طرز فکر سے نوازا ہے۔ جو چیز تمہارے لیے باعث شرم ہے وہ اوروں کے لیے باعث فخر ہو سکتی ہیں۔ جو چیزیں تمہارے لیے زہر ہیں وہ اوروں کے لیے امرت بن سکتی ہیں۔ میں لوگوں کے انداز کلام سے بالاتر ہوں۔ میں ان کی کمزوریوں کو نظر انداز کرتا ہوں۔ میں ان کے ظاہر کو نہیں دیکھتا میں ان کے باطن پر نظر رکھتا ہوں۔ میرا کام ان کے عیوب پکڑنا نہیں بلکہ انہیں رحمت سے مالامال کرنا ہے۔ میں ان کی زبانوں کو نہیں پرکھتا بلکہ ان کے دل کی گہرائیوں کو جانچتا ہوں۔

اے موسیٰ! میں الفاظ کی خوبصورتی نہیں، دل کی جلن کا خواہش مند ہوں، جاؤ ان کے باطن میں محبت کی ایسی آگ روشن کرو جو ظاہر کے حسن کو جلا ڈالے، مجھے ظاہری عبادت کرنے والوں کی بہ نسبت وہ لوگ زیادہ عزیز ہیں جن کے دل اور روح میں میری محبت کی آگ روشن ہے۔

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا دل کی حالت اور نیت سے واقف ہے، اسے اخلاص چاہیے، صاف باطن چاہیے۔ دکھاوے کی عبادت سے لوگ متاثر ہو سکتے ہیں، خدا نہیں۔ وہ اپنی محبت میں ڈوبے ہوئے دلوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ:

ظاہر	جو سب کو دکھائی دے	Apparent / Visible
باطن	جو کسی کو دکھائی نہ دے اور جس سے خدا واقف ہو	Inner / Hidden
حضرت موسیٰ	خدا کے پیغمبر	Prophet Moses
سر راہ	راستے میں	On the way / On the path
گڈریا	مویشی چرانے والا	Shepherd
بہ آواز بلند	اونچی اور تیز آواز کے ساتھ	Aloud / Loudly
پروردگار	ساری دنیا کی پرورش کرنے والا	Lord / Creator
بوسہ دینا	چومنا، پیار کرنا	To kiss
گریہ وزاری	فریاد، رونا دھونا	Weeping / Wailing
بے تکی	بے کار، نامناسب، غیر سنجیدہ	Baseless / Groundless / Irrelevant
ذات	ہستی، خدا	Self / Essence / Caste
استغفر اللہ	اللہ معاف کرے	I seek forgiveness from Allah
بے ہودہ	بے تکی، بے کار	Vulgar / Nonsense
فاسد	خراب، بگڑا ہوا	Corrupt / Rotten
کافر	انکار کرنے والا	Disbeliever / Infidel
توہین	گستاخی	Insult / Disrespect
بالاتر	اوپر، بلند	Superior / Higher
بدنما	جو برا دکھائی دے، جو خراب معلوم ہو	Notorious / Ugly
عظمت	بڑائی	Greatness / Magnificence
مجروح	زخمی	Injured / Wounded

To lament / To grieve	رونا دھونا	آہ وزاری کرنا
Desert	ریت سے بھری جگہ	ریگستان
Separate / Apart	الگ	جدا
Unique / Singular	مختلف، علاحدہ	منفرد
Way of thinking / Mindset	سوچنے کا طریقہ	انداز فکر
Particular mindset	سوچنے کا خاص طریقہ	خصوصی طرز فکر
Cause / Reason	وجہ، سبب	باعث
Pride	عزت	فخر
Exilir	زندگی بخشنے والی چیز	امرت
Way of speaking	بات کرنے کا طریقہ	طرز کلام
To ignore	توجہ نہ دینا، اہمیت نہیں دینا	نظر انداز
Faults / Defects	برائیاں	عیوب
To endow with mercy	رحم اور مہربانی کرنا	رحمت سے مالا مال کرنا
Heartburn / Emotional pain	خدا کی محبت میں دل کی حالت	دل کی جلن
Straw / Chaff	سوکھی گھاس جو جلد آگ پکڑ لے	خاشاک
Traditional style / Conventional manner	پرانے طریقے	روایتی انداز
In comparison / Relative to	کے مقابل میں	بہ نسبت
Dear / Beloved	پیارا	عزیز

بے وقوف کی صحبت

حضرت عیسیٰؑ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ایک آدمی نے بلند آواز سے پکار کر کہا"اےئ خدا کے رسولؑ! آپ اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔وجہ خوف کیا ہے؟ آپؑ کے پیچھے کوئی دشمن بھی تو نظر نہیں آتا،جو اتنی تیزی سے چل رہے ہو۔"

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:"میں ایک احمق آدمی سے بھاگ رہا ہوں تُو میرے بھاگنے میں خلل مت ڈال۔"

اس آدمی نے کہا:"یاحضرت آپ کیا وہ مسیحاؑ نہیں ہیں، جن کی برکت سے اندھا اور بہرا شفایاب ہو جاتا ہے۔ آپؑ نے فرمایاہاں۔اس آدمی نے کہا، کیا آپؑ وہ بادشاہ نہیں ہے جو مُردے پر کلامِ الٰہی پڑھتے ہیں اور وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے"۔

آپؑ نے فرمایا: "ہاں"

اس آدمی نے کہا: "کیا آپؑ وہ نہیں ہیں کہ مٹی کے پرندے بنا کر ان پر دم کر دیں تو وہ اسی وقت ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "بے شک میں وہی ہوں۔"

پھر اس شخص نے حیرانی سے پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس قدر قوت عطا کر رکھی ہے تو پھر آپؑ کو کس کا خوف ہے۔"

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: "اس ربّ العزت کی قسم کہ جس کے اسمِ اعظم کو میں نے اندھوں اور بہروں پر پڑھا تو وہ شفایاب ہو گئے پہاڑوں پر پڑھا وہ ہٹ گئے۔ مُردوں پر پڑھا وہ جی اُٹھے۔ لیکن وہی اسمِ اعظم میں نے احمق پر لاکھوں بار پڑھا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔"

اس شخص نے پوچھا: "یا حضرتؑ یہ کیا ہے، کہ اسمِ اعظم اندھوں، بہروں اور مُردوں پر تو اثر کرے لیکن احمق پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ حالانکہ حماقت بھی ایک مرض ہے۔"

حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا: "حماقت کی بیماری خدائی قہر ہے۔"

اس حکایت سے آپ نے کیا سیکھا؟

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حماقت خدا کا عذاب ہے۔ احمق اندھے، بہرے اور مردے سے بدتر ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کا علاج حضرت عیسیٰ جیسے مسیحا کے پاس بھی نہیں۔ لہٰذا احمق اور بے وقوف شخص سے دور رہنا چاہیے۔ احمق کی دوستی اور صحبت سے بہتر ہے کہ انسان تنہا رہے۔

مشکل الفاظ:

صحبت	ساتھ، دوستی، میل جول	Company / Companionship
احمق	بے وقوف	Fool / Stupid
خلل	رکاوٹ	Flaw / Defect / Disturbance
شفایاب	چنگا، صحت مند	Healed / Cured
کلام الٰہی	خدا کی بات، خدا کا حکم	Divine Word / Holy Scripture
حیرانگی	حیرت	Astonishment / Surprise
اسمِ اعظم	خدا کا خاص نام	Greatest Name (of Allah)
رب العزت	خدا، جو عزت واحترام والا ہے	Lord of Glory / Almighty
حماقت	بے وقوفی	Foolishness / Folly
مرض	بیماری	Disease / Illness
خدائی قہر	خدا کا عذاب	Divine Wrath / God’s Punishment

2.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ایسے قصے جو مختصر ہوں اور جن سے ہمیں کوئی اخلاقی سبق ملتا ہو، انھیں حکایت کہتے ہیں۔
- ان حکایات کو تمثیلی قصے یا تمثیلی کہانیاں بھی کہتے ہیں۔
- ہم حکایات سے حاصل ہونے والے اخلاقی سبق سے اپنی زندگی کو بہتر اور خوبصورت بناتے ہیں۔
- سعدی شیرازی فارسی زبان و ادب کے اہم شاعر اور ادیب ہیں۔
- سعدی کی تصانیف گلستان و بوستان کو اتنی شہرت اور مقبولیت ملی کہ سعدی شیرازی زندہ جاوید ہو گئے۔
- سعدی کی حکایات کو ہر چھوٹا بڑا انہایت شوق سے پڑھتا ہے اور بارہا بطور مثال پیش کرتا ہے۔ ان کی چند حکایتوں کے اخلاقی درس یہ ہیں:
    - ضرورت سے زیادہ چالاکی سے انسان کو فائدہ کے بجائے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔
    - جو دوسروں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے، اس کے ساتھ بھی برا ہوتا ہے۔
    - دو کی لڑائی سے ہمیشہ تیسرا فائدہ اٹھاتا ہے۔
    - ہمیشہ اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔
    - دولت وہی کام کی ہے جو وقت پر کام آسکے۔
    - اپنی جان بچاتے ہوئے کسی کی جان بچانا عقلمندی ہے اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال کر کسی کو بچانا بے وقوفی۔
    - احتیاط بہتر اور مفید ہوتی ہے۔
    - منزل دنیا کی ہو یا آخرت کی مسافر کا سفر کی حالت میں غافل ہونا خطرناک ہے۔
- مولانا روم کا نام مولانا جلال الدین رومی تھا۔ وہ فارسی کے عظیم شاعر، صوفی اور عالم تھے۔
- مولانا روم کی شاعری مذہب، نسل اور ملک کی سرحدوں کو پار کر کے عالمی سطح پر مقبول ہو گئی ہے۔
- مولانا روم اپنی شاعری کے علاوہ اپنی حکایات کے لیے بھی بہت مشہور ہیں۔ ان کی چند حکایتوں کے اخلاقی درس یہ ہیں:
    - انسان کو خدا نے اچھائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی ہے۔
    - حقیقت کو جاننے، پہچاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حقیقت سے واقف عالم کی رہنمائی حاصل ہو۔
    - خدا دل کی حالت اور نیت سے واقف ہے۔
    - حماقت خدا کا عذاب ہے۔ احمق اندھے، بہرے اور مردے سے بدتر ہے۔
    - احمق کی دوستی اور صحبت سے بہتر ہے کہ انسان تنہا رہے۔

○ خدا دل کی حالت اور نیت سے واقف ہے، اسے اخلاص چاہیے، صاف باطن چاہیے۔ ظاہر سے انسان متاثر ہو سکتا ہے، خدا نہیں۔ وہ اپنی محبت میں ڈوبے ہوئے دلوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.6.1 معروضی سوالات:

1۔ مختصر اخلاقی قصہ کیا ہے؟

(a) کہانی (b) افسانہ (c) افسانچہ (d) حکایت

2۔ سبق آموز حکایات کس نے لکھی ہیں؟

(b) غزالی (b) افلاطون (c) حاتم طائی (d) حکیم لقمان

3۔ "حکایات کو............. بھی کہتے ہیں۔"

(a) خیالی قصے (b) مذہبی قصے (c) تمثیلی قصے (d) اصلاحی قصے

4۔ شیخ سعدی کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a) تہران (b) شیراز (c) اصفہان (d) بغداد

5۔ گلستان کا مصنف کون ہے؟

(a) سعدی شیرازی (b) مولانا روم (c) حافظ شیرازی (d) حکیم لقمان

6۔ ذیل کی کس مشہور کتاب کو سعدی شیرازی نے لکھا ہے؟

(a) دبستان (b) داستان (c) خیابان (d) بوستان

7۔ حکایت "حماقت کا انجام" میں کنیزوں نے کسے مار ڈالا؟

(a) طوطا (b) بلی (c) مرغ (d) خرگوش

8۔ مولانا روم کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) بغداد (b) شیراز (c) روم (d) بلخ

9۔ مولانا روم کا انتقال کب ہوا؟

(a) 1270 (b) 1271 (c) 1272 (d) 1273

10۔ حکایت "باغبان اور چور" میں چور نے کس پھل کی چوری کی؟

(a) انار (b) آم (c) خربوزہ (d) سیب

2.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سعدی شیرازی کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

2۔ حضرت عیسیٰ نے کس بیماری کو خدائی قہر کہا ہے اور کیوں؟

3۔ خدا نے موسیٰ سے اپنے محبوب بندے کے متعلق کیا کہا؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

4۔ مولانا روم کے متعلق پانچ جملے لکھیے۔

5۔ حکایت 'خسارہ' کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

2.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سعدی شیرازی کی حکایات میں سے اپنی پسندیدہ دو حکایتوں کو بیان کیجیے۔

2۔ مولانا روم کی حکایتوں سے آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟ لکھیے۔

3۔ سعدی شیرازی اور مولانا روم کی حکایتوں کی اخلاقی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

2.6.1 کے جوابات: 1-d 2-d 3-c 4-b 5-a

6-d 7-c 8-d 9-d 10-b

اکائی 3: کہانیاں

(پنچ تنتر، لوک کہانیاں)

اکائی کے اجزا

3.0		تمہید
3.1		مقاصد
3.2		کہانی
	3.2.1	پنچ تنتر کی کہانیاں
	3.2.2	لوک کہانیاں
3.3		اکتسابی نتائج
3.4		مشقیں
3.5		نمونہ امتحانی سوالات

3.0 تمہید

بچپن کی وہ راتیں ہمیں اکثر یاد آتی ہیں جب دادی یا نانی ہمیں سونے سے پہلے کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ ان کہانیوں میں کبھی کوئی بہادر شہزادہ ہوتا، کبھی چالاک جانور، اور کبھی کوئی جادوئی کردار۔ یہ قصے سن کر ہمیں مزہ آتا، ہم ہنستے، کبھی سوچتے اور بہت کچھ سیکھتے بھی تھے۔ کہانی دراصل ایک ایسا دلچسپ بیان ہوتا ہے جو کسی واقعے، کردار یا خیال کے گرد گھومتا ہے۔ اس کی ایک شروعات ہوتی ہے، پھر کچھ واقعات پیش آتے ہیں، اور آخر میں ایک انجام ہوتا ہے۔ کہانیاں صرف وقت گزارنے کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہماری سوچ کو وسیع کرتی ہیں، زندگی کے سبق سکھاتی ہیں اور زبان سیکھنے میں بھی مددگار ہوتی ہیں۔

کہانی سننے اور سنانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمیں سوچنے اور سمجھنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے۔ جب ہم کوئی کہانی سنتے ہیں تو ہم اس میں چھپے ہوئے پیغام کو محسوس کرتے ہیں کہ کیا اچھا ہے، کیا بُرا، اور کسی مشکل وقت میں کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس سے ہمیں نئی نئی باتیں جاننے کو ملتی ہیں، مختلف لوگوں اور جگہوں کے بارے میں علم ہوتا ہے۔ بعض کہانیاں ہمیں ہنساتی ہیں، بعض رُلاتی ہیں، اور بعض دل کو چھو جاتی ہیں۔ کہانیاں بچوں کی زبان سیکھنے میں بہت مدد کرتی ہیں۔ جب بچہ کہانی سنتا ہے یا پڑھتا ہے، تو وہ نئے الفاظ سیکھتا ہے، جملے بنانے کا سلیقہ آتا ہے، اور اس کی یادداشت بھی تیز ہوتی ہے۔ اس اکائی میں ہم پنچ تنتر اور لوک کہانیوں کا مطالعہ کریں گے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کہانی اور لوک کہانی کی تعریف کو سمجھ سکیں۔
- انسانی زندگی میں کہانی کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- اس اکائی میں شامل کہانیوں سے کیا سبق حاصل ہوتا ہے، یہ سمجھ سکیں۔
- برائی پر اچھائی کی جیت کو محسوس کر سکیں۔

3.2 کہانی

قصہ / کہانی سننا سنانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ پرانے زمانے میں جب لوگوں کے پاس وقت ہوتا تھا تو لوگ ایک دوسرے کو کہانی سنا کر وقت گزارتے تھے۔ یہ کہانی صرف وقت گزاری کا ذریعہ ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان میں اخلاقی سبق بھی ہوتا تھا۔ ان کہانیوں کے کردار انسان بھی ہوتے تھے اور جانور بھی، اور کچھ کہنایوں میں مافوق الفطری کردار بھی ہوتے تھے۔ ان سب کا مقصد اخلاق کا درس دینا ہوتا تھا، اور ہر کہانی کا اختتام برائی پر اچھائی کی جیت ہوتی تھی۔ آیئے اب ہم پنچ تنتر کی کہانیوں اور لوک کہانیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

3.2.1 پنچ تنتر کی کہانیاں:

"پنچ تنتر" ایک بہت پرانی کتاب ہے جس میں سبق آموز اور مزاحیہ کہانیاں شامل ہیں۔ یہ کہانیاں بچوں کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھاتی ہیں اور بڑوں کو بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ کتاب تقریباً 2250 سال پہلے لکھی گئی تھی، مگر آج بھی لوگ اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف بچوں کو پسند آتی ہے بلکہ بوڑھوں کو بھی متاثر کرتی ہے، اور وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے طور طریقوں پر بھی اثر ڈالتی ہے۔

اس کتاب کا نام "پنچ تنتر" اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اپنی اصل شکل میں اب موجود نہیں ہے بلکہ یہ ایک پرانی کتاب "تانترائیکا" کی کہانیوں پر مبنی ہے۔ "پنچ تنتر" کو دنیا بھر میں بہت شہرت ملی۔ یہ کتاب لاطینی، یونانی، فرانسیسی، اطالوی، عبرانی، ترکی اور انگریزی سمیت تقریباً 50 زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے ۔ اس کا پہلا فارسی ترجمہ "انوارِ سہیلی" کے نام سے ہوا اور عربی ادیب ابنِ مقفع نے اسے "کلیلہ و دمنہ" کے نام سے عربی زبان میں ڈھالا۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں اس کا ترجمہ "پنچ اکیانا" کے نام سے فارسی میں ہوا، اور ابوالفضل نے اسے آسان فارسی میں "عیارِ دانش" کے نام سے لکھا۔ پنچ تنتر کی کہانیوں میں جانور، پرندے اور کیڑے انسانوں کی طرح بات کرتے ہیں۔ کہانیاں اس انداز میں لکھی گئی ہیں کہ ایک کہانی کے اندر دوسری، اور اس کے اندر تیسری کہانی ہوتی ہے ۔

خرگوش اور ہاتھی

ایک بار جنگل میں بہت دنوں تک پانی نہیں برسا۔ سب ندی تالاب سوکھ گئے۔ جانور پیاس سے تڑپنے لگے۔ سب ہاتھی ایک ساتھ راجا کے پاس گئے اور بولے۔

"مہاراج! ہمارے بچے پیاس سے مر رہے ہیں۔ کوئی ایسی جگہ بتایئے جہاں انھیں پانی مل سکے۔ "راجا نے کچھ سوچ کر اُن سے کہا" یہاں سے کچھ دور ایک گھنے جنگل کے بیچوں بیچ پانی کا ایک گہرا تالاب ہے، تم سب وہیں چلے جاؤ۔ سب ہاتھی وہاں پہنچے۔ انہوں نے پانی پیا اور سارادن تالاب میں اور اس کے آس پاس کھیلتے کودتے رہے۔ جب شام ہوئی تو وہاں سے واپس آئے۔

تالاب کے کنارے کی زمین گیلی اور نم تھی۔ وہاں بہت سے خرگوش رہتے تھے۔ اتنے بہت سے ہاتھیوں کی بھاگ دوڑ سے ان کے گھر ٹوٹ گئے اور کئی خرگوش ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے آکر مر گئے یا زخمی ہوگئے۔ ہاتھیوں کے جانے کے بعد باقی بچے ہوئے خرگوش اکٹھا ہوئے اور سوچنے لگے۔ ارے اب تو یہ ہاتھیوں کا جھنڈ روز پانی پینے آئے گا اور ہم سب ان کے پاؤں کے نیچے آکر مر جائیں گے، اس لئے یا تو ہم گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں یا کوئی ترکیب کریں کہ پھر ہاتھی یہاں نہ آسکیں۔

ایک بوڑھا خرگوش بولا :"تم آرام سے سو جاؤ، میں ہاتھیوں کو بھگا کر ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ہاتھیوں کے جھنڈ کے پاس ایک ٹیلے پر چڑھ کر زور سے بولا " ارے بد معاش ہاتھیو، تم اس طرح چاند کی سرحد میں کیوں آئے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ چاند کا راج ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو چاند کی سرحد سے فوراً نکل کر چلے جاؤ۔"

ہاتھیوں کے راجا نے حیران ہو کر پوچھا تو کون ہے ؟خرگوش نے کہا میں چاند کا سفیر ہوں۔ مجھے چاند نے تمھارے پاس بھیجا ہے۔ آج تم نے اپنے جھنڈ کے ساتھ آکر بہت سے خرگوشوں کو مار ڈالا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ چاند کا گھرانا ہے۔ اگر تو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیریت چاہتا ہے تو پھر آج سے اس تالاب پر مت آنا۔

ہاتھیوں کے راجا نے پوچھا" جس چاند کا تو پیغام لے کر آیا ہے، وہ کہاں ہے ؟ اگر تیری بات ٹھیک ہے تو پھر مجھے اس کی شکل دکھا دے۔ رات کے وقت چالاک خرگوش، ہاتھیوں کے راجا کو تالاب پر لے گیا اور اُسے چاند کی پرچھائیں دکھا کر بولا۔ دیکھئے چاند اس وقت خود تالاب کے کنارے آیا ہے اور زخمی خرگوشوں کے حوصلے بڑھا رہا ہے۔ تیرے لیے یہی نہیں ہے کہ چپ چاپ ہاتھ جوڑ کر یہاں سے چلا جا۔ یہ سنتے ہی ہاتھی وہاں سے نکل بھاگا۔ پھر کوئی ہاتھی کبھی اس تالاب پر نہیں آیا اور خرگوش اپنے گھروں میں آرام سے رہنے لگے۔

اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ سمجھداری سے کام لینے سے بڑے بڑے سے بڑا مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔

راجا اور بندر

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں کسی شہر میں ایک نیک دل راجا حکومت کرتا تھا سب ہی اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ اُس نے کبھی کسی کو دُکھ نہیں پہنچایا تھا۔ کبھی کوئی سائل اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ اس کے راج میں کوئی ننگا بھوکا نہ تھا، کوئی مصیبت زدہ نہ تھا۔ اس کا خزانہ بھی ہمیشہ بھرا رہتا۔

راجا کے اپنے گھر میں بہت سے نوکر تھے۔ جو ہر طرح اُس کے آرام کا خیال رکھتے۔ راجا کے اشارے ہی سے ہر کام وقت پر ہو جاتا۔ اُسے کسی کام کے لیے کبھی نوکروں پر غصہ نہ کرنا پڑتا تھا۔

راجہ نے ایک ہوشیار بندر پال رکھا تھا جو نوکروں کے ساتھ ساتھ راجا کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ اس بندر کو گھر میں ہر جگہ جانے کی پوری آزادی تھی۔ راجا کو پیاس لگتی تو یہ بندر دوڑ کر اندر سے پانی کا گلاس بھر کر لاتا۔ اس کو نیند آنے لگتی تو بندر پاس بیٹھ کر دھیرے

دھیرے پنکھا جھلا کرتا تاکہ راجا کو گرمی نہ لگے۔ اُس کی اس طرح خدمت کرنے سے راجا اور رانی دونوں بڑے خوش تھے۔ دونوں بندر سے بہت محبت کرتے تھے۔

لیکن شہر میں کچھ لوگوں کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی۔ وہ راجا سے کہا کرتے – "بندر آخر بندر ہے سمجھدار آدمی تو ہے نہیں، کبھی نہ کبھی کوئی ایسی بیوقوفی کی بات کر دے گا جس سے پھر سب ہی کو پچھتانا پڑے گا۔" مگر راجا نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ جواب دیتا کہ "بندر مجھے بہت عزیز ہے اور وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔

ایک دن وہی ہوا جس کا سب کو اندیشہ تھا۔ دوپہر کے وقت کھانا کھا کر راجا سونے کے لیے لیٹا لیکن گرمی بہت تھی راجا کو نیند نہیں آئی۔ چنانچہ بندر نے پنکھا اٹھالیا اور دھیرے دھیرے جھلنے لگا۔ راجہ کی آنکھ لگ گئی۔

اتنے میں ایک مکھی آکر راجا کی ناک پر بیٹھ گئی۔ بندر نے اسے پیچھے سے اُڑادیا۔ وہ پھر کان پر جا بیٹھی۔ بندر نے اُسے پھر اڑادیا۔ وہ کبھی یہاں کبھی وہاں بیٹھتی۔ اس سے راجا کی نیند خراب ہونے لگی۔ بندر سے اپنے مالک کی تکلیف نہ دیکھی گئی۔ اُسے غصہ آگیا۔ وہ دوڑ کر اندر گیا اور مکھی مارنے کے لیے ایک تیز سی تلوار اٹھالایا۔ مکھی راجا کی گردن پر بیٹھی تھی۔ بندر نے زور زور سے تلوار چلائی۔ مکھی تو ذرا سی تھی، اڑ گئی، مگر تلوار سے راجا کا گلا فوراً کٹ گیا اور وہ مر گیا۔ اس طرح بیوقوف بندر کے ہاتھ سے ایک بہت اچھے راجا کی جان گئی۔

اس لیے سمجھدار لوگ کہا کرتے ہیں کہ بیوقوف نوکر رکھنے سے نوکر نہ رکھنا اچھا ہے۔

جلدی کا کام

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک شہر میں دیو شرما نامی برہمن رہتا تھا۔ وہ اپنا تمام وقت پوجا پاٹ میں گزارتا۔ شہر میں جہاں کہیں کوئی شادی بیاہ ہوتا یا جب کبھی کوئی سیٹھ ساہوکار مر جاتا تو پوجا کرنے کے لیے دیو شرما کو فوراً بلا لیا جاتا۔ وہ جہاں جاتا، اُسے دان مل جاتا اور اسی سے اس کا اور اس کی بیوی کا پیٹ بھرتا اور وہ مزے میں زندگی گزارتے۔ دیو شرما نے اپنے گھر میں ایک نیولا پال رکھا تھا۔ اس چھوٹے سے جانور سے دونوں میاں بیوی اپنا دل بہلایا کرتے۔ نیولے کو گھر میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت تھی۔

تھوڑے دنوں کے بعد برہمن کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ تب دیو شرما نے اپنی بیوی سے کہا کہ اب نیولے کو گھر سے نکال دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیولا ہمارے بچے کو کاٹ کھائے، لیکن برہمن کی بیوی کو نیولے سے بہت محبت تھی۔ اس نے برہمن کی بات نہیں مانی اور کہا۔ ہم نے اس نیولے کو پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ اب اسے کیسے نکال دیں ؟

دیو شرما کی بیوی اپنے بچے کے ساتھ ساتھ نیولے کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی تھی۔ جب باورچی خانے میں بیٹھ کر بچے کو دودھ پلاتی تو ساتھ ہی بوتل سے نیولے کو بھی دودھ دے دیتی۔ دونوں ساتھ ہی کھاتے پیتے اور کھیل کود کرتے۔ مگر پھر بھی برہمن کی بیوی کو ہمیشہ نیولے سے ڈر ہی لگا رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن اکیلے میں نیولا بچے کو کاٹ کھائے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اُن کے سامنے ہی رہتی اور انھیں اکیلا نہ چھوڑتی۔ اگر کہیں اُسے جانا بھی ہوتا تو پڑوس میں جو مالن رہتی تھی اسے گھر میں چھوڑ جاتی۔

اس طرح کئی مہینے گزر گئے اور بچہ بڑا ہونے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ دیو شرما کسی بنیے کے یہاں پوجا پاٹ کے لئے گئے تھے۔ اتنے میں برہمن کی بیوی کی کچھ سہیلیاں آئیں اور اسے اپنے ساتھ شادی میں لے جانے پر زور دینے لگیں۔ اس نے پہلے تو بہانے کئے مگر

سہیلیاں نہ مائیں۔ آخر وہ راضی ہو گئیں۔ اور اس لئے اپنی پڑوسن مالن کو بلایا اور کہا "تو ذرا سی دیر کے لئے میرے بچے کے پاس بیٹھ جا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں نیولا اُسے کاٹ نہ لے۔ میں جلد ہی لوٹ کر آتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

بچہ پالنے میں پڑا سو رہا تھا اور نیولا بھی پاس ہی آرام سے لیٹا تھا۔ مالن نے سوچا کہ یہاں کوئی ڈر کی بات تو ہے نہیں، کیوں نہ میں اتنی دیر میں کنویں سے پانی ہی بھر لاؤں۔ یہ سوچ کر مالن اٹھی اور گھر کو اکیلا چھوڑ کر کنویں پر چلی گئیں۔ اتنے میں کہیں سے گھر میں ایک سانپ آگیا اور آہستہ آہستہ بچے کو کاٹنے کے لئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ نیولا تو سانپ کا ویسے ہی دشمن ہوتا ہے وہ زور سے جھپٹا اور اس نے سانپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ ہر طرف خون کی چھیٹیں اڑ کر بکھر گئیں اور نیولے کے منہ پر بھی خون لگ گیا۔ نیولا دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا تاکہ اسے دیکھتے ہی برہمن کی بیوی کو یہ خبر معلوم ہو جائے۔

مالن پانی کا گھڑا بھر کر جو وہاں پہنچی تو دیکھا کہ نیولے کا منہ خون سے لت پت ہے۔ اس نے سوچا کہ نیولے نے ضرور بچے کو کاٹ کھایا ہے۔ اُسے ڈر تھا کہ برہمن اور برہمن کی بیوی آتے ہی اس پر بڑے غصہ ہوں گے۔ اس نے اپنا گھڑا نیولے کے سر پر چیک دیا۔ بے چارا نیولا وہیں مر گیا۔

اسی وقت برہمن اور اس کی بیوی لوٹ آئے۔ وہ سیدھے دوڑے دوڑے گھر کے اندر گئے تو دیکھا کہ بچہ آرام سے سو رہا ہے۔ پاس ہی مرے ہوئے سانپ کے کئی ٹکڑے پڑے ہیں۔ وہ ساری بات سمجھ گئے اور اپنے پیارے نیولے کی موت پر زار و قطار رونے لگے۔ مالن بھی پاس ہی سر جھکائے کھڑی تھی۔ دیو شرما نے اس سے کہا –"بغیر سوچے سمجھے جو کام کیا جاتا ہے اس کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔"

شیر کے بچے

بہت دنوں کی بات ہے کہ کسی گھنے جنگل میں ایک شیر اور شیرنی رہتے تھے۔ شیر اور شیرنی کے دو ننھے منّے بچّے تھے۔ ان بچّوں کو دیکھ کر شیر اور شیرنی بہت خوش ہوتے تھے۔

ایک دن شیر نے شیرنی سے کہا۔ "جب تک ہمارے بچّے بڑے نہیں ہو جاتے اس وقت تک تم گھر میں ہی رہنا۔ میں باہر جا کر شکار کیا کروں گا۔

اس طرح شیر روزانہ شکار کرنے جاتا اور شیرنی کے لئے اس کی پوری خوراک لے کر آتا، ایک دن شیر کو کوئی شکار نہیں ملا۔ شام کو جب وہ خالی ہاتھ لوٹ رہا تھا تو راستے میں اسے ایک گیدڑ کا بچہ نظر آیا۔ وہ اس کو اٹھا کر شیرنی کے پاس لے آیا۔

"آج مجھے اس گیدڑ کے بچے کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔" شیر نے کہا "تم اسے مار کھاؤ۔ یہ ابھی چھوٹا بچہ ہے، اس لئے اسے مارنا مجھے اچھا نہیں لگا۔"

اس بات پر شیرنی بولی۔ "بچہ سمجھ کر تم خود اسے مارنا پسند نہیں کرتے تب میں اسے کیسے مار سکتی ہوں؟ میں تو دو بچوں کی ماں ہوں۔ میں اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی۔ آج سے یہ میرا تیسرا بیٹا ہے۔"

شیرنی گیدڑ کے بچے کی دیکھ بھال کرنے لگی اور اسے بھی اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اس طرح تینوں بچے ساتھ ساتھ پل کر بڑھے ہوئے۔ تینوں بچے ہمیشہ ایک ساتھ رہتے۔ ایک ساتھ کھیلا کودا کرتے۔ کبھی کبھی وہ گھر سے دور نکل جاتے اور جب کسی جانور پر نظر پڑتی تو

اس کا پیچھا کرنے لگتے۔

ایک دن کہیں سے ایک ہاتھی گھومتا ہوا اس جنگل میں آ پہنچا۔ شیر کے بچوں نے جیسے ہی ہاتھی کی طرف دیکھا وہ اس کا پیچھا کرنے لگے اور اس ہاتھی کو مارنے کی فکر میں لگ گئے لیکن گیدڑ کا بچہ ہاتھی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

"یہ تو ہاتھی ہے۔" اس نے چلا کر کہا۔ "اس کے پاس مت جانا۔ تمہیں مار ڈالے گا۔" یہ کہہ کر وہ بھاگنے لگا۔

شیر کے بچوں نے جب اپنے بھائی کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ہمت ہار گئے اور ہاتھی کا پیچھا چھوڑ کر گھر آ گئے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے یہ بات اپنے ماں باپ کو بتائی اور کہا کہ جب وہ ہاتھی کا پیچھا کرنے لگے تو ان کا بھائی گھبرا گیا، اور ساتھ دینے کے بجائے بھاگنے لگا۔ گیدڑ کے بچے نے بھی یہ بات سُن لی۔ اسے بہت برا لگا۔ وہ زور زور سے چلا کر کہنے لگا۔ "میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ اگر تم بہادر ہو تو میں بھی بہادر ہوں۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔" وہ چیخا۔ "ذرا باہر نکل کر تو دیکھو پھر بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔"

شیرنی نے گیدڑ کو الگ بلا کر کہا۔ "دیکھو، تمہیں اپنے بھائیوں سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہئے۔" لیکن شیرنی کی اس بات کو سُن کر چُپ ہونے کے بجائے وہ زور زور سے چیخنے لگا۔

"انہیں میرا مذاق اُڑانے کا کیا حق ہے۔" گیدڑ کا بچہ بولا۔ "کیا میں کم بہادر ہوں۔ میں ابھی ان کی ساری ہیکڑی بُھلا دوں گا۔ میں دونوں کو جان سے مار ڈالوں گا"۔ گیدڑ کی بات سُن کر شیرنی مسکرانے لگی۔

"واہ تمہارا کیا کہنا۔" اس نے کہا "تم بڑے خوبصورت ہو، بہادر ہو اور چالاک بھی ہو، لیکن پتہ ہے؟ تمہارے خاندان میں ہاتھی نہیں مارے جاتے۔" لیکن گیدڑ کا بچہ شیرنی کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ "تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"دیکھو بچے" شیرنی نے کہا "تم گیدڑ کے بچے ہو۔ مجھے تم پر ترس آ گیا تھا۔ اس لئے میں نے تم کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ میرے بچوں کو پتہ نہیں کہ تم گیدڑ ہو۔ اب تم چپ چاپ کِھسک جاؤ اور اپنے ساتھیوں میں جا کر مل جاؤ، ورنہ یہ بچے تمہیں جان سے مار کر کھا جائیں گے۔" یہ سننا تھا کہ مارے ڈر کے گیدڑ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا، فوراً جان بچا کر بھاگا۔

جو جیسے پیدا ہوا ہے وہ ویسا ہی رہے گا۔ فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا۔

چار دوست

ایک گھنے جنگل میں ایک جھیل تھی۔ جھیل کے کنارے کنارے چار دوست رہتے تھے۔ پہلا ایک چھوٹا سا بھورے رنگ کا چوہا تھا۔ یہ چوہا وہیں ایک اچھے سے بِل میں آرام سے رہتا تھا۔

دوسرا دوست ایک کالا کلوٹا کوا تھا۔ وہ بھی ایک جامن کے پیڑ پر رہتا تھا۔

تیسرا دوست تھا ایک کچھوا۔ اس کا گھر جھیل کے اندر تھا اور وہیں اُسے بڑا مزا آتا تھا۔

چوتھا دوست ایک ہرن تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں تھیں اور اس کے خوبصورت بدن پر سفید چتّیاں پڑی ہوئی تھیں۔

یہ چاروں دوست ہنسی خوشی مِل جُل کر رہتے تھے اور جنگل کے اس حصّے میں وہ بغیر کسی پریشانی کے اطمینان سے زندگی گزارتے تھے۔

ایک روز شام کو چوہا، کوّا اور کچھوا، جھیل کے کنارے اپنے چوتھے دوست ہرن کا انتظار کر رہے تھے۔ بیٹھے بیٹھے گھنٹوں گزر گئے پر

ہرن واپس نہیں آیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دوست کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔" چوہے نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں" کوّے نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے بہیلئے نے پکڑ لیا ہو اور پکڑ کر مار ہی نہ ڈالا ہو۔ بہیلئے کا کیا بھروسہ۔"

"ہمیں اپنے دوست کو ڈھونڈنا چاہیے۔" کچھوے نے کہا۔ "بھائی کوے تم اُڑ کر دیکھو، ہو سکتا ہے کہیں نظر ہی آ جائے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں؟" کوے نے کہا "میں ابھی جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کوا ہرن کی تلاش میں اُڑا۔ وہ ادھر ادھر، آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر جگہ اُڑا اور ہرن کو پکارتا بھی جاتا۔ "بھائی ہرن۔۔۔ تم کہاں ہو۔ بھائی ہرن۔"

ذرا سی دیر میں اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ ہرن کی آواز تھی۔ "بچاؤ... مجھے بچاؤ۔" ہرن کہہ رہا تھا۔ "میں یہاں ہوں، یہاں۔"

"اوہو تم یہاں ہو؟" کوے نے کہا۔ "میں تو کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

کوا اُتر کر نیچے آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ہرن ایک جال میں پھنسا ہوا ہے۔ "اوہو، تم تو جال میں پھنسے ہو" کوے نے بڑے دردناک لہجے میں کہا "اب کیا کیا جائے۔ اچھا ٹھہرو، میں تمہاری مدد کے لئے دوستوں کو لے کر آتا ہوں۔"

اپنے دوست کو دیکھ کر ہرن کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا "بھائی جو ٹھیک سمجھو وہی کرو، مگر جو کچھ کرنا ہو جلدی کرو۔"

کوا بڑی تیزی کے ساتھ اُڑتا ہوا جھیل کے پاس آیا۔ اسے دیکھتے ہی چوہا اور کچھوا دونوں ایک ساتھ بولنے لگے "کہو بھائی کہو" "کیا ہمارا دوست مل گیا۔ کیا ہرن آ گیا؟"

"ہاں دوستو، ہاں" کوے نے کہا۔ "مل تو گیا لیکن اس وقت وہ بڑے خطرے میں ہے۔" کوے نے ہرن کو ڈھونڈ نکالنے اور اس کے جال میں پھنسے ہونے کی ساری کہانی اپنے دوستوں کو سنائی۔

اس پر کچھوے نے فوراً ایک ترکیب سوچی اور اس نے کہا "فکر کی کوئی بات نہیں چوہا جال کاٹ کر ہرن کو چھڑا سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" چوہے نے کہا "لیکن میں اس کے پاس پہنچوں کیسے؟" "یہ بھی کوئی بات ہے۔" کوے نے کہا۔ "میں تمہیں اپنی پیٹھ پر لے کر چلوں گا۔"

"تو آؤ لے چلو۔" چوہے نے کہا اور اُچک کر کوے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ چوہے کو لے کر کوا اڑا اور ذرا سی دیر میں ہرن کے پاس جا پہنچا۔ ہرن کے پاس پہنچتے ہی چوہا فوراً کوے کی پیٹھ سے اُترا اور اپنے نکیلے دانتوں سے جال کاٹنے لگا۔ اس نے ذرا سی دیر میں ہرن کو جال سے نکال دیا۔ ہرن اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت رینگتا ہوا ان کا چوتھا ساتھی کچھوا بھی وہاں آ پہنچا۔

"اہاہا" کچھوے کو دیکھ کر تینوں دوست بولے "تمہیں یہاں دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔"

کچھ دیر سب کے سب وہیں کھڑے کھڑے ہرن کے بچ جانے کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک کسی کے آنے کا کھٹکا ہوا تو چاروں چُپ ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے بہیلیا چلا آ رہا ہے۔

بہیلئے کی نظر پڑتے ہی کوا اڑ کر اونچے پیڑ کی ڈال پر جا کر بیٹھ گیا۔ چوہا ایک بل میں گھس گیا اور ہرن چوکڑی بھرتا ہوا پل میں غائب ہو گیا۔

لیکن کچھوا بیچارہ کیا کرتا؟ وہ جیسے تیسے ایک جھاڑی کی طرف رینگنے لگا۔ بہیلئے نے جو جال کو خالی دیکھا تو دنگ رہ گیا۔

"ارے یہ کیا" اس نے کہا "پھنسا پھنسایا ہرن بھاگ نکلا۔" وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر جھاڑی کی طرف رینگتے ہوئے کچھوے پر پڑی۔

"اہا۔" اُس نے کہا" یہاں تو کچھوے رام دکھائی دے رہے ہیں۔ چلو آج اُن سے ہی نمٹ لیا جائے۔" اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ لپک کر کچھوے کو پکڑا اور ایک تھیلے میں بند کر کے گھر کی طرف چل دیا۔

پیڑ پر کوا بیٹھا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ "اے چوہے بھائی۔۔۔ اے ہرن بھائی۔" اس نے اپنے دوستوں کو پکار کر کہا۔ "جلدی آؤ۔۔۔ جلدی آؤ۔۔۔ ہمارا دوست کچھوا بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔"

چوہا اور ہرن فوراً بھاگے بھاگے کوے کے پاس گئے۔ کوے نے انہیں بتایا کہ بہیلیا کس طرح کچھوے کو تھیلے میں بند کر کے لے گیا ہے۔ "اب کیا ہو۔" کوے نے کہا" کچھوے کو کیسے آزاد کرایا جائے۔"   "جو کچھ بھی کرنا ہو" چوہے نے کہا" بہیلئے کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی کر ڈالنا چاہئے۔"

ہرن نے کہا" میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ میں بہیلئے کے راستے میں کھڑا گھاس چرنے کا بہانا کروں گا۔ بہیلیا مجھے دیکھے گا تو تھیلا چھوڑ کر میرا پیچھا کرنے لگے گا۔ اتنی دیر میں چوہا تھیلا کاٹ دے گا اور کچھوا آزاد ہو جائے گا۔"

لیکن مان لو۔ کہیں اس نے تمہیں پکڑ لیا تو۔" کوے نے پوچھا۔ "ارے نہیں تم فکر مت کرو۔ میں اتنا تیز دوڑوں گا کہ اسے اپنی نانی یاد آجائے گی۔"

ہرن بہیلئے کے راستے میں جا کر آرام سے کھڑا ہو گیا اور مزے میں گھاس چرنے لگا۔ "ہرن" اسے دیکھتے ہی بہیلیا چلایا" کتنا موٹا تازہ ہرن ہے۔" اس نے تھیلا زمین پر رکھا اور ہرن کو پکڑنے دوڑا۔

اس وقت چوہا پھرتی سے آیا اور تھیلا کاٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں کچھوا آزار ہو گیا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ بھاگا اور پاس ہی ایک جھاڑی میں چھپ گیا۔ ادھر ہرن ایسا دوڑا کہ بہیلیا اس کی دُم بھی پکڑ نہ سکا۔ وہ خالی ہاتھ تھیلے کے پاس لوٹ آیا۔

"ہرن ہاتھ نہ آیا تو کیا ہوا یہ موٹا تازا کچھوا تو ہے ہی۔ آج کے کھانے کو تو یہی کافی ہے۔" لیکن جب بہیلئے نے تھیلا اٹھایا تو وہ خالی نکلا۔ وہ اتنا حیران ہوا کہ اسے اپنے آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ "یہ کیا" وہ چیخا" کچھوا غائب ہے۔ اتنا سُست جانور کیسے بھاگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میری قسمت خراب ہے۔ پہلے تو ہاتھ سے آیا ہوا ہرن جاتا رہا اور اب یہ رینگنے والا کچھوا بھی غائب ہو گیا۔ آج تو خالی پیٹ بھوکا ہی سونا پڑے گا۔"

کوا، ہرن، چوہا، اور کچھوا چھپے ہوئے بہیلئے کو دیکھ رہے تھے۔ جب وہ خالی تھیلا لے کر چلا گیا تو وہ سب اطمینان سے باہر نکل آئے۔ اس طرح چاروں دوست مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے برسوں تک مزے سے دن گزارتے رہے۔

اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد اور بھائی چارہ ہی ایک دوسرے کی مدد ہی اصل طاقت ہے۔

مشکل الفاظ:

سبق آموز	جو سبق دے	Instructive / Moralistic
مزاحیہ	ہنسانے والا، مذاق پر مبنی	Humorous / Funny
مشتمل	شامل	Consisting of / Composed of
سرحد	حد، ملک کی حد بندی	Border / Frontier
حیرت	حیرت، تعجب	Surprise / Astonishment
سفیر	نمائندہ، ایلچی	Ambassador
پیغام	خبر، اطلاع	Message
حوصلے	ہمتیں، طاقت	Courage / Morale
سائل	مانگنے والا، درخواست گزار	Beggar / Applicant
خدمت	کام، مدد	Service / Assistance
عزیز	پیارا، محبوب	Dear / Beloved
اندیشہ	خوف، خدشہ	Fear / Apprehension
اجازت	رخصت، اختیار	Permission / Consent
راضی	خوش، آمادہ	Willing / Satisfied
پالنہ	جھولا، بچے کو سلانے کا جھولا	Cradle
زار و قطار	بہت زیادہ رونا	Bitterly / Uncontrollably crying
بہیلیا	شکاری، جال بچھانے والا	Hunter / Trapper
پھرتی	چستی، تیزی	Agility / Swiftness
اطمینان	سکون، دل کا چین	Satisfaction / Relief
اتحاد	یگانگت، آپس میں میل	Unity / Solidarity

3.2.2 لوک کہانیاں:

کہانیاں سنانے کا فن اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود انسان۔ پرانے زمانے میں جب نہ کتابیں عام تھیں اور نہ ہی تفریح کے دوسرے ذرائع، لوگ شام کے وقت بیٹھکوں یا چوراہوں پر جمع ہوتے اور آپس میں باتیں کرتے۔ ان باتوں میں دن بھر کے واقعات کے ساتھ ساتھ وہ پرانی

کہانیاں بھی شامل ہوتیں جو وہ اپنے بڑوں سے سن چکے ہوتے۔ اسی طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک یہ قصے سفر کرتے رہتے۔ ان پرانی، سنی سنائی کہانیوں کو "لوک کہانیاں" کہا جاتا ہے۔

ہر لوک کہانی اپنے علاقے، رسم و رواج اور لوگوں کی زندگی کے کسی خاص پہلو سے جڑی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی خطے کی تہذیب، زبان، رہن سہن یا مزاج کو سمجھنا ہو، تو وہاں کی لوک کہانیاں بہت کچھ بتا دیتی ہیں۔ یہ کہانیاں اس خطے کی زندگی کا عکس ہوتی ہیں۔

تین سوال

مگدھ کے قریب ایک گاؤں میں ایک عورت رہتی تھی۔ اس کا شوہر مر چکا تھا۔ اُس کو ایک لڑکا تھا۔ وہ اپنے لڑکے کو پڑھانا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے اِس لیے اُس نے اپنے لڑکے کو ایک مدرسے میں داخل کر دیا۔ لڑکا بہت محنتی تھا وہ جلد ہی خوب پڑھنے لگا۔ اُس کا دل مدرسے میں خوب لگتا اور وہ اپنا سارا وقت پڑھنے لکھنے میں گزارتا۔

ایک رات لڑکے نے خواب میں دیکھا کہ اُس کی شادی مگدھ کی راجکماری کے ساتھ ہو گئی ہے۔ آنکھ کُھلی تو وہ بڑا خوش ہوا۔ اُسے بہت ہنسی آئی لیکن فوراً ہی اُسے خیال ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہاں وہ اور کہاں مگدھ کی راجکماری۔ یہ سوچ کر اُسے بہت رونا آیا اور وہ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی ماں نے جب یہ حالت دیکھی تو اُس نے کہا۔ "بیٹا! کیا بات ہے؟ کیسی طبیعت ہے ابھی تو تُو ہنس رہا تھا اور اب رو رہا ہے۔"

لڑکے نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چُپ چاپ مدرسے چلا گیا۔ مدرسے میں بھی اُس کا دل نہ لگا۔ پڑھتے پڑھتے جب اُسے اپنے خواب کا خیال آیا تو وہ پہلے ہنسا اور پھر رونے لگا۔ اس کے استاد نے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ اس بات پر استاد کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے اُسے سزا دی۔

جب وہ گھر لوٹا تو اُس کی ماں نے اس کی بُری حالت دیکھی۔ وہ فوراً روتی پیٹتی راجا کے پاس گئی۔ راجا نے استاد کو بُلایا اور سزا دینے کی وجہ پوچھی۔ استاد نے کہا۔ "حضور! جب میں سب لڑکوں کو پڑھا رہا تھا اُس وقت یہ پہلے تو ہنسا اور پھر رونے لگا۔ میں نے اِس سے ہنسنے اور رونے کی وجہ پوچھی تو اِس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسی بات پر مجھے غصّہ آ گیا اور میں نے اُسے سزا دی۔" راجا نے لڑکے سے اس کے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ لڑکے نے راجا کو بھی کوئی جواب نہ دیا۔ راجا کو بہت غصّہ آیا اور اُس نے اُسے جیل میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔ لڑکے کی ماں راجا کے سامنے بہت روئی مگر راجا نے اُس کو باہر نکلوا دیا۔

اسی طرح کچھ دن گزر گئے۔ ایک دن بازار میں کچھ اعلان ہو رہا تھا۔ لڑکا بھی جیل کی کوٹھری سے کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس نے سُنا کہ راجا کے پاس تین لکڑیاں ہیں جو کوئی اُسے یہ بتا دے کہ ان میں سے کون سی لکڑی سِرے کی ہے، کون سی بیچ کی اور کون سی نیچے کی تو راجا اُسے ایک ہزار اشرفیاں دے گا۔ لڑکے نے جب یہ سُنا تو بہت زور سے ہنسا۔ اُدھر سے ایک بڑھیا گزر رہی تھی اُس نے پوچھا۔ "بیٹا تو کیوں ہنس رہا ہے؟"

لڑکے نے کہا۔: امّاں یہ اعلان سُن رہی ہو، یہ کوئی مشکل بات ہے یہ تو میں ہی بتا سکتا ہوں۔"

بُڑھیا بہت خوش ہوئی اُس نے کہا۔ "بیٹا تو مجھے بتا دے میں تجھے دُعا دوں گی۔ لڑکے نے کہا۔ "اچھا امّاں تم جا کر پانی کے حوض میں باری باری ان تینوں لکڑیوں کو ڈالنا جو لکڑی ایک دم سے پانی میں بیٹھنے لگے وہ سِرے کی ہو گی۔ جو تھوڑی تیر کر پھر نیچے کی طرف جائے وہ بیچ کی

ہو گی اور جو تیرتی رہے وہ سب سے نیچے کی ہو گی۔" بُڑھیا خوش خوش چلی گئی۔

اگلے دن دربار ہوا۔ راجا نے ایک پھول رکھ دیا اور کہا کہ جو ان سوالوں کے جواب دینا چاہے وہ پھول اُٹھالے۔ بڑھیا فوراً آگے بڑھی اور اُس نے اس کے سوالوں کا جواب دے دیا۔ راجا بہت خوش ہوا اور اُسے ایک ہزار اشرفیاں دے دیں۔

کچھ دن اسی طرح بیت گئے۔ ایک دن پھر شور سنائی دیا تو لڑکا کھڑکی کے قریب آیا اس نے دیکھا کہ بُڑھیا آج بھی اس کی کھڑکی کے پاس کھڑی ہے۔ لڑکے نے پوچھا "اماں کیا بات ہے، کیا آج پھر راجا نے کوئی اعلان کرایا" ہے؟ بڑھیا اُسے دعائیں دینے لگی اور بولی۔ "ہاں بیٹا مگدھ کے راجا نے ہمارے راجا کے پاس تین گائیں بھیجی ہیں اور ایک خط بھیجا ہے۔ اب راجا نے اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی یہ بتادے یہ بتادے کہ اس میں ماں کون سی ہے بیٹی کون سے ہے اور بیٹی کی بیٹی کون سی ہے اُسے دو ہزار اشرفیاں دی جائیں گی۔"

"ارے! یہ کیا مشکل کام ہے۔" لڑکا بولا۔

"بیٹا مجھے بتادے، دیکھ میں بڑی غریب ہوں، تجھے دعائیں دوں گی اور آدھا انعام تجھے دے جاؤں گی۔"

لڑکے نے کہا۔ "اچھا تم ایسا کرنا کہ ایک جگہ ہری گھاس اکٹھا کرکے اس کے چاروں طرف بانس کا گھیرا بنادینا۔ گھیرا اتنا اونچا ہو کہ گائے آسانی سے نہ کود سکے۔ تین دن تک تم ان گایوں کو بُھوکا رکھنا اور پھر اُنھیں چھوڑدینا جو گائے سب سے پہلے گھیرے کو پھاند کر گھاس کھانے کے لیے اندر گُھس جائے۔ اُسے بیٹی کی بیٹی سمجھنا جو اس کے بعد جائے وہ بیٹی اور جو سب سے آخر میں رہ جائے وہ ماں ہو گی۔"

بڑھیا دعائیں دیتی چلی گئی۔ اگلے دن دربار ہوا اور اسی طرح راجا نے پھر پھول رکھا۔ بُڑھیا نے بڑھ کر اُسے اٹھالیا اور کہا۔ "حضور مجھے تین دن کا وقت دیجئے میں آپ کو بتادوں گی۔ راجا نے اسے تین دن کا وقت دیا۔ بڑھیا نے اسی طرح کیا جیسے لڑکے نے بتایا تھا اور چوتھے دن راجا کو سب بتادیا۔ راجا بہت حیران ہوا اور اُس نے اُسے انعام دے دیا۔ بڑھیا خوش ہوتی ہوئی اس لڑکے کی کوٹھری سے گزری اور آدھا انعام اُسے دے دیا۔

کچھ دن گزر گئے۔ مگدھ کے راجا نے ایک دن راجہ کو خط لکھا۔ "سنا ہے تمہارے یہاں بہت عقل مند لوگ رہتے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں چار کاغذ رکھ رہا ہوں ان میں انعام لکھے ہوئے ہیں جو ان کو اس طرح نکالے کہ مجھے پتہ بھی نہ چلے اُسے انعام دیا جائے گا۔ ان کاغذوں کو پانے والے سے ہی میں راجکماری کی شادی کروں گا۔ اب اگر کوئی نوجوان یہ ہمّت کرے تو اپنی قسمت آزما سکتا ہے۔" راجا نے اِس کا بھی اعلان کرادیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے راج کی بات نیچی نہ ہو۔

بڑھیا نے جب یہ اعلان سنا تو پھر لڑکے کے پاس آئی لڑکے نے کہا یہ کون سی مشکل بات ہے یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ بڑھیا نے راجا کو خبر کردی اور بڑھیا سے راجا کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے دوسرے سوالوں کا جواب بھی اسی لڑکے نے بتایا تھا تو وہ بہت خوش ہوا۔ راجا نے لڑکے کو جیل سے باہر نکلوایا اور پوچھا "کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟" لڑکے نے کہا۔ "مجھے دو نوکر اور چار مہینے کے کھانے کا خرچ چاہیے۔" راجا نے اُسے دو نوکر بھی دے دیے اور چار مہینے کے لیے کھانے پینے کا خرچ بھی۔ لڑکے نے ان اشرفیوں سے جو بُڑھیا نے دی تھیں تجارت کا سامان خریدا اور مگدھ میں جا اُترا۔ اس نے ایک مکان کرایے پر لیا اور وہاں رہنے لگا۔ دو چار روز بعد اس نے محل کا چکر لگایا، محل پر بڑا سخت پہرہ تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے راج محل کے اصطبل کے رکھوالے سے بات کی اور اُسے روپیہ کا

لالچ دیا، اصطبل کا رکھوالا اسے محل میں لے جانے کے لیے تیار ہو گیا، لڑکے نے کالے کپڑے پہنے اور چل دیا۔ اصطبل کے مالک نے اُسے گھاس کے اندر چھپا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسے راجا کے سونے کا کمرہ معلوم ہو گیا۔ کمرے کے باہر دو داسیاں کھڑی تھیں۔ لڑکے نے بلی کی سی بولی آواز نکالی اور زمین پر بہت سارے موتی بکھیر دیے۔ داسیاں جیسے ہی بلی بھگانے دوڑیں، انھوں نے چمک دار موتی دیکھے تو وہ انھیں چننے کے لیے بیٹھ گئیں، لڑکا جلدی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ راجا بے خبر سو رہا ہے۔ اُس نے کمرے میں ہر طرف نظر دوڑائی مگر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جہاں کوئی کاغذ ہو تا۔ اُس نے پلنگ پر نظر ڈالی تو پلنگ کے پائے خاص قسم کے نظر آئے اس نے سوچا ہو نہ ہو کاغذ ان ہی میں ہے۔ لڑکے نے فوراً ہی ایک ڈبیا نکالی اور اس کو راجہ کے پیروں کے پاس چھوڑ دیا، اس ڈبیا میں چیونٹیاں تھیں۔ جیسے ہی راجہ پر چیونٹیاں چڑھیں وہ گھبرا کر اُٹھا اور اپنے بدن کو کھجانے لگا۔ اس نے جب دیکھا کہ جسم پر چیونٹیاں ہی چیونٹیاں ہیں تو جلدی سے برابر کے کمرے میں کپڑے بدلنے چلا گیا۔ یہ لڑکا جو کالے کپڑے پہنے بھوت بنا ہوا کھڑا تھا جلدی سے نکلا اور پلنگ کو اُٹھا کر دیکھا۔ واقعی چاروں پایوں کے نیچے کاغذ رکھے تھے، جلدی سے کاغذ اُٹھا کر لڑکا کمرے سے نکل گیا، راجا کو پتہ بھی نہ چلا۔ صبح ہوتے ہوتے وہ پھر گھاس کے ڈھیر کے اندر چُھپ گیا اور اسی گھاس کے ذریعے جب محل سے باہر آ گیا تو اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ اُس نے جلدی سے بھیس بدلا اور اپنے ملک کو روانہ ہو گیا۔

چند روز بعد راجا کے پاس حاضر ہو گیا۔ راجا نے ان کاغذوں کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور مگدھ کے راجہ کو خط بھیجا۔ مگدھ کے راجا کو جب معلوم ہوا کہ کوئی خاموشی سے اس کے کاغذ لے گیا تو اس کی چالاکی پر حیران ہوا اور اپنی لڑکی کی اس نوجوان سے شادی کر دی اور اپنا آدھا راج بھی اُسے دے دیا۔ اور سب مل جل کر محل میں رہنے لگے اس طرح لڑکے کا خواب پورا ہوا۔

شادی کرنے کے بعد وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے محل میں لے آیا۔ اس نے اپنے استاد کو بھی اپنے یہاں بلا لیا۔ اس دن اس نے اس خواب کو سنایا جو اب سچ ہو چکا تھا۔

اُسی سے ٹھنڈا اُسی سے گرم

ایک لکڑہارا تھا۔ جنگل میں جا کر روز لکڑیاں کاٹتا اور شہر میں جا کر شام کو بیچ دیتا تھا۔ ایک دن اس خیال سے کہ آس پاس سے تو سب لکڑہارے لکڑی کاٹ لے جاتے ہیں، سوکھی لکڑی آسانی سے ملتی نہیں، یہ دور جنگل کے اندر چلا گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ کٹکٹی کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جاتے تھے۔ اُس کی انگلیاں بالکل سُن ہو جاتی تھی۔ یہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کلہاڑی رکھ دیتا اور دونوں ہاتھ منھ کے پاس لے جا کر خوب زور سے ان میں پھونک مارتا کہ گرم ہو جائیں۔

جنگل میں نہ معلوم کس کس قسم کی مخلوق رہتی ہے۔ سنا ہے اس میں چھوٹے چھوٹے بالشت بھر کے آدمی بھی ہوتے ہیں۔ ان کی داڑھی مونچھ سب کچھ ہوتی ہے۔ مگر ہوتے ہیں بس مینخ ہی سے۔ ہم تم جیسا کوئی آدمی ان کی بستی میں چلا جائے تو اسے بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں کہ دیکھیں یہ کیا کرتا ہے۔ لیکن یہ ہم لوگوں سے ذرا اچھے ہوتے ہیں کہ ان کے لڑکے کسی پردیسی کو ستاتے نہیں نہ اُن پر تالیاں بجاتے ہیں۔ نہ پتھر پھینکتے ہیں۔ خود ہمارے یہاں بھی اچھے بچے ایسا نہیں کرتے۔ لیکن ان کے یہاں تو بس اچھے ہی ہوتے ہیں۔

خیر لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ تو ایک میاں بالشتیے بھی کہیں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ میاں بالشتیے نے جو دیکھا کہ یہ بار

بار ہاتھ میں کچھ پھونکتا ہے، تو سوچنے لگے کہ یہ کیا بات ہے۔ دیر تک اپنی بتاشہ سی ٹھوڑی اپنے ننھے سے ہاتھ پر دھرے بیٹھے رہے، مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا، تو یہ اپنی جگہ سے اٹھے، اور کچھ دور چل کر پھر آئے کہ نہ معلوم کہیں پوچھنے سے یہ آدمی برا تو نہ مانے مگر پھر ان سے رہا نہ گیا۔ آخر کو ٹھک ٹھک لکڑ ہارے کے پاس گئے اور کہا:

"سلام بھائی، بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھیں"۔

لکڑہارے کو یہ ذرا سا انگھوٹھے برابر آدمی دیکھ کر تعجب بھی ہوا، ہنسی بھی آئی۔ مگر اُس نے ہنسی کو روک کر کہا:

"ہاں ہاں بھئی ضرور پوچھو۔"

"بس یہ پوچھتا ہوں کہ تم منھ سے ہاتھوں میں پھونک سی کیوں مارتے ہو؟"

لکڑہارے نے جواب دیا۔ "سردی بہت ہے۔ ہاتھ ٹھٹھرے جاتے ہیں۔ میں منہ سے پھونک کر انھیں ذرا گرمالیتا ہوں، پھر ٹھٹھرنے لگتے ہیں، پھر پھونک لیتا ہوں۔"

میاں بالشیتے نے اپنا سُپاری جیسا سر ہلایا اور کہا۔ "اچھا اچھا یہ بات ہے۔" یہ کہہ کر بالشیتے میاں وہاں سے کھسک گئے مگر رہے آس پاس ہی اور کہیں سے بیٹھے برابر دیکھا کیے کہ لکڑہارا اور کیا کرتا ہے۔

دوپہر کا وقت آیا۔ لکڑہارے کو کھانا پکانے کی فکر ہوئی۔ ادھر ادھر سے دو پتھر اٹھا کر چولھا بنایا۔ اس کے پاس چھوٹی سی ہانڈی تھی۔ آگ سلگا کر اسے چولھے پر رکھا اور اس میں آلو ابلنے کے لیے رکھ دیے۔ گیلی لکڑی تھی اس لیے آگ بار بار ٹھنڈی ہو جاتی تو لکڑہارا منھ سے پھونک کر تیز کر دیتا تھا۔ "ارے" بالشیتے نے دور سے دیکھ کر اپنے جی میں کہا "اب یہ پھر پھونکتا ہے۔ کیا اس کے منہ سے آگ نکلتی ہے؟" لیکن چُپ چاپ بیٹھا دیکھا کیا۔ لکڑہارے کو بھوک زیادہ لگی تھی، اس لیے چڑھی ہوئی ہانڈی میں سے ایک آلو کو ابھی پورے طور پر اُبلا بھی نہ تھا، نکال لیا۔ اسے کھانا چاہا تو وہ ایسا گرم تھا جیسے آگ۔ اس نے مشکل سے اسے اپنی ایک انگلی اور انگوٹھے سے دبا کر توڑا اور منھ سے فو فو کر کے پھونکنے لگا۔

ارے" بالشیتے نے پھر جی میں کہا۔ "یہ پھر پھونکتا ہے۔ اب کیا اس کو آلو کو پھونک کر جلائے گا۔" لیکن آلو جلا جلایا کچھ نہیں۔ وہ تو تھوڑی دیر فو فو کر کے لکڑہارے نے اسے اپنے منھ میں رکھ لیا اور غپ غپ کھانے لگا۔ اب تو اس بالشیتے کی حیرانی کا حال نہ پوچھو۔ اس سے پھر رہا نہ گیا اور ٹھک ٹھک پھر لکڑہارے کے پاس آیا اور کہا۔ "سلام! بھائی برا نہ مانو تو ایک بات پوچھیں۔"

لکڑہارے نے کہا۔ "برا کیوں مانوں گا۔ پوچھو۔"

بالشیتے نے کہا۔ "تم نے صبح مجھ سے کہا تھا کہ منہ سے پھونک کر اپنے ہاتھوں کو گرماتا ہوں۔ اب اس آلو کو کیوں پھونکتے تھے۔ یہ تو خود بہت گرم تھا اسے اور گرمانے سے کیا فائدہ؟"

"نہیں میاں ٹلّو۔ یہ آلو بہت گرم ہے۔ میں اسے منہ سے پھونک کر ٹھنڈا کر رہا ہوں۔"

بات تو کچھ ایسی نہ تھی مگر یہ سن کر میاں بالشیتے کا منہ پیلا پڑ گیا۔ ڈر کے مارے کَپ کَپ کانپنے لگے۔ برابر پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ لکڑہارے سے ڈر کر کچھ سہم سے گئے تھے۔ ذرا سا آدمی یوں ہی دیکھ کر ہنسی آئے۔ لیکن اس تھر تھر، کَپ کَپ کی حالت میں دیکھ کر تو ہر

کسی کو ہنسی بھی آئے، رنج بھی ہو۔ لکڑہارے کو بھی ہنسی آئی۔ لیکن وہ بھی بھلا مانس تھا۔ اس نے آخر پوچھا کہ "کیوں میاں، کیا ہوا، کیا جاڑا بہت لگ رہا ہے۔ "کوئی بھوت ہے یا جن ہے۔ اُسی سے ٹھنڈا اُسی سے گرم، ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ "اور سچ ہے یہ بات ان میاں بالشیتے کی ننھی سی کھوپڑی میں آنے کی تھی بھی نہیں۔

مشکل الفاظ:

تفریح	دل لگی، خوشی، وقت گزاری	Entertainment / Recreation
ذرائع	وسیلے، طریقے	Means / Sources
اشرفی	سونے کا سکہ	Gold coin
عقل مند	سمجھدار، دانا	Wise / Intelligent
ترکیب	طریقہ، چال	Method / Plan / Strategy
اصطبل	گھوڑوں کا باڑہ یا ٹھکانہ	Stable (for horses)
مخلوق	پیدا کی گئی چیز، انسان، جانور وغیرہ	Creature / Creation
بالشت	ہاتھ بھر لمبائی	A cubit (length of a forearm)
میخ	کیل، لوہے کی کیل	Nail / Peg
رنج	غم، دکھ	Sorrow / Grief
بھلامانس	شریف آدمی، نیک سیرت	Gentleman / Noble person

3.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- کہانی ایک ایسا دلچسپ بیان ہوتا ہے جو کسی واقعے، کردار یا خیال کے گرد گھومتا ہے۔
- کہانی 'خرگوش اور ہاتھی' سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ عقل، طاقت سے بڑی ہوتی ہے اور سمجھداری سے بڑے سے بڑا مسئلہ بھی حل کیا جاسکتا ہے۔
- 'راجہ اور بندر' میں بتایا گیا ہے کہ نادان دوست، دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔
- جلدی کا کام کہانی کا اخلاقی سبق یہ ہے کہ جلد بازی میں کیے گئے فیصلے اکثر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں۔
- کہانی 'شیر کے بچے' سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جو جیسے پیدا ہوا ہے، وہ ویسا ہی رہے گا۔ فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا۔
- 'چار دوست' کا سبق یہ ہے کہ دوستی میں اتحاد، قربانی اور ایک دوسرے کی مدد ہی اصل طاقت ہے۔
- جب ایک نسل سے دوسری نسل تک قصے سفر کرتے ہیں تو ان پرانی، سنی سنائی کہانیوں کو "لوک کہانیاں" کہا جاتا ہے۔

- 'تین سوال' بہار کی لوک کہانی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ علم اور عقل سب سے بڑی دولت ہے اور خواب اگر سچے ارادوں اور محنت سے دیکھے جائیں تو پورے ہو سکتے ہیں۔
- 'اسی سے ٹھنڈا اسی سے گرم' سے ہم نے سیکھا کہ محدود علم سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور دوسروں کے عمل کا مطلب سمجھنے کے لیے ان کے حالات اور مقصد کو مد نظر رکھنا چاہیے۔

3.4 مشقیں

مشق 1: ذیل میں دیے گئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ خالی ہاتھ لوٹنا ....

2۔ چوکڑی بھرنا ....

3۔ نانی یاد آنا ....

4۔ آنکھوں پر یقین نہ آنا ....

5۔ رونگٹے کھڑے ہونا ....

6۔ زاروقطار رونا ....

7۔ غپ غپ کھانا ....

8۔ منہ پیلا پڑنا ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے جملوں میں مناسب الفاظ بھریے۔

1۔ سب ندی تالاب سوکھ گئے۔ جانور ....سے تڑپنے لگے۔

2۔ بندر کو غصہ آ گیا۔ وہ دوڑ کر اندر گیا اور مکھی مارنے کے لئے ایک تیز سی ....اٹھالایا۔

3۔ دیو شرما کی بیوی اپنے بچے کے ساتھ ساتھ ....کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی تھی۔

4۔ شام کو جب شیر خالی ہاتھ لوٹ رہا تھا تو راستے میں اسے ایک.....................کا بچہ نظر آیا۔

5۔ کوا اُتر کر نیچے آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ہرن ایک............................میں پھنسا ہوا ہے۔

6۔ ایک نسل 5 سے دوسری نسل تک یہ قصے سفر کرتے ہیں۔ ان پرانی، سنی سنائی کہانیوں کو .... کہا جاتا ہے۔

7۔ اگلے دن راجا نے ایک...............رکھ دیا اور کہا کہ جو ان سوالوں کے جواب دینا چاہے وہ پھول اُٹھالے۔

8۔ مگدھ کی راج کماری سے شادی کرنے کے بعد لڑکا اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے............میں لے آیا۔

مشق 3: درج ذیل جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ قصہ / کہانی سننا سنانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

2۔ کہانی 'خرگوش اور ہاتھی' میں تالاب کے پاس کی زمین سوکھی تھی۔

3۔ راجہ نے بندر اس لیے رکھا تھا کیونکہ اس کے نوکر اس کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

4۔ کہانی 'راجہ اور بندر' سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ' نادان دوست، دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔'

5۔ مالن پانی کا گھڑا بھر کر جو وہاں پہنچی تو دیکھا کہ نیولے کا منہ خون سے لت پت ہے۔

6۔ شیرنی نے کہا کہ تم گیدڑ کے بچے ہو۔مجھے تم پر ترس آ گیا تھا۔اس لئے میں نے تم کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔

7۔ ایک رات لڑکے نے خواب میں دیکھا کہ اُس کی شادی اودھ کی راجکماری کے ساتھ ہو گئی ہے۔

8۔ جنگل میں نہ معلوم کس کس قسم کی مخلوق رہتی ہے۔سنا ہے ان کے قد درختوں کی طرح لمبے لمبے ہوتے تھے۔

مشق 4: ذیل میں دیے گئے جملوں میں مؤنث / مذکر کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ تالاب کے کنارے کی زمین گیلی اور نم تھی۔وہاں بہت سے خرگوش رہتے تھے۔

2۔ اُس کی اس طرح خدمت کرنے سے راجا اور رانی دونوں بڑے خوش تھے۔

3۔ دیوشرما کی بیوی اپنے بچے کے ساتھ ساتھ نیولے کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی تھی۔

4۔ شیرنی نے گیدڑ کو الگ بلا کر کہا۔

5۔ کوا اُتر کر نیچے آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ہرن ایک جال میں پھنسے ہوئے ہے۔

6۔ تم جا کر پانی کے حوض میں باری باری ان تینوں لکڑیوں کو ڈالنا۔

7۔ لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔تو ایک میاں بالشتیے بھی کہیں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

مشق 5: نیچے دیے گئے الفاظ کی مدد سے جملہ بنایئے۔

1۔ جنگل، پانی، برسات ....

2۔ شہر، نیک، راجا ....

3۔ بیوی، بچہ، نیولا ....

4۔ جنگل، شیر، شیرنی ....

5۔ چوہا، کچھوا، جھیل ....

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی سوالات:

1۔ پنچ تنتر کتنے حصوں پر مشتمل ہے؟

(a) پانچ (b) چھ (c) سات (d) آٹھ

2۔ خرگوش نے ہاتھیوں کو تالاب میں کیا دکھایا؟

(a) مچھلیاں (b) کچھوا (c) چاند (d) ہاتھی کی شکل

3۔ نیولے کے منہ پر خون لگا تھا کیوں کہ اس نے............ کو مار ڈالا تھا۔

(a) چوہا (b) سانپ (c) بچہ (d) مالن

4۔ شیر کو شکار نہیں ملا تو وہ کس کے بچے کو اٹھالیا؟

(a) لومڑی (b) ہرن (c) ہاتھی (d) گیدڑ

5۔ کہانی 'چار دوست' میں جامن کے پیڑ پر کون رہتا تھا؟

(a) کوا (b) اُلو (c) بندر (d) سارس

6۔ بہیلیا نے اپنے تھیلے میں کسے بند کیا؟

(a) بکری (b) کچھوا (c) ہرن (d) چوہا

7۔ .... اپنے علاقے، رسم و رواج اور لوگوں کی زندگی کے کسی خاص پہلو سے جڑی ہوتی ہے۔

(a) قصہ (b) مزاح (c) افسانہ (d) لوک کہانی

8۔ 'تین سوال' میں لڑکے نے کہاں کی راج کماری کے ساتھ شادی کرنے کا خواب دیکھا تھا؟

(a) مگدھ (b) کاشی (c) نالندہ (d) اودھ

9۔ کہانی 'اُسی سے ٹھنڈا اُسی سے گرم' میں لکڑہارے نے چولھے پر کیا ابلنے کے لیے رکھا تھا؟

(a) شملہ مرچ (b) مکہ (c) آلو (d) چنا

10۔ لکڑہارے کا جواب سن کر بالشتیے کی کیا حالت ہوئی؟

(a) منہ پیلا پڑ گیا (b) کانپنے لگا (c) سہم گیا (d) یہ سبھی

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ کہانی کیا ہوتی ہے؟

2۔ راجہ نے ہاتھیوں کو پانی کی کمی دور کرنے کے لیے کیا راستہ بتایا؟

3۔ پنڈت کی بیوی نیولے سے کیوں ڈرتی تھی؟

4۔ کہانی 'تین سوال' میں استاد نے لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

5۔ کہانی 'اسی سے ٹھنڈا اسی سے گرم' میں مصنف نے بالشتیے کے ذریعے ہمارے سماج پر کیا طنز کیا ہے؟

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ 'چار دوست' میں سبھی دوست پہلے ہرن اور پھر کچھوے کی مدد کس طرح کرتے ہیں؟

2۔ لوک کہانی 'تین سوال' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کیجیے۔

3۔ اپنی پسندیدہ کہانی کے لکھیے۔

3.5.1 کے جوابات:

1۔a	2۔c	3۔b	4۔d	5۔a
6۔b	7۔d	8۔a	9۔c	10۔d

اکائی 4: لطائف اور پہیلیاں

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 لطائف

4.2.1 غالب کے لطیفے

4.2.2 ادیبوں کے لطیفے

4.2.3 اکبر اور بیر بل کے لطیفے

4.3 پہیلیاں

4.4 مشقیں

4.5 اکتسابی نتائج

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.0 تمہید

لطیفہ ایک ایسا خوبصورت اندازِ بیان ہے جس کا مقصد ہنسی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ادب میں لطیفے صرف ہنسانے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ وہ معاشرتی حالات، انسانی فطرت اور سوچ کو بھی سمجھنے کا ایک ذریعہ بنتے ہیں۔ مصنفین اپنی کہانیوں میں لطیفوں کا استعمال کرتے ہیں تا کہ سنجیدہ باتوں کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا جاسکے، کرداروں کو دلچسپ بنایا جاسکے اور بعض اوقات معاشرتی برائیوں پر طنزیہ انداز میں بات کی جاسکے۔

پرانے زمانے میں جب لوگوں کے پاس وقت ہوتا تھا اور خاندان مشترک ہوا کرتا تھا تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ نانی دادی بچوں کو دل بہلانے کے لیے کہانیاں سناتی تھیں۔ کچھ کہانیاں فرضی ہوتی تھیں اور کچھ حقیقی۔ حقیقی کہانیوں میں پیغمبروں کی سیرت اور واقعات کر بلا قصے کہانی کی صورت میں سنائے جاتے۔ کہانیوں کے علاوہ پہیلیاں سننے کا بھی رواج تھا۔ جب قصہ کہانی کہنے سننے کو طبیعت نہ ہوتی لوگ پہیلیاں بجھاتے تھے۔ یہ کہانیاں بہت پُر لطف ہوا کرتی تھیں اور ان میں سب سے زیادہ مقبول امیر خسرو کی پہیلیاں ہوتی تھیں۔ امیر خسرو کے بعد انشاؔ اور سوداؔ نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- لطیفہ کی تعریف کو سمجھ سکیں اور ادب میں لطیفہ کے استعمال سے واقف ہو سکیں۔
- اکبر اور بیر بل کے لطائف کے ذریعے بیر بل کی حاضر جوابی کو سمجھ سکیں۔
- غالب کے لطیفوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔
- ادیبوں کے لطیفے میں شامل ادیبوں اور شاعروں سے واقف ہو سکیں۔
- پہیلی کیا ہوتی ہے اس کو مثالوں کے ساتھ سمجھ سکیں۔

4.2 لطائف

لطیفہ مزاح کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ اس میں الفاظ کو خوش اسلوبی اور مخصوص انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے تا کہ سننے والے ہنس پڑیں اور بات کو سنجیدگی سے نہ لیں۔ لطیفہ اکثر ایک مختصر کہانی کی شکل میں ہوتا ہے جس میں مکالمے شامل ہوتے ہیں اور اختتام پر ایک ایسا جملہ آتا ہے جو اچانک اور دلچسپ ہوتا ہے۔ یہی جملہ سامعین کو یہ احساس دلاتا ہے کہ کہانی میں کوئی دوسرا، پوشیدہ یا متضاد مطلب بھی تھا۔ لطیفے میں ذو معنی الفاظ، ظرافت، منطقی بے ربطی، بے عقلی یا دلچسپ طریقے سے پیش کیے گئے خیالات کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

ادب میں لطیفوں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ قاری کو کہانی سے جوڑتے ہیں اور اسے لطف اندوز کرتے ہیں۔ ایک اچھا لطیفہ کہانی میں نیا رنگ بھر دیتا ہے اور مشکل باتوں کو بھی آسانی سے سمجھا دیتا ہے۔ مزاح کی مدد سے سنجیدہ موضوعات پر بھی آسانی سے بات کی جا سکتی ہے، اور پڑھنے والے بور نہیں ہوتے۔ انگریزی میں شیکسپیئر، مارک ٹوین اور اردو میں غالب، محمد حسین آزاد، اکبر الہ آبادی نے اپنی تحریروں میں مزاح کا خوب استعمال کیا ہے۔ آج بھی لطیفے ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں کیونکہ وہ نہ صرف ہنساتے ہیں بلکہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بھی ہنستے ہنستے سمجھا دیتے ہیں۔

4.2.1 غالب کے لطیفے:

غالب حیوان ظریف تھے اور ان کی شاعری اور خطوط سے ان کی شوخی اور ظرافت ٹپکتی تھی۔ یاد گار غالب میں حالی نے مرزا کے ایسے متعدد لطیفے درج کیے ہیں جن میں سے ہم ذیل میں چند کا مطالعہ کریں گے۔

بوتل کی دعا:

ایک شام مرزا کو شراب نہ ملی تو نماز پڑھنے چلے گئے۔ اتنے میں ان کا ایک شاگرد آیا اور اسے معلوم ہوا کہ مرزا کو آج شراب نہیں ملی، چنانچہ اس نے شراب کا انتظام کیا اور مسجد کے سامنے پہنچا۔ وہاں سے مرزا کو بوتل دکھائی۔ بوتل دیکھتے ہی مرزا وضو کرنے کے بعد مسجد سے نکلنے لگے، تو کسی نے کہا، "یہ کیا؟ کہ بغیر نماز پڑھے چل دیئے۔"

مرزا بولے، "جس چیز کے لیے دعا مانگی تھی، وہ تو یونہی مل گئی۔"

آدھا مسلمان!:

غدر کے ہنگامے کے بعد جب پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو مرزا غالبؔ کو بھی بلایا گیا۔ یہ کرنل براؤن کے روبرو پیش ہوئے تو وہی کلاہ پپاخ جو یہ پہنا کرتے تھے، حسب معمول ان کے سر پر تھی۔ جس کی وجہ سے کچھ عجیب و غریب وضع قطع معلوم ہوتی تھی۔ انہیں دیکھ کر کرنل براؤن نے کہا، ”ویل مرزا صاحب تم مسلمان ہے؟“

”آدھا مسلمان ہوں“

کرنل براؤن نے تعجب سے کہا،

”آدھا مسلمان کیا؟ اس کا مطلب؟“

”شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا۔“ مرزا صاحب فوراً بولے،

یہ سن کر کرنل براؤن بہت محظوظ ہوا اور مرزا صاحب کو اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا۔

دلی میں گدھے بہت ہیں:

ایک بار دلی میں رات گئے کسی مشاعرے یا دعوت سے مرزا صاحب مولانا فیض الحسن فیضؔ سہارنپوری کے ہمراہ واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک تنگ و تاریک گلی سے گزر رہے تھے کہ آگے وہیں ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا نے یہ دیکھ کر کہا،

”مرزا صاحب، دلی میں گدھے بہت ہیں۔“

”نہیں حضرت، باہر سے آجاتے ہیں۔“

مولانا فیض الحسن جھینپ کر چپ ہو رہے۔

آم: جسے گدھا بھی نہیں کھاتا:

ایک روز مرزا کے دوست حکیم رضی الدین خان صاحب جن کو آم پسند نہیں تھے، میرزا صاحب کے مکان پر آئے۔ دونوں دوست برآمدے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اتفاق سے ایک کمہار اپنا گدھے لیے سامنے سے گزرا۔ زمین پر آم کے چھلکے پڑے تھے۔ گدھے نے ان کو سونگھا اور چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ حکیم صاحب نے جھٹ سے مرزا صاحب سے کہا، ”دیکھئے! آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔“

مرزا صاحب فوراً بولے، ”بیشک گدھا نہیں کھاتا۔“

تم نے میرے پیر دابے میں نے پیسے:

ایک روز مرزا صاحب کے شاگرد میر مہدی مجروحؔ ان کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ مرزا صاحب پلنگ پر پڑے کراہ رہے ہیں۔ یہ ان کے پاؤں دابنے لگے۔ مرزا صاحب نے کہا بھئی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے؟“ میر مہدی مجروحؔ نہ مانے اور کہا کہ ”آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دے دیجئے گا۔“ مرزا صاحب نے کہا، ”ہاں اس میں مضائقہ نہیں۔“ جب وہ پیر داب چکے تو انہوں نے از راہ مزاح مرزا صاحب سے اجرت مانگی مرزا صاحب نے کہا، ”بھیا کیسی اجرت؟ تم نے میرے پاؤں دابے، میں نے تمہارے پیسے دابے،

حساب برابر ہو گیا۔'

میں باغی کیسے ؟:

ہنگامۂ غدر کے بعد جب مرزا غالبؔ کی پنشن بند تھی۔ ایک دن موتی لال، میر منشی لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب، مرزا صاحب کے مکان پر آئے۔ دوران گفتگو میں پنشن کا بھی ذکر آیا۔ مرزا صاحب نے کہا، "تمام عمر اگر ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور اگر ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار، پھر میں نہیں جانتا کہ سرکار نے کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا۔"

پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی:

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے۔ ایک روز میاں صاحب کے پاس بیٹھے تھے کہ کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا، "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے! پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔

نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے:

امراؤسنگھ جوہر، گوپال تفتہؔ کے عزیز دوست تھے۔ ان کی دوسری بیوی کے انتقال کا حال تفتہؔ نے مرزا صاحب کو بھی لکھا، تو انہوں نے جواباً لکھا، "امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ! ایک وہ ہیں کہ دوبار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ پچاس برس سے اوپر پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے، نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔"

ذوق سودائی ہیں:

ایک محفل میں لوگ میر تقی میر کی تعریف کر رہے تھے۔ اس محفل میں مرزا غالب بھی موجود تھے۔ اچانک شیخ ابراہیم ذوق بھی آگئے اور بحث میں حصہ لیتے ہوئے مرزا رفیع سودا کو میر تقی میر پر ترجیح دینے لگے۔ غالب نے یہ سنا تو بے ساختہ بولے۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ میری ہیں لیکن اب پتہ چلا کہ آپ سودائی ہیں۔

سپردِ خدا:

ریاست رام پور کے نواب کلب علی خان انگریز گورنر سے ملاقات کیلئے بریلی گئے تو مرزا اسد اللہ خان غالب بھی انکے ہمراہ تھے، انہیں دلی جانا تھا بوقت روانگی نواب صاحب نے مرزا سے کہا۔ مرزا صاحب الوداع خدا کے سپرد مرزا غالب جھٹ بولے۔ حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا تھا، اب آپ الٹا مجھے خدا کے سپرد کر رہے ہیں۔

رتھ:

دلی میں بعض رتھ کو مؤنث اور بعض مذکر بولتے تھے، کسی نے مرزا سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔۔۔" بھیا، جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث کہو، اور جب مرد بیٹھے ہوں تو مذکر سمجھو۔"

وبا:

ایک دفعہ شہر میں سخت وبا پھیلی، میر مہدی مجروح نے پوچھ بھیجا کہ حضرت، وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے۔

اس کے جواب میں لکھتے ہیں، "بھئی کیسی وبا، جب ایک ستر برس کے بڈھے اور ایک ستر برس کی بڑھیا نہ مار سکے تو تُف برین وبا۔"

دھوکہ دہی:

ایک روز غالب نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی۔

"جوں ہی میری روح جسدِ خاکی کو چھوڑے، تم بھاگ کر کہیں سے پرانا کفن لانا اور مجھے اس میں لپیٹ کر دفنا دینا۔"

ایک شاگرد بولا، "استادِ محترم، یہ تو بتایئے، اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔"

غالب نے کہا، "کم بخت اتنی سی بات بھی نہیں سمجھے کہ منکر نکیر تشریف لائیں گے تو پرانے کفن کو دیکھتے ہی سوال جواب کیے بغیر ہی لوٹ جائیں گے، کیونکہ پرانا کفن دیکھ کر وہ سمجھیں گے کہ اس جگہ غلطی سے دوبارہ آ گئے ہیں۔"

روزہ بہلانا:

اپنے روزوں کے بارے میں ایک دوست کو مرزا لکھتے ہیں۔

"دھوپ بہت تیز ہے، روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں، کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیا، یہاں کے لوگ عجیب فہم رکھتے ہیں، میں تو روزہ بہلاتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تُو روزہ نہیں رکھتا، یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور چیز ہے۔"

خط کا جواب:

ایک دوست کو دسمبر 1858 کی آخری تاریخوں میں خط لکھا۔ انہوں نے اس کا جواب جنوری 1859 کی پہلی تاریخ کو دیا۔ اس کے جواب میں مرزا انہیں لکھتے ہیں۔۔۔ "دیکھو صاحب، یہ باتیں ہم کو پسند نہیں، 1858 کے خط کا جواب 1859 میں بھیجتے ہو، اور مزہ یہ کہ جب تم سے کہا جائے گا تو یہ کہو گے کہ میں نے تو دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔"

ندامت:

ایک روز دیوان فضل اللہ خاں بگھی میں سوار مرزا کے مکان کے پاس سے انہیں ملے بغیر گزر گئے، مرزا کو پتہ چلا تو انہوں نے اس مضمون کا رقعہ دیوان جی کو لکھ بھیجا۔

"آج مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی ہے کہ شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا ہوں، اس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہو سکتی ہے کہ آپ کبھی کبھی تو اس طرف سے گزریں اور میں سلام کو حاضر نہ ہوں۔"

جب رقعہ دیوان جی کے پاس پہنچا تو وہ نہایت شرمندہ ہوا اور اسی وقت بگھی میں سوار ہو کر مرزا صاحب کو ملنے چلا آیا۔

مشکل الفاظ:

دعا	مانگی جانے والی خواہش	Prayer
غدر	بغاوت، ہنگامہ	Rebellion, Revolt

Uproar, Commotion	شور، فساد	ہنگامہ
Cap, Hat	ٹوپی	کلاہ
Dirty or smelly turban	بدبودار، گندی حالت کی ٹوپی	پیاخ
Appearance, Outfit	لباس یا ظاہری صورت	وضع قطع
In front of, Before	سامنے	روبرو
Amused, Delighted	خوش، لطف اندوز	محظوظ
Narrow and Dark	چھوٹی اور اندھیری	تنگ و تاریک
Embarrassed, Awkwardly	شرمندگی سے	جھینپ کر
Potter	مٹی کے برتن بنانے والا	کمہار
As a joke, Playfully	مذاق کی نیت سے	از راہ مزاح
Wage, Payment	مزدوری، معاوضہ	اجرت
No Objection, No Problem	کوئی حرج، کوئی اعتراض نہیں	مضائقہ
Counting, Inclusion	گنتی میں شامل کرنا	شمار
Rascal, Scoundrel	گالی کے طور پر، نکما آدمی	بھڑوا
Shackles, Chains	زنجیریں	بیڑیاں
Noose, Loop	گلا گھونٹنے والی رسی یا حلقہ	پھندا
Envy, Admiration	حسرت	رشک
Taste, inclination	شوق، دلچسپی	ذوق
Obsessed, madly passionate	دیوانہ، حد سے زیادہ عقیدت رکھنے والا:	سودائی
To entrust, to hand over	حوالے کرنا، سونپ دینا	سپرد
Chariot, carriage	گھوڑا گاڑی، پرانی طرز کی سواری	رتھ
Epidemic, plague	بیماری جو بڑے پیمانے پر پھیل جائے	وبا
Deceit, fraud	فریب، جھوٹ کرنے کا عمل	دھوکہ دہی

جسدِ خاکی	جسم جو مٹی کا بنا ہو	Body made of dust
روزہ	اسلامی عبادت میں کھانے پینے سے رکنا	Fast (in Islam)
ندامت	شرمندگی، افسوس	Regret, remorse

4.2.2 ادیبوں کے لطیفے:

ادیبوں کے لطیفے کے مرتب نارنگ ساقی نے ایک ماہنامہ 'ساقی' جاری کیا تھا۔ ان کے گھر پر ادیبوں کو آنا جانا لگا رہتا تھا۔ جب لوگ آتے اور لطیفہ بازی ہوتی تو نارنگ ساقی ان کو ذہن نشین کر لیتے تھے اور بہت سے لطیفے اپنے احباب سے بھی جمع کیے۔ ان لطائف کو جمع کر کے نارنگ ساقی نے ادیبوں کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اس کتاب میں شامل ادیبوں میں اردو کے بڑے شعرا اور ادبا کے لطیفوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ان میں انشآ، ناسخؔ، غالبؔ، داغؔ، نذیر، حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جگرؔ، سالکؔ، فراقؔ، جوشؔ، حفیظؔ، ہری چند اخترؔ، مجازؔ، سرسید احمد خان، مہاتما گاندھی، برنارڈشا، محمد علی جوہر، جواہر لعل نہرو، ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، شوکت تھانوی، اشرف صبوحی، منٹو، بیدی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ہم مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہر اور سرسید احمد خان کا ایک ایک لطیفہ پڑھیں گے۔

مہاتما گاندھی:

مہاتما گاندھی اپنی صحت اور تندرستی کو قدرتی طریقوں سے قائم رکھنے کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیماری میں ڈاکٹر نے پینسلن کا انجیکشن دینا ضروری سمجھا اور کہا "آپ یہ انجیکشن لگائیں گے تو تین ہی دن میں اچھے ہو جائیں گے ورنہ تین مہینے لگ جائیں گے۔" گاندھی جی نے کہا "تو ٹھیک ہے، مجھے کون سی جلدی ہے۔ "ڈاکٹر نے اصرار کے طور پر کہا "اور جو اس بیماری کے جراثیم آپ پھیلا دیں گے" گاندھی جی نے خوش طبعی سے کہا "تب تو آپ یہ انجیکشن اور سبھوں کو لگا دیجیے۔

مولانا محمد علی جوہر:

شملہ کی دعوت میں جہاں سب اونچے اور سرکاری طبقے کے افراد موجود تھے، مولانا محمد علی جوہر بھی اپنے فقیرانہ لباس میں وہاں موجود تھے، گفتگو اردو زبان میں ہو رہی تھی، کسی بات پر الجھ کر مولانا نے انگریزی میں بولنا شروع کر دیا، اب کون ان کے سامنے ٹکتا۔ وہاں ایک ہندو رانی بھی موجود تھیں، ان سے نہ رہا گیا، ایک مولوی کو یوں فَرفَر انگریزی بولتے دیکھ کر پوچھ بیٹھیں۔

"مولانا! آپ نے اتنی اچھی انگریزی کہاں سے سیکھی ہے۔ "

مولانا نے جواب دیا "میں نے یہ انگریزی ایک معمولی سے قصبے میں سیکھی ہے؟

رانی نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا "کیا نام ہے اس قصبے کا۔"

مولانا نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ "آکسفورڈ"

مولانا کے اس جواب پر ساری محفل زعفران زار بن گئی۔

سرسید احمد خاں:

سرسید ایک بار ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ ان ہی کے ڈبے میں ہائی کورٹ کا ایک جج بھی سفر کر رہا تھا۔ کسی بات پر دونوں کی آپس میں تکرار ہو گئی۔ بات تو تو میں میں تک پہنچی اور جج نے کہا معلوم ہے میں کون ہوں۔ میں ہائی کورٹ کا جج ہوں۔ اس پر سرسید نے کہا کہ "میں جج کا باپ ہوں۔" (سرسید کے بڑے بیٹے سید محمود جج تھے)

مشکل الفاظ:

روشن پہلو	نمایاں اچھے پہلو	Bright aspects
قابل ذکر	اہم، توجہ کے لائق	Worth mentioning
قائل	یقین رکھنے والا	Believer
قدرتی طریقے	فطری طریقے، بغیر دوا کے علاج	Natural methods
پینسلن	ایک قسم کی دوا (انٹی بائیوٹک)	Penicillin (antibiotic)
جراثیم	بیماری پیدا کرنے والے ننھے جاندار	Germs
اصرار	زور دینا، بار بار کہنا	Insistence
خوش طبعی	خوش مزاجی، ہنسی مذاق	Good humor, Wittiness
فقیرانہ لباس	سادہ اور غریبوں جیسا لباس	Humble attire
اونچے	انگریزی افسران کی جماعت	English officials
زعفران زار	ہنسی مذاق کی کیفیت	Place filled with laughter
تو تو میں میں	جھگڑے کی حالت، تیز کلامی	Heated argument

4.2.3 اکبر بیربل کے لطیفے:

بیربل اکبر کے نورتنوں میں سے ایک تھے۔ وہ بڑا عقل مند اور حاضر جواب تھا۔ اکبر ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور بیربل کی حاضر دماغی کی وجہ سے دربار کا ماحول اچھا رہتا تھا۔ اکبر اور بیربل سے منسوب بہت سے لطیفے ہیں جن میں سے ہم چند کا مطالعہ کریں گے۔

دائرہ اپنے آپ چھوٹا ہو گیا:

"اکبر اس چکر میں تو ہمیشہ ہی رہتے تھے کسی طرح بیربل کو لاجواب کریں اور پھر ایسا چپ کریں کہ کوئی جواب نہ دیں پڑے۔ اسی لئے جب راج پاٹ کے کاموں سے ذرا فرصت ملتی تو اُسی دھُن میں لگ جاتے اور کوئی ایسی ترکیب سوچتے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے ایک بات سوجھ گئی۔ خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے کہ چلو آج دیکھتے ہیں بیربل کو، بڑا سمجھ دار بنتا ہے، اس خیال کا آنا تھا کہ بس اُنھوں نے

بیر بل کو بلا بھیجا۔ بیر بل بادشاہ کی عادت سے واقف تو تھے ہی، سمجھ گئے کہ ضرور بادشاہ کو کوئی نئی چال سوجھی ہے۔ بس وہ بھی تیار ہو کر بادشاہ کے سامنے پہنچے۔

دیکھا تو اکبر ایک دائرہ بنائے بیٹھے ہیں۔ کچھ درباری بھی کھڑے ہوئے دماغ پر زور ڈال رہے ہیں۔ اکبر کہتے ہیں کہ اس دائرے کو چھوٹا کر دو، مگر شرط یہ ہے کہ دائرہ پر ہاتھ نہ لگے۔ اس کو چھوئے بغیر چھوٹا کرو تو بات ہے۔ کسی کو سمجھ میں نہ آیا کہ یہ دائرہ بغیر مٹائے اور چھوٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اکبر سب کو پریشان دیکھ کر مونچھوں پر تاؤ دے رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ آخر سب نے ایک زبان ہو کر کہا –

"جہاں پناہ! یہ ناممکن ہے کہ دائرہ بغیر ہاتھ لگائے چھوٹا ہو جائے۔"

اب بادشاہ نے بیر بل کو دیکھا اور بولے "تم کیوں الگ تھلگ کھڑے ہو، تم کو اسی لیے تو بلایا ہے، بڑے چالاک بنتے ہو، اسے چھوٹا کر دو تو جانیں۔"

بیر بل بادشاہ کی بات سن کر مسکرائے اور بولے "جہاں پناہ! یہ کون سی مشکل بات ہے، لیجیے یہ دائرہ ابھی آپ کے دیکھتے دیکھتے چھوٹا ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر بیر بل نے اُسی دائرے کے پاس اس سے بڑا ایک دائرہ بنایا اور کہا: "جہاں پناہ! لیجیے آپ کا دائرہ چھوٹا ہو گیا۔' یہ دیکھ کر سب لوگ حیرت میں پڑ گئے اور بادشاہ بھی بہت خوش ہوا۔ بیر بل کو بہت انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔"

ہتھیلی پر بال:

ایک دن بیر بل دربار میں چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک اکبر کے دماغ میں ایک بات سوجھی اور انہوں نے سوچا کیوں نہ بیر بل سے ہی تھوڑی دیر کے لیے لطف لیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے بیر بل سے ایک سوال پوچھا۔ "بیر بل! یہ بتاؤ کہ میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہے؟"

بیر بل نے کہا: "جہاں پناہ! یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ صاف بات ہے۔ آپ ہمیشہ فراخ دلی سے روپیہ خرچ کرتے ہیں، ضرورت مند کو خیرات دیتے ہیں، عالموں کو انعام و اکرام دیتے ہیں۔ اس لیے آپ کی ہتھیلی پر روپیہ کے گھسنے کی وجہ سے بال نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

بادشاہ ذہین تو تھے ہی، اُس نے کہا: "نہیں بیر بل! کوئی بات ہے۔ آخر تمہاری ہتھیلی پر بھی تو بال نہیں ہے، اُس کی کیا وجہ ہے؟"

بیر بل نے جواب دیا: "اُس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے۔ جب آپ انعام و اکرام دیتے ہیں، تو انعام لینے کے لیے ان ہی ہتھیلیوں کو استعمال کرتا ہوں۔"

مگر بادشاہ یہ جواب سن کر بھی کہاں چپ ہونے والے تھے، فوراً ایک تیسرا سوال پوچھا: "اچھا اگر تمہاری یہ بات مان لی تو ٹھیک ہے لیکن پھر یہ بتاؤ کہ جن کو نہ میں خیرات دیتا ہوں اور نہ انعام و اکرام، اُن کی ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟"

بیر بل نے بڑے اطمینان سے کہا: "حضور! یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ دوسروں کو روپیہ ملتے دیکھ کر وہ لوگ جلن کے مارے اپنے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے بھی بال نہیں نکل سکتے۔"

اب تو بادشاہ لاجواب ہو گئے۔ داد و تحسین دی اور بیر بل کو انعام دیا۔

جو روشنی میں نظر نہ آئے؟:

ایک دن بادشاہ نے بہت سوچ سمجھ کر بیر بل سے ایک سوال پوچھا۔ کہنے لگے بیر بل! بھلا بتاؤ تو کوئی ایسی چیز جو سورج کی روشنی میں بھی نظر نہ آئے۔"

بیر بل نے مسکراتے ہوئے فوراً جواب دیا "جی ہاں، جہاں پناہ! آپ کتنا ہی تلاش کیجئے لیکن آپ کو دن کی روشنی میں کہیں اندھیرا نظر نہ آئے گا۔

بادشاہ یہ جواب سن کر بے حد خوش ہوئے۔

کون عقل مند ہے:

اکبر کے دربار کے سبھی لوگ بیر بل سے جلنے لگے اور کیوں نہ جلتے آخر بادشاہ بیر بل سے محبت بھی تو کتنی کرتا تھا۔ ایک دن بیر بل کی طبیعت خراب ہوئی۔ بادشاہ بہت اداس بیٹھا ہوا تھا۔ تمام درباری وجہ سمجھ گئے کہ آج بیر بل کے نہ آنے کی وجہ سے بادشاہ اُداس ہیں۔ ایک درباری نے کہا" جہاں پناہ! بیر بل میں ایسی، کون سی بات ہے جو ہے جو ہم میں نہیں۔ کبھی ہم کو بھی تو اپنی عقل مندی کا ثبوت دینے کا موقع دیجیے۔

اکبر نے ٹالنے کے لئے کہا" بھائی مجھے تمہارے اوپر بھروسہ نہیں ہے اس لئے میں تمہارا امتحان لینا نہیں چاہتا۔"

لیکن درباریوں نے کہا کہ " آپ ہماری عقل کا امتحان لیجئے اگر ہم اس میں پورے نہ اتریں تو پھر جو جی چاہے کہئے گا۔"

جب بادشاہ نے یہ دیکھا کہ آج یہ لوگ ایسے نہ مانیں گے تو اُس نے ڈھائی گز کا ایک کپڑا منگایا۔ جب کپڑا آ گیا تو بادشاہ نے کہا۔ اب میں بستر پر لیٹا جاتا ہوں، تم میرا سارا جسم اس کپڑے سے ڈھک دو۔"

اب ہر ایک نے اس کپڑے سے اکبر کے جسم کو ڈھکنے کی کوشش کی۔ مگر ڈھائی گز کا کپڑا اتنا کیسے ہو سکتا تھا کہ سارا جسم ڈھک سکے۔ وہ نہ ڈھک سکے۔ وہ سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر عاجز آ کر انھوں نے بادشاہ سے معافی مانگی کہ یہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔

اب بادشاہ نے حکم دیا کہ بیر بل کو فوراً لایا جائے۔ وہ جس عالم میں ہوں ان کو پالکی پر لے آیا جائے۔ جب بیر بل آئے تو اکبر نے ان کو ساری بات بتائی اور کہا کہ "اب تم ذرا اس ڈھائی گز کے کپڑے سے میرے سارے جسم کو ڈھک دو۔"

بیر بل نے چادر اُٹھائی اور بادشاہ کے پاؤں دہرے کئے، چادر ڈال دی، اب پاؤں کے سکڑنے سے سارا جسم ڈھک گیا نہ تو سر ہی کھلا اور نہ پاؤں۔

بادشاہ نے کہا" مگر تم نے میرے پاؤں کیوں دہرے کر دئے؟ بیر بل نے کہا، جہاں پناہ! ہمارے یہاں ایک مثل ہے کہ ہمیشہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہئے۔ اسی لئے میں نے آپ کے پاؤں چادر کو دیکھتے ہوئے سکڑ دیے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور درباری لاجواب ہو گئے۔

کوؤں کی تعداد:

ایک دن بادشاہ نے بیر بل سے کہا کہ "بیر بل ذرا تم دلی شہر کے کوؤں کی صحیح تعداد تو بتاؤ"

بیر بل نے فوراً جواب دیا جہاں پناہ! مجھے پہلے ہی سے اس کا علم ہے۔ دلی شہر میں کل 60552 کوئے ہیں۔

بادشاہ بھی یہ سن کر حیران رہ گئے اور بولے کہ اگر تعداد کم زیادہ ہوگئی تو تمہاری کیا سزا ہوگی۔

بیر بل نے کہا کوئی بات نہیں جہاں پناہ! اگر ان کی تعداد بڑھ جائے تو سمجھ جایئے کہ ان کے عزیز اور رشتے دار دور دراز ملکوں سے آئے ہیں اور سیر کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر تعداد گھٹ جائے تو سمجھ لیجے کہ کچھ کوا اپنے کسی رشتے دار کے یہاں چلے گئے ہیں۔

یہ جواب سن کر بادشاہ بے حد خوش ہوا۔

تاروں کی تعداد:

ایک دن بیٹھے بیٹھے بادشاہ نے بیر بل سے پوچھا۔ بیر بل !

ذرا یہ تو بتاؤ کہ آسمان پر کل ملا کر کتنے تارے ہیں۔ سوال بڑا ٹیڑھا تھا سب کی نظر بیر بل پر پڑی کہ دیکھیں بیر بل کیا جواب دیتا ہے۔ بیر بل نے کہا کہ "جتنے میرے سر میں بال ہیں اس سے تارے پچیس کی تعداد میں زیادہ ہیں۔"

بادشاہ نے کہا کہ "میرے سمجھ میں نہیں آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس کو کیسے جانچا جائے۔

بیر ل نے کہا کہ بہت آسان ہے۔ ایک طرف سے تارے گنتے چلئے۔ ایک تارا گن لیجئے اور میرا بال توڑ دیجئے، پھر دوسرا تارا گنئے تو دوسرا بال توڑیے اس طرح گنتے چلے جایئے ۔ آپ دیکھیں گے کہ پچیس تارے زیادہ بچ گئے۔

یہ جواب سن کر بادشاہ لاجواب ہوگئے۔

بیر بل ایران میں:

ہندستان میں تو خیر سب ہی بیر بل کو جانتے تھے لیکن ہوتے ہوتے اس کی شہرت ہندستان کے باہر بھی پہنچ گئی۔ ایران کے بادشاہ نے جب اس کی عقل مندی کا چرچا سنا تو اُس نے اکبر اعظم کو ایک خط لکھا جس میں بیر بل کو ایران آنے کی دعوت دی۔ اکبر اس دعوت نامے سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے بیر بل کو ایران روانہ کر دیا۔ دارالسلطنت پہنچتے ہی بیر یل نے شاہ کو اپنے آنے کی اطلاع پہونچادی۔

بادشاہ تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے اور اس کی ذہانت اور عقل مندی کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے تمام درباریوں سے کہا کہ وہ سب شاہی لباس پہن لیں تاکہ جب بیر بل دربار میں داخل ہو، تو اس کے لیے اصل بادشاہ کا پہچاننا ممکن ہو جائے۔ جب سب لوگ اس طرح شاہی لباس میں بیٹھ گئے تو بیر بل کو دربار میں بلایا گیا۔ جیسے ہی بیر بل دربار میں داخل ہوئے وہ سمجھ گئے کہ بادشاہ نے میرا امتحان لینے کے لئے یہ ترکیب کی ہے۔ بیر بل ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اُس نے بادشاہ کی طرف قدم بڑھائے اور قریب پہنچ کر سلامی دی۔

بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بیر بل نے اُسے کیسے پہچانا۔ اس نے بیر بل سے پوچھا کہ تم نے مجھے کیسے پہچانا۔"

بیر بل نے کہا" جہاں پناہ! یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ سارے دربار کی نگاہیں آپ کی طرف ہیں اور آپ سب کو یکساں طور پر دیکھ رہے ہیں۔ "

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور بیربل کی ذہانت اور عقل مندی کا قائل ہو گیا۔

مشکل الفاظ:

دائرہ	گول شکل / حلقہ	Circle
ترکیب	چالاکی سے سوچی گئی تدبیر	Trick / Strategy
لاجواب	جس کا کوئی جواب نہ ہو	Unanswerable / Speechless
مونچھوں پر تاؤ دینا	فخر سے مونچھیں مروڑنا	Twirl moustache in pride
انعام و اکرام	انعامات اور اعزازات	Rewards and honors
فراخ دلی	کھلے دل سے سخاوت	Generosity
خیرات	محتاجوں کو دیا گیا صدقہ	Charity
تعجب	حیرت	Amazement / Surprised
لطف لینا	مزاح کرنا / مذاق کرنا	Have fun / Tease playfully
عالم	عالمِ دین / پڑھا لکھا شخص	Scholar
داد و تحسین	تعریف و ستائش	Praise and applause
مثل	کہاوت / کہا گیا جملہ	Proverb
پاؤں دہرے کرنا	پاؤں موڑنا / سکیڑنا	Fold legs
عاجز آنا	بے بس ہو جانا	To become helpless
چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا	اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنا	Cut your coat according to your cloth
ٹیڑھا سوال	مشکل یا چالاکی سے کیا گیا سوال	Tricky question
شہرت	ناموری / پہچان	Fame
دارالسلطنت	بادشاہ کا مرکزی شہر / حکومت کا مرکز	Capital city
اطلاع دینا	خبر دینا	To inform
سلامی دینا	آداب بجالانا	To salute
قائل ہونا	مان لینا / تسلیم کرنا	To be convinced

4.3 پہیلیاں

"معمایا چیستاں میں لفظوں کا کھیل ہوتا ہے۔ جبکہ پہیلی معنوی پیچیدگی پر مشتمل ہوتی ہے۔ شعر میں کچھ ایسے معنی یا ایسا خیال مضمر ہوتا

ہے جو بظاہر لفظی ترتیب سے سمجھ میں نہ آئے۔ لفظوں میں کچھ ایسے اشارے ہوتے ہیں جن کی تفہیم سے پہیلی کا حل حاصل ہو جاتا ہے۔"

(درس بلاغت)

نثر اور نظم دونوں میں ہی پہیلیاں کہی جاتی ہیں۔ اس میں فکر کے گھوڑے دوڑانے پڑتے ہیں۔ موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ پہیلی اور کہاوت میں فرق یہ ہوتا ہے کہ کہاوتیں عام طور ایک جملے یا چند الفاظ میں پوری ہو جاتی ہیں جبکہ پہیلی شعر یا مصرعے میں ہی ہوتی ہے۔

پہیلی کا تذکرہ خسرو کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ خسرو کو پہیلیوں کا بھی بہت شوق تھا اور انہوں نے کئی مشہور پہیلیاں تخلیق کیں جو عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔ ان کی پہیلیاں نہ صرف تفریحی تھیں بلکہ ذہنی چیلنج بھی پیش کرتی تھیں، جو لوگوں کو سوچنے پر مجبور کرتی تھیں۔ ان کی پہیلیوں میں روزمرہ کی زندگی کے عناصر کو دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ پہیلیاں آج بھی اُردو ادب کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ ذیل میں کچھ پہیلیاں اور ان کے جواب لکھے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ پہیلیاں امیر خسرو کی بھی ہیں۔

پہیلی		جواب
بوجھ پہیلی سکھی سیانی	آدھا پھول اور آدھا پانی	گلاب
ایک چیز ایسی کہلائے	ہر مذہب کا آدمی کھائے	قسم
ادھر ادھر سے آؤں جاؤں	ہرے بھرے میں کاٹے جاؤں	آری
نیلی چادر میں چاول بندھے	دن کو غائب رات کو ملے	ستارے
ذرا سی پھدکتی پھدکتی جائے	نو سو انڈے دیتی جائے	سوئی
دھوپ لگے سوکھے نہیں چھاؤں لگے کمھلائے	نرالی اس کی بات ہے ہو لگے مر جائے	پسینہ
پیدا ہو جائے وہاں، جہاں ہو آگ یا دھوپ	ہوا تو اس کی موت ہے، جیون گرمی دھوپ	پسینہ
ہری ڈبیا سفید دانے	اس میں بیٹھے حبشی دیوانے	شریفہ (پھل)
ایک جگہ پر بانس بریلی، ایک جگہ پہ کنواں	ایک جگہ پہ آگ لگی اور ایک جگہ پہ دھواں	حقہ
ایک جانور ایسا جس کی دُم پر پیسا	سر پر ہے تاج بھی بادشاہ کے جیسا	مور
پاؤں بیڑی، طوق گردن، کمر میں زنجیر ہے	دن کو بچھڑے رات ملے عشق دامن گیر ہے	دروازہ
سرپٹ میں پر چال میں نہیں	سرگرم میں پر تال میں نہیں	س
سامنے آئے کر دے دو	مارا جائے نہ زخمی ہو	آئینہ
گول گول چکری گلی گلی میں رس	اس کا نام بتاؤ تو روپے دوں گا دس	جلیبی
لال ڈبیا پیلے خانے	اندر دکھے یاقوت کے دانے	انار
ہری تھی من بھری تھی لاکھ موتی جڑی تھی	راجہ جی کے باغ میں دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی	بھٹہ (مکئی)
پانی ماں اور پانی باپ	اس کا اشارہ بوجھیں آپ	بھاپ

چمڑہ گوشت اس کے نہیں ہڈی ہڈی میں چھید تَل اوپر دو ہیں بھائی ان کا ہے یہ کام	پھر اس میں جان کیسے رہے یہ بتلاؤ بھید لڑیں بھڑیں آپس میں دونوں مل کر کریں کلام	پنجرہ ہونٹ(لب)
چھوٹے بڑے سبھی کو بھائے گول مٹول، رنگ ہے پیلا	بوجھ سکے تو بوجھ پیٹ میں داڑھی مونچھ	آم
چاند پور سے چل کر آئی ہاتھرس میں ہوا انصاف	کان پور میں پکڑی گئی ناخن پُر میں ماری گئی	جوں
دم لمبی لنگور نہیں سر کلغی مرغا نہیں	نیل کنٹھ نہیں مور چار پاؤں میں ڈھور	گرگٹ
ہم نے دیکھا عجیب اک بندہ دھوپ میں ذرا نہیں گھبراتا	سورج کے سامنے رہتا ٹھنڈا سورج کی طرف الٹ جاتا	سورج مکھی
ہے وہ بے جان اور بولے ہے اس کی آواز گھر کبوتر کا	مہر خاموشی لب سے کھولے ہے مے کشوں کو ہے اس سے ربط بڑا	صراحی
نٹ چڑھے بانس بڑھے اے سکھی میں تجھ سے پوچھوں	اترت میں گھٹ جائے نٹ ہی بانس کو کھائے	مکڑی
ناری ایک دھنی کے ہاتھ کالا منہ اور نام اچھا لے	کبھی نہ چھوٹے اس کا ساتھ پھر دنیا میں نام چلائے	مہر
مارے سے وہ جی اٹھے بن پاؤں جگ میں پھرے	بن مارے مر جائے ہاتھوں ہاتھ بجائے	ڈھول
لگائے تو لاج لگے دھن دھن ان کے بھاگ لگے	بنا لگائے بنے نہیں جن کے کبھی لگے نہیں	پیوند
کھاتے ہیں سب اس کو لیکن لوگ کھلاتے بھی ہیں لیکن	سواد نہ کوئی بتا سکا اسے نہ کوئی چکھا سکا	قسم
کالی ماں گورے پوت بھائی کو بھائی سے لاگ	ان دونوں کے نئے کرتوت ایک سے ٹھنڈا دوسرا آگ	چاند سورج

سو من کا وہ بوجھ اٹھائے جو کوئی یہ پہیلی بتائے	دو انگل کا لڑکا وہ بندو ہے ہر کا	تسبیح
جب وہ سر پر آگ جلائے سر میں ہوں پر بال نہیں	جو دیکھے سب کے من بھائے بیسن میں پر دال نہیں	دیا
بالا تھا جب سب کو بھایا خسرو کہہ دیا اُس کا نام	بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا ارتھ کہو نہیں چھوڑو گاؤں	دیا
ایک تھال موتی سے بھرا چاروں اور وہ تھالی پھرے	سب کے سر پر اُوندھا دھرا موتی اُس سے ایک نہ گرے	آسمان

مشکل الفاظ:

معما	عقدہ، الجھن، پر سرار بات	Riddle, puzzle
چیستاں	پہیلی، سوال جو غور و فکر سے حل ہو	Riddle, enigmatic question
معنوی	معنی سے متعلق، مفہوم کا	Semantic, related to meaning
مضمر	چھپا ہوا، پوشیدہ	Hidden, implicit
تفہیم	سمجھنا، ادراک	Understanding, comprehension
ذہنی چیلنج	عقل یا فہم کو للکارنے والا کام	Mental challenge
عناصر	اجزا، چیزیں	Elements, components
سکھی سیانی	عقلمند عورت	Wise woman
کمھلانا	مرجھانا	To wither
شریفہ	ایک پھل (ساپوڈِیلا)	Custard apple
طوق	گردن کا لوہے کا گولہ یا ہار	Iron collar, shackle
سرپٹ	بہت تیز دوڑنا	Galloping, fast running
چکری	چکر دار چیز، پہیہ جیسی	Spinner, whirl-like object
ڈبیا	چھوٹا ڈبہ	Small box
چمڑہ	کھال	Skin

پنجرہ	قفس	Cage
سواد	مزہ، ذائقہ	Taste, flavor
کرتوت	حرکتیں، چالاکیاں	Deeds, tricks
تسبیح	ذکر کرنے کا موتیوں کا ہار	Prayer beads, rosary
صراحی	پانی یا شراب رکھنے کا برتن	Flask, decanter
پیوند	کپڑے کی رفو یا جوڑ	Patch, stitch
یاقوت	قیمتی پتھر	Ruby
دوشالہ	چادر	Shawl
جوں	سر میں پڑنے والا کیڑا	Louse
کلغی	سر پر پر، تاج نما زینت	Crest, plume
مہر خاموشی	خاموشی کا اشارہ یا علامت	Sign of silence
ارتھ	مطلب، معنی	Meaning

4.4 مشقیں

مشق 1: ذیل میں دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ واسطے ....

2۔ مشہور ....

3۔ ریل گاڑی ....

4۔ لطیفہ ....

5۔ کہانی ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے محاوروں کا مطلب بیان کیجیے۔

1۔ اللہ اللہ کرنا ....

2۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا ....

3۔ آدھا مسلمان ہونا ....

4۔ مونچھوں پر تاؤ دینا ....

5۔ محفل زعفران زار بن ہونا ....

مشق 3: ذیل میں دیے گئے الفاظ میں مذکر اور مؤنث کی پہچان کیجیے

1۔ بادشاہ ....

2۔ صراحی ....

3۔ پنجرہ ....

4۔ پہیلی ....

5۔ غریبی ....

مشق 4: ذیل میں دی گئی خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ ایک دن بادشاہ اکبر نے بہت سوچ سمجھ کر................سے ایک سوال پوچھا۔

2۔ ایک شام مرزا کو.......................نہ ملی تو نماز پڑھنے چلے گئے۔

3۔ جب مرزا................سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے۔

4۔ ان ہی کے ڈبے میں ہائی کورٹ کا ایک................. بھی سفر کر رہا تھا۔

5۔ خسرو کو پہیلیوں کا بھی بہت شوق تھا اور انہوں نے کئی مشہور.................. تخلیق کیں۔

مشق 5: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مرزا غالب شراب کی بوتل کی دعا کرنے کے لیے مسجد میں گئے تھے۔

2۔ غالب کے مطابق بندر آم نہیں کھاتے۔

3۔ بیربل نے اکبر سے کہا کہ میں انعام لینے میں ہتھیلیوں کا استعمال کرتا ہوں اس لیے ہتھیلی پر بال نہیں رہتے۔

4۔ پہیلی کے مطابق قسم ہر مذہب کا آدمی کھاتا ہے۔

5۔ 'سکھی سیانی' سے مراد بے وقوف عورت ہے۔

4.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- لطیفہ ایک ایسا خوبصورت اندازِ بیان ہے جس کا مقصد ہنسی پیدا کرنا ہوتا ہے۔
- پرانے زمانے میں حقیقی کہانیوں میں پیغمبروں کی سیرت اور واقعات کربلا قصے کہانی کی صورت میں سنائے جاتے۔ کہانیوں کے علاوہ

پہیلیاں سننے کا بھی رواج تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مقبول امیر خسرو کی پہیلیاں ہوتی تھیں۔

- غالب نے اردو نثر کے میدان میں مختلف کارنامے انجام دیے۔ اس میں ایک اہم کارنامہ ان کے خطوط ہیں۔ ان خطوط میں غالب کی ظرافت کے نمونے جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ ان خطوط میں غالب نے اپنا بھی مذاق اڑایا ہے۔
- 'ادیبوں کے لطیفے' کے مرتب نارنگ ساقی نے ایک ماہنامہ 'ساقی' جاری کیا تھا۔ اس کتاب میں شامل ادیبوں میں اردو کے بڑے شعرا اور ادبا کے لطیفوں کو شامل کیا گیا ہے۔
- اکبر اور بیربل سے منسوب بہت سے لطیفے ہم سب بچپن سے سنتے آئے ہیں۔ ان میں بیربل کی عقل مندی اور حاضر جوابی کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ لطیفے فرضی ہیں لیکن صرف اس وجہ سے ان کے مزاحیہ پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
- پہیلی ایک معمہ ہوتی ہے جس میں کسی بات کو اشارے کنائے کے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے کے زمانے میں جب رات کے خالی وقت میں وقت گزاری کا ذریعہ نہیں تھا تو لوگ ایک دوسرے سے پہیلیاں بوجھتے تھے۔

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.6.1 معروضی سوالات:

1۔ ذیل کے شعرا میں خسرو کے علاوہ کس نے پہیلی میں طبع آزمائی کی؟

(a)اقبال (b)میر تقی میر (c)میر درد (d)انشا

2۔ بیربل کے بالوں کی تعداد آسمان کے تاروں سے کتنی زیادہ ہے؟

(a)دس (b)پندرہ (c)بیس (d)پچیس

3۔ مرزا غالب نے کس کو سودائی کہا؟

(a)دبیرؔ (b)ذوقؔ (c)ولیؔ (d)میرؔ

4۔ "چمڑہ گوشت اس کے نہیں، ہڈی ہڈی میں چھید" — یہ پہیلی کس سے متعلق ہے؟

(a)پنجرہ (b)آدمی (c)گرگٹ (d) چھلنی

5۔ "ہری ڈبیا سفید دانے" کس کی پہیلی ہے؟

(a)شریفہ (b)انار (c)مکئی (d)غبارہ

6۔ غالب کے مطابق گدھے کون سا پھل نہیں کھاتے؟

(a)بکری (b)گائے (c)گدھا (d)بیل

7۔ "کالی ماں گورے پوت" کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟

(a)انار (b)شریفہ (c)دانت (d)سورج اور چاند

8۔ 'ادیبوں کے لطیفے' کا مرتب کون ہے؟

(a) ساقی فاروقی (b) گوپی چند نارنگ (c) شمس الرحمن فاروقی (d) نارنگ ساقی

9۔ مولانا محمد علی جوہر کس شہر میں خطاب کر رہے تھے؟

(a) شملہ (b) مسوری (c) اوٹی (d) کشمیر

10۔ وہ کون سی چیز ہے جو "سورج کے سامنے رہتی ہے مگر ٹھنڈی رہتی ہے"؟

(a) آئینہ (b) صراحی (c) سورج مکھی (d) لوہا

4.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ لطیفہ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2۔ مرزا غالب روزے کو کس طرح بہلاتے ہیں؟

3۔ بیربل نے اکبر کے سامنے دائرے کو کس طرح چھوٹا کیا؟

4۔ ایران کا بادشاہ بیربل کی عقل مندی کا قائل کیوں ہوا؟

5۔ 'ادیبوں کے لطیفے' میں مہاتما گاندھی نے انجیکشن نہ لگوانے کا کیا سبب بیان کیا؟

4.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ اکبر اور بیربل کے لطیفوں کی روشنی میں بیربل کی حاضر جوابی کو مثالوں کے ساتھ پیش کیجیے۔

2۔ پہیلی سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اپنی پسند کی کچھ پہیلیوں کو لکھیے اور ان کے جواب بھی دیجیے۔

3۔ اپنا پسندیدہ لطیفہ تحریر کیجیے اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ میں مذکر مؤنث کی پہچان کیجیے۔

4.6.1 کے جوابات:

1-d	2-d	3-b	4-a	5-a
6-c	7-d	8-d	9-a	10-c

بلاک II

اکائی 5: داستان

اقتباس (سیر تیسرے درویش کی، باغ و بہار، میر امن)

اکائی کے اجزا

5.0		تمہید
5.1		مقاصد
5.2		اقتباس (سیر تیسرے درویش کی، باغ و بہار، میر امن)
	5.2.1	میر امن کا تعارف
	5.2.2	داستان " باغ و بہار" سیر تیسرے درویش کی: متن (اقتباس)
	5.2.3	خلاصہ
5.3		اکتسابی نتائج
5.4		مشکل الفاظ
5.5		مشقیں
5.6		نمونۂ امتحانی سوالات

5.0 تمہید

اردو فکشن کی ایک اہم اور سب سے قدیم صنف "داستان" ہے۔ داستان افسانہ اور ناول کے مقابلے کافی طویل ہوتی ہے اور اس میں حقیقی دنیا کے بجائے تخیلاتی دنیا کے موضوعات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس اکائی میں ہم میر امن کی مشہور داستان "باغ و بہار" کے "سیر تیسرے درویش کی" کے منتخب متن کی قرأت کریں گے۔ ساتھ ہی "سیر تیسرے درویش کی" کے خلاصے کا بھی مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- داستان نگار میر امن سے واقف ہو سکیں۔

- داستان "باغ و بہار " سے واقف ہو سکیں۔
- داستان "باغ و بہار "کے "سیر تیسرے درویش کی" کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- داستان" باغ و بہار "کے قصے "سیر تیسرے درویش کی" کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔

5.2 اقتباس (سیر تیسرے درویش کی، باغ و بہار، میر امن)

5.2.1 میر امن کا تعارف:

میر امّن دہلی میں 1748 کے آس پاس پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان شہنشاہ ہمایوں کے زمانے سے عالمگیر ثانی کے عہد تک شاہی منصب داروں میں شامل رہا ہے۔ ان کے پاس اچھی خاصی جاگیر تھی مگر سورج مل جاٹ نے ان کی جاگیر چھین لی، ادھر احمد شاہ درّانی نے اس طرح تباہی مچائی کہ سب کچھ تاراج ہو گیا۔ میر امّن پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ کسی طرح عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے۔ وہاں کچھ برس قیام کیا مگر وہاں بھی حالات نے ساتھ نہیں دیا۔ مجبوراً کلکتہ کا سفر کرنا پڑا۔ وہاں بھی کچھ دن بیکاری میں گزارے۔ اس کے بعد نواب دلاور جنگ نے اپنے چھوٹے بھائی میر کاظم خاں کی اتالیقی پر مامور کر دیا۔ یہاں بھی دو سال کے بعد طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اس کے بعد میر بہادر علی حسینی کے توسط ڈاکٹر جان گل کرسٹ سے شناسائی ہوئی اور میر امن فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو گئے۔ جہاں 4 جون 1806 تک تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔

فورٹ ولیم کالج سے وابستگی کے بعد میر امّن کو پہلا کام قصہ 'چہار درویش' کے اردو ترجمہ کا کام ملا۔ انہوں نے جان گل کرسٹ کی ہدایت کے مطابق ٹھیٹھ ہندوستانی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کیا اور اس کا نام "باغ و بہار" رکھا۔ انہوں نے اس کا اتنا عمدہ ترجمہ کیا کہ کالج کی طرف سے اس پر 500 روپیہ کا انعام دیا گیا۔ انہوں نے عطا حسین خان تحسین کے 'نو طرز مرصع' کو سامنے ضرور رکھا مگر اپنے طور پر اتنی تبدیلیاں کر دیں کہ اصل کتاب گم ہو گئی۔ 'باغ و بہار' میں چار درویشوں کی سرگزشت ہے اور آزاد بخت اس کا مرکزی کردار ہے۔

'باغ وبہار' کے علاوہ 'گنج خوبی' بھی میر امّن کی ترجمہ کی ہوئی کتاب ہے۔ یہ ملا حسین واعظ کاشفی کی 'اخلاق محسنی' کا ترجمہ ہے مگر اسے 'باغ و بہار' جیسی مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔

میر امّن کے سوانحی حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ اس لیے ان کی تاریخ پیدایش کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دیگر احوال بھی نہیں ملتے۔ کہا جاتا ہے کہ 1806 میں میر امّن کا انتقال ہوا۔

5.2.2 داستان" باغ و بہار "کا متن (اقتباس):

('سیر تیسرے درویش کی' سے انتخاب)

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا:

احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سنو

جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھ سے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیان سنو

یہ کمترین بادشاہ زادہ عجم کا ہے۔ میرے ولی نعمت وہاں بادشاہ تھے اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے۔ میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ، گنجفہ، شطرنج، تختہ نرد کھیلا کرتا تھا۔ یا سوار ہو کر سیر و شکار میں مشغول رہتا۔

ایک دن کا ماجرا ہے کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لے کر میدان کی طرف نکلا۔ باز بہری، جرہ، باشا، سرخاب اور تیتروں پر اڑاتا ہوا دور نکل گیا۔ عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی، کوسوں تلک سبز اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی۔ یہ سماں دیکھ کر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیں اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ اس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن اس پر زربفت کا جھول اور بھنور کلی مرصع کی اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے، خاطر جمع سے اس میدان میں کہ، جہاں انسان کا دخل نہیں اور پرندہ پر نہیں مارتا، چرتا پھرتا ہے۔ ہمارے گھوڑوں کی سم کی آواز پا کر چوکنا ہوا اور سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اس کو دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا تم یہیں کھڑے رہو۔ میں اسے جیتا پکڑوں گا۔ خبردار تم قدم آگے نہ بڑھائیو اور میرے پیچھے نہ آئیو۔ اور گھوڑا میری رانوں تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر ان کی کڑ چھالوں کو بھلا کر ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لیے تھے، اس کے عقب دوڑایا۔ وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا لیکن اس کی گرد کو نہ پہنچا، وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا اور میری بھی جیب مارے پیاس کو چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا۔ شام ہونے لگی۔ اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا۔ لاچار ہو کر اسے بھلاوا دیا۔ اور ترکش سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھال کر چلے میں جوڑ کر کشش کان تلک لا کر، ران کو اس کی تاک، اللہ اکبر کہہ کر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اس کے پاؤں میں ترازو ہوا۔ تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا اور پاپیادہ اس کے پیچھے لگا۔ اس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ کئی اتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پاس پہنچا ایک باغیچہ اور ایک چشمہ دیکھا۔ وہ ہرن تو نظر سے چھلاوا ہو گیا۔ میں نہایت تھکا تھا ہاتھ پاؤں دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کی اس برج کے اندر سے میرے کان میں آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے بچے! جس نے تجھے تیر مارا، میری آہ کا تیر اس کے کلیجے میں لگیو۔ وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بنا دے میں یہ سن کر وہاں گیا۔ دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہرن آگے لیٹا ہے۔ اس کی جانگھ سے تیر کھینچتا ہے اور بد دعا دیتا ہے۔

میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔ کہ حضرت سلامت یہ تقصیر نادانستہ اس غلام سے ہوئی۔ میں یہ نہ جانتا تھا خدا کے واسطے معاف کرو۔ بولا کہ بے زبان کو تو نے ستایا ہے، اگر ان جان تجھ سے یہ حرکت ہوئی، اللہ معاف کرے گا، میں پاس جا بیٹھا، اور تیر نکالنے میں شریک ہوا۔ بڑی دقت سے تیر کو نکالا اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا۔ پھر ہاتھ دھو کر اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اس وقت موجود تھی، مجھے کھلائی میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لمبی تانی۔

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا۔ اس نیند میں آواز نوحہ وزاری کی کان میں آئی۔ آنکھیں مل کر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان

میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے۔ اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے، چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا۔ ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا۔ وہاں جا کر اسے اٹھایا۔ دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے۔ اور اس پر ایک پری زاد عورت برس چودہ ایک کی، مہتاب کی صورت، اور زلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئیں، ہنستا چہرہ، فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے اور وہ بزرگ اپنا سر اس کے پاؤں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے، اور ہوش حواس کھو رہا ہے۔ میں اس پیر مرد کا یہ احوال اور اس نازنین کا حسن و جمال دیکھ کر مرجھا گیا اور مردے کی طرح بے جان ہو کر گر پڑا۔ وہ مرد بزرگ میرا یہ حال دیکھ کر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا جب میں جیتا اٹھ کر اس معشوق کے مقابل جا کر سلام کیا، اس نے ہرگز نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا میں نے کہا اے گل بدن اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے؟

واسطے اس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے کچھ تو منہ سے بول۔ ہم بھی اتفاقاً یہاں آ نکلے ہیں۔ مہمان کی خاطر ضرور ہے۔ میں نے بہتیری باتیں بنائیں، لیکن کچھ کام نہ آئیں۔ وہ چپکی بت کی طرح بیٹھی سنا کی۔ تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ پاؤں پر چلایا۔ جب پاؤں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے، اور اس آذر نے اس بت کو بنایا ہے۔ تب اس پیر مرد بت پرست سے پوچھا کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپر امارا۔ تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا۔ تیری دعا قبول ہوئی۔ اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر کر یہ طلسم کیوں بنایا ہے۔ اور تو بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسیا ہے۔ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ۔

جب اس کا بہت پیچھا لیا تب اس نے جواب دیا کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سن کر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ میں نے کہا لو اب بہت مکر چکر کیا۔ مطلب کی بات کہو۔ نہیں تو مار ڈالوں گا۔ مجھے نہایت درپے دیکھ کر بولا۔ اے جوان حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے۔ دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں۔ عشق ہی کے مارے عورت خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہے اور اپنی جان کھوتی ہے۔ اور فرہاد مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے۔ تو اس کے سننے سے کیا پھل پاوے گا؟ ناحق گھر بار، دولت دنیا چھوڑ کر نکل جاوے گا؟ میں نے جواب دیا بس اپنی دوستی تہہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو۔ لاچار ہو کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے کہ بندے کا نام نعمان سیاح ہے، میں بڑا سوداگر تھا۔ اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سیر کی اور سب بادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی۔ ایک بار یہ خیال جی میں آیا کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا، لیکن جزیرہ فرنگ کی طرف نہ گیا اور وہاں کے بادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا اور رسم و راہ وہاں کی کچھ نہ دریافت ہوئی۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیے۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لے کر ارادہ مصمم کیا۔ اور تحفہ ہدیہ جہاں تہاں کا جو وہاں کے لائق تھا لیا۔ اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ ہوا جو موافق پائی، کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہوا۔ ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئیں اور چھڑکاؤ کیا ہوا۔ صفائی ایسی کہ تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا کوڑے کا تو کیا ذکر ہے۔ اور عمارتیں رنگ برنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بقدم روشنی اور شہر کے باہر باغات جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے، جو وہاں کی تعریف کروں سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا۔ ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہو کر اور کئی خدمت گار ساتھ لے کر قافلے میں آیا۔ اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کونسا ہے؟ سبھوں نے میری طرف اشارت کی۔ وہ محلی میرے مکان میں آیا۔ میں تعظیم بجالایا، باہم سلام علیک ہوئی۔ اس کو سوزنی پر بٹھایا۔ تکیے کی تواضع کی۔ بعد اس کے میں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمایئے۔

جواب دیا کہ شہزادی سے سنا ہے سوداگر آئے ہیں اور بہت جنس لائے ہیں، لہٰذا مجھ کو حکم دیا کہ جاکر ان کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق بادشاہوں کی سرکار کے ہو، ساتھ لے چلو اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو۔

میں نے جواب دیا کہ آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں۔ کل جان و مال سے حاضر ہوں گا۔ جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے، نذر گزرانوں گا۔ جو پسند آوے، مال سرکار کا ہے یہ وعدہ کر کر عطر پان دے کر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلا کر جو جو تحفہ جس کے پاس تھا، لے لے کر جمع کیا۔ اور جو میرے گھر میں تھا وہ بھی لیا۔ اور صبح کے وقت دروازے پر بادشاہی محل کے حاضر ہوا۔

بارے دوران نے میری خبر عرض کی۔ حکم ہوا کہ حضور میں لاؤ۔ وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لے کر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پرسے ہو کر ایک مکان عالی شان میں لے گیا۔ اے عزیز! تو باور نہ کرے گا، یہ عالم نظر آیا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی۔ پاؤں زمیں سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا روبرو پہنچا۔ جو نہیں بادشاہ زادی پر نظر پڑی۔ غش کی نوبت ہوئی اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گیا۔ بہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دست راست اور دست چپ، صف بہ صف نازنینان پری چہرہ، دست بست کھڑی تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواہر اور پارچہ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، پیش کیا۔ جب کئی کشتیاں حضور میں چنی گئیں، از بس کہ سب جنس لائق پسند کی تھی، خوش ہو کر خانساماں کے حوالے ہوئی اور فرمایا کہ قیمت اس کی بموجب فرد کے کل دی جاوے گی۔ میں تسلیمات بجالایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہو گا۔ جب رخصت ہو کر باہر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ سدے نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا، لیکن حواس بجانہ تھے۔ سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ میں نے کہا اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ پر چڑھ گئی ہے۔

غرض وہ رات تلملتے کاٹی۔ فجر کو پھر جاکر حاضر ہوا اور اسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا۔ وہی عالم جو کل دیکھا تھا۔ بادشاہ زادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا۔ جب پر چھا ہوا۔ خلوت میں اٹھ گئیں اور مجھے طلب کی۔ جب میں وہاں گیا، بیٹھنے کا حکم کیا۔ میں بھی آداب بجالا کر بیٹھا۔ فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا، اس میں منافع کتنا منظور ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ سو خدا نے میسر کی، اب میں نے سب کچھ بھر پایا۔ اور دونوں جہاں کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور قیمت کچھ فہرست میں ہے، نصف کی خرید ہے اور نصف نفع ہے۔ فرمایا نہیں جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہو گی، بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا بشر طیکہ ایک کام تجھ سے ہو سکے تو حکم کروں۔ میں نے کہا کہ غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی ی سمجھوں اور آنکھوں سے کروں۔ یہ سن کر قلم دان یاد فرمایا۔ ایک شقہ لکھا اور موتیوں کے درمیان میں رکھ کر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اتار دی اور کہا کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے۔ دل کشا اس کا نام ہے۔ وہاں تو جاکر ایک شخص کے خسرو نام داروغہ ہے، اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجئو، اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعہ کا جواب مانگیو۔ لیکن جلد آئیو۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پییو۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دوں گی کہ تو دیکھے گا۔ میں رخصت ہوا۔ اور پوچھتا پوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے جب گیا، وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا، ایک عزیز مسلح مجھ کو پکڑ کر دروازے میں باغ کے لے گیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی صورت، سونے کی کرسی پر زرہ داؤدی پہنے، چار آئینہ باندھے فولادی خود سر پر دھرے، نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے اور پانچ سو جوان تیار ڈھال تلوار ہاتھ میں لیے اور ترکش کمان باندھے مستعد پرا باندھے کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کیا، مجھے نزدیک بلایا۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کر کر وہ رومال دکھایا۔ اور شقے کے بھی لانے کا احوال کہا۔ اس نے سنتے ہی انگلی دانتوں سے کاٹی اور سر دھن کر بولا کہ شاید تیری اجل تجھ کو لے کر آئی ہے۔ خیر باغ کے اندر جا، سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرا لٹکتا ہے اس میں ایک جوان قید ہے۔ اس کو یہ خط دے

کر جواب لے کر جلدی پھر آ۔ میں شتاب باغ میں گھسا۔ باغ کیا تھا، گویا جیتے جی بہشت میں گیا۔ ایک پر ایک چمن رنگ بہ رنگ کا پھول رہا تھا اور فوارے چھوٹ رہے تھے۔ جانور چہچہے مار رہے تھے۔ میں سیدھا چلا گیا اور اس درخت میں وہ قفس دیکھا اس میں ایک حسین نظر آیا میں نے ادب سے سر نیہوڑ لیا اور سلام کیا اور وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمودار ہوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی اور بے تحاشا برچھی و تلوار مارنے لگی ایک نہتے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کر دیا۔ مجھے کچھ اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔ پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اٹھائے لیے جاتے ہیں اور آپ میں بتیاتے ہیں۔

ایک نے کہا اس مردے کی لوتھ کو میدان میں پھینک دو۔ کتے کوے کھا جائیں گے دوسرا بولا اگر بادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولہو میں پڑوا دے۔ کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑے ہے جو ایسی نامعقول حرکت کریں۔

میں نے یہ گفتگو سن کر دونوں یاجوج ماجوج سے کہا واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو۔ ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ہے۔ جب مر جاؤں گا جو تمہارا جی چاہے گا، سو کیجو، مردہ بدست زندہ لیکن یہ تو کہو مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی۔ مجھے کیوں مارا؟ اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ۔

تب انہوں نے رحم کھا کر کہا وہ جوان جو قفس میں بند ہے اس بادشاہ کا بھتیجا ہے اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے، لڑکا اور بے شعور ہے۔ کاروبار بادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجو۔ جب بالغ ہو اپنی بیٹی سے شادی اس کی کر دیجیو اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجو۔

یہ کہہ کر انہوں نے وفات پائی اور سلطنت چھوٹے بھائی پر آئی۔ اس نے وصیت پر عمل نہ کیا بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق و معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلملاتی اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بہ جنس بادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ متعین ہوا، تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے۔

میں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے، دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبرو کھڑا کیا ملکہ جلاد بن کر شمشیر برہنہ لیے ہوئے اپنے عاشق کو قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں تیری آرزو ہے، وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔ ملکہ بولی کہ اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔ بادشاہ یہ حرکت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا دکھلانے کو لایا تھا؟ محلی ملکہ کو جدا کر کے محل میں لے گئے اور وزیر نے خفا ہو کر تلوار اٹھائی اور بادشاہ زادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام اس بیچارے کا تمام کرے۔ جوں چاہتا ہے کہ تیغا چلاوے، غیب سے

ایک تیر ناگہانی سے اس کی پیشانی پر بیٹھا کہ دوسار ہو گیا اور وہ گر پڑا۔ بادشاہ یہ واردات دیکھ کر محل میں گھس گئے، جوان کو پھر قفس میں بند کر کر باغ میں لے گئے۔ میں بھی وہاں سے نکلا۔ راہ میں ایک آدمی مجھے بلا کر ملکہ کے حضور میں لے گیا۔ مجھے گھائل دیکھ کر ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تاکید سے فرمایا کہ نوجوان کو چنگا کر کے غسل شفا کا دے۔ یہی تیرا مجرا ہے۔ اس کے اوپر جتنی محنت تو کرے گا ویسا ہی انعام اور سرفرازی پاوے گا۔ غرض وہ جراح بموجب ارشاد ملکہ کے تگ و دو کر کے ایک چلے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لے گیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ اب تو کچھ کسر باقی نہیں رہی؟ میں نے کہا کہ آپ کی توجہ سے اب ہٹا کٹا ہوں۔ تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے، بلکہ اس سے بھی دوچند عطا کیے اور رخصت کیا۔

میں نے وہاں سے رفیق اور نوکر چاکروں کو لے کر کوچ کیا۔ جب اس مقام پر پہنچا سب کو کہا۔ تم اپنے وطن جاؤ۔ اور میں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رہنا مقرر کیا۔ اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ہر ایک کی قدر کے روپے دے کر آزاد کیا اور یہ کہہ دیا کہ جب تلک جیتا رہوں، میرے قوت کی خبر گیری تمہیں ضرور ہے۔ آگے مختار ہو۔ اب وہی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ہوں۔ جب تلک جیتا ہوں میرا یہی کام ہے۔ یہ میری سرگزشت ہے جو تو نے سنی۔ یا فقرا! میں نے یہ مجرد سننے اس قصے کی کفنی گلے میں ڈالی اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ ملک کے دیکھنے کے لیے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصہ میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا۔ گلی کوچے میں باولا سا پھرنے لگا۔ اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا۔ لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تک رسائی ہو۔ عجیب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا، وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگا اور دکاندار دکانیں بند کر کے چلے گئے۔ یا وہ رونق تھی یا سنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا کلہ جبڑا شیر کی مانند گونجتا اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا، زرہ بکتر گلے میں ٹوپ جھلم کا سر پر طمنچے کی جوڑی کمر میں، کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا۔ اور اس کے پیچھے غلام بنات کی پوشاک پہنے ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لیے چلے آتے ہیں۔

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا، مجھے منع کرتا لیکن میں کب سنتا ہوں، رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالی شان مکان میں چلا۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ اس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے۔ میں نے اسے قسم دی کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا خون معاف کیا۔ کسو طرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت تنگ آیا ہوں۔ میں جان بوجھ کر تیرے سامنے آیا ہوں، دیر مت کر، مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھ کر خدا نے اس کے دل میں رحم ڈالا اور غصہ ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟ میں نے کہا ذرا بیٹھیے تو کہوں۔ میرا قصہ بہت دور و دراز ہے۔ اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں۔ اس سبب سے لاچار ہوں۔ یہ سن کر اس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا۔ مجھے بھی عنایت ہوا۔ جب فراغت کر کے بیٹھا، بولا۔ کہہ تجھ پر کیا گزری؟ میں نے سب واردات اس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور وہاں اپنے جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سن کر رویا اور یہ کہا کہ اس کم بخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ مراد کو پہنچے اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ حجام کو فرمایا کہ اس کی حجامت کر کے حمام کروا دے۔ ایک جوڑا کپڑا اس کے غلام نے لا کر پہنایا۔ تب مجھ سے کہنے لگا کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا، اس شہزادے

مرحوم کا ہے، جو قفس میں مقید تھا۔ اس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا، اس کو تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اس کا کوکا ہوں۔ میں نے اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا اور بادشاہ کے بھی مارنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اسے نامرد جان کر چھوڑ دیا۔ تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لیے پھرتا ہوں، اور اس کا ماتم کرتا ہوں۔ اس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگرچہ یہ چاہے گا تو میرا مقصد بر آوے گا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ سچ ہے خدا مہربان تو کل مہربان۔

5.2.3 خلاصہ:

مذکورہ بالا اقتباس داستان "باغ و بہار" کے سیر تیسرے درویش سے لیا گیا ہے، جو تیسرے درویش کے حالات کے بارے میں ہے۔ تیسرا درویش ملک عجم کے بادشاہ کا اکلوتا بیٹا تھا، جو شہزادوں کی طرح جوانی کے دن عیش و عشرت میں بسر کرتا ہے۔ سیر سپاٹے تفریح، کھانا پینا، گھومنا، یہی اس کے مشغلے تھے۔ تیسرا درویش ایک مرتبہ اپنے دوست احباب کے ساتھ سیر کو نکلتا ہے۔ وہاں اس کو ایک ہرن نظر آتا ہے۔، جس پر سنہری جھول پڑی تھی اور وہ مست چلا جارہا تھا۔ ہرن حاصل کرنے کے لیے درویش اپنا گھوڑا اس کے پیچھے دوڑا دیتا ہے، لیکن ہرن اس کے ہاتھ نہیں آتا۔ درویش اپنا گھوڑا جتنا تیز دوڑاتا ہرن اتنا ہی تیز دوڑ کر اس سے دور پہنچ جاتا۔ آخر میں گھوڑا اور درویش دونوں تھک جاتے ہیں۔ دونوں کو پسینے آنے لگتے ہیں۔ درویش نے جب دیکھا کہ ہرن کو پانا ممکن نہیں ہے تو وہ تیر چلا دیتا ہے، جو ہرن کے پاؤں میں لگ جاتا ہے اور وہ لنگڑانے لگتا ہے۔ درویش ہرن کو لنگڑاتا ہوا دیکھ کر گھوڑے سے اترتا ہے اور ہرن کا پیچھا کرنے لگتا ہے، لیکن ہرن بھاگ کر کہیں گم ہو جاتا ہے۔

درویش آگے بڑھتا ہے۔ اسے ایک باغ میں چشمہ نظر آتا ہے۔ دو درویش چشمے میں اپنا منہ ہاتھ دھو ہی رہا ہوتا ہے کہ ایک عمارت کے اندر سے رونے کی آواز آنے لگتی ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ جس کسی نے تجھے تیر مار کر زخمی کیا ہے خدا کرے وہ ہمیشہ دکھی ہی رہے۔ درویش اندر جا کر دیکھتا ہے تو وہاں ایک بزرگ نظر آتے ہیں۔ وہ اس ہرن سے باتیں کر رہے تھے، جو درویش کے تیر سے زخمی ہوا تھا۔ درویش کے معافی چاہنے پر وہ اسے معاف کر دیتے ہیں اور درویش کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوئے اسے کھلاتے ہیں۔ درویش کھا پی کر وہیں سو جاتا ہے، لیکن اچانک رونے کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھتا ہے۔ درویش جب اٹھ کر دیکھتا ہے تو وہاں نہ وہ بزرگ کو پاتا ہے اور نہ ہی ہرن کو۔ بس خالی پڑے کمرے میں درویش اکیلا رہ جاتا ہے۔ اچانک قریب ہی اسے ایک پردہ نظر آتا ہے۔ درویش پردہ ہٹا کر دیکھتا ہے تو اسے وہاں ایک حسین عورت دکھائی دیتی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ بزرگ اس عورت کے پاؤں پر سر رکھ کر رو رہے ہیں۔ درویش بھی اس عورت کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس کے پاس چلا جاتا ہے، لیکن اس کے حسن کی تاب نہیں لا تا پا اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بزرگ اسے ہوش میں لاتے ہیں اور وہ اس عورت کے قریب جا کر سلام کرنا اور بات کرنا چاہتا ہے، لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ اصل میں وہ عورت نہیں بلکہ عورت کا مجسمہ تھا۔ چوں کہ درویش نے ہرن کو تیر سے مارا تھا۔ وہ درویش کو فرنگ کی شہزادی کے عشق کا حال سناتا ہیں۔ وہ بزرگ خود بھی فرنگ کی شہزادی کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تیسرا درویش بزرگ کی روداد سن کر خود بھی شہزادی کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی تلاش کرتے کرتے میلک فرنگ پہنچتا ہے، جہاں اس کی ملاقات شہزادی کے عاشق کے دوشت سے ہوتی ہے۔

5.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- میر امّن دہلی میں 1748 کے آس پاس پیدا ہوئے۔ان کا خاندان شہنشاہ ہمایوں کے زمانے سے عالمگیر ثانی کے عہد تک منصب داروں میں شامل رہا ہے۔
- میر امن کی داستان 'باغ و بہار' میں چار درویشوں کی سرگزشت ہے اور آزاد بخت اس کا مرکزی کردار ہے۔
- 'باغ وبہار' کے علاوہ 'گنج خوبی' بھی میر امّن کی ترجمہ کی ہوئی کتاب ہے۔یہ ملا حسین واعظ کاشفی کی 'اخلاق محسنی' کا ترجمہ ہے مگر اسے 'باغ و بہار' جیسی مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔
- نصاب میں شامل اقتباس داستان "باغ و بہار" کے سیر تیسرے درویش سے لیا گیا ہے، جو تیسرے درویش کے حالات کے بارے میں ہے۔

5.4 مشکل الفاظ

الفاظ	معنی	
ولی نعمت	پرورش کرنے والا	Patron / Benefactor
عقب	پیچھے	Back / Rear / Behind
نادانستہ	غیر ارادی طور پر، انجانے میں	Unknowingly / Unintentionally
ناوک	تیر چلانے کا اوزار جو پیچ سے خالی ہوتا ہے	Tip / Point (of a spear or arrow)
لعل	سرخ قیمتی پتھر	Ruby / Precious stone
ناگاہ	اچانک	Suddenly / Unexpectedly
ماندگی	تھکاوٹ	Tiredness / Fatigve
تختۂ نرد	وہ تختہ جس پر نرویں رکھ کر کھیلتے ہیں	Backgammon board / Game board
قطعہ	زمین کا ٹکڑا	Fragment / Piece / Excerpt
برج	گنبد	Tower
ترازو ہونا	تیر کا آر پار لٹکنا	To balance / To weigh
اتالیق	استاد، سکھانے والا	Tutor
رفیق	دوست	Companion / Friend
درویش	فقیر	Mystic / Ascetic / Sufi

5.5 مشقیں

مشق 1: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ باغ بہار "میر امن" کی تخلیق ہے۔ (   )

2۔ باغ و بہار ایک عمدہ ناول ہے۔ (   )

3۔ باغ و بہار میں چار درویشوں کی کہانی ہے۔ (   )

4۔ میر امن کا انتقال 1980 میں ہوا۔ (   )

5۔ گنج خوبی میر امن کی کتاب ہے۔ (   )

مشق 2: دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ لعل ....

2۔ آواز ....

3۔ درویش ....

4۔ بزرگ ....

5۔ ہرن ....

مشق 3: دیے گئے الفاظ کے مترادفات لکھیے۔

1۔ سورج ....

2۔ اخلاق ....

3۔ سمت ....

4۔ تفریح ....

5۔ احسان ....

مشق 4: دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ ولی نعمت ....

2۔ اتالیق ....

3۔ رفیق ....

4۔ چشمہ ....

5۔ درویش ....

5.6 نمونۂ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی سوالات:

1۔ میر امن کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a)لکھنؤ (b)کلکتہ (c)حیدر آباد (d)دہلی

2۔ میر امن کس کالج میں ملازم تھے؟

(a) فورٹ ولیم (b)فورٹ سینٹ جارج (c)دہلی کالج (d)جامعہ عثمانیہ

3۔ باغ و بہار کس کتاب کا ترجمہ ہے؟

(a)نوطرز مرصع (b)چہار درویش (c)اخلاق محسنی (d)ان میں سے کوئی نہیں

4۔ باغ و بہار کے ترجمے پر کالج کی طرف سے میر امن کو کتنے روپے کا انعام ملا تھا؟

(a)200روپے (b) 300روپے (c)500روپے (d)700روپے

5۔ گنج خوبی کس کی تصنیف ہے؟

(a) میر امن (b)ملاواعظ کاشفی (c)کاظم علی (d)حیدر بخش

6۔ کس کی ہدایت پر میر امن نے باغ و بہار کا ترجمہ کیا تھا؟

(a)گل کرسٹ (b)مظہر علی ولا (c)نہال چند لاہوری (d)نذیر احمد

7۔ میر امن کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(a)1800 (b)1804 (c)1806 (d)1808

8۔ تیسرا درویش کس ملک کا بادشاہ ہے؟

(a) عجم (b)ایران (c)چین (d)روم

9۔ نصاب میں شامل اقتباس باغ و بہار کے کس درویش کی روداد سے لیا گیا ہے؟

(a) پہلے درویش (b)دوسرے درویش (c)تیسرے درویش (d)چوتھے درویش

10۔ میر امن نے باغ بہار کا اردو ترجمہ کس زبان سے کیا تھا؟

(a) ترکی (b)فارسی (c)عربی (d)اطالوی

5.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ میر امن کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ فورٹ ولیم کالج سے میر امن کی وابستگی پر نوٹ لکھیے۔

3۔ گنج خوبی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

4۔ باغ و بہار پر نوٹ لکھیے۔

5.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ تیسرے درویش کی سیر کا خلاصہ بیان کیجیے۔

2۔ شامل نصاب متن کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

5.6.1 کے جوابات:

1۔d	2۔a	3۔b	4۔c	5۔a
6۔a	7۔c	8۔a	9۔c	10۔b

اکائی 6: ناول

اقتباس (توبتہ النصوح، نذیر احمد)، اقتباس (پتھر کا جگر، جیلانی بانو)

اکائی کے اجزا

6.0		تمہید
6.1		مقاصد
6.2		اقتباس (توبتہ النصوح، نذیر احمد)
	6.2.1	نذیر احمد کا تعارف
	6.2.2	ناول " توبتہ النصوح" کا متن (اقتباس)
	6.2.3	خلاصہ
	6.2.4	مشکل الفاظ
	6.2.5	مشقیں
6.3		اقتباس (پتھر جگر، جیلانی بانو)
	6.3.1	جیلانی بانو کا تعارف
	6.3.2	ناول "پتھر کا جگر" کا متن (اقتباس)
	6.3.3	خلاصہ
	6.3.4	مشکل الفاظ
	6.3.5	مشقیں
6.4		نمونۂ امتحانی سوالات

6.0 تمہید

ناول اردو ادب کی ایک مقبول صنف ہے۔ اردو نثر میں داستان کے بعد ناول سب سے اہم صنف ہے۔ اردو میں ناول کی ابتدا ڈپٹی نذیر احمد سے ہوتی ہے۔ انہوں نے 1869 میں اپنا پہلا ناول "مراۃ العروس" کے عنوان سے لکھا، جو نذیر احمد ہی کا نہیں بلکہ اردو کا پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔ ناول میں حقیقی واقعات یا انسان کی زندگی کو افسانوی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ ناول کے کرداروں اور اس کی پوری فضا اس

طرح سے پیش کی جاتی ہے کہ قاری کو وہ حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک اچھا ناول انسان کے حقیقی ماحول و معاشرے کو پیش کرتا ہے۔ اس اکائی میں آپ ایسے ہی دو ناول "توبتہ النصوح" اور "پتھر کا جگر" کے منتخب اقتباسات اور ان ناولوں کے خلاصے کا مطالعہ کریں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ناول نگار نذیر احمد سے واقف ہو سکیں۔
- ناول "توبتہ النصوح" کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- ناول" توبتہ النصوح "کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔
- جیلانی بانو سے واقف ہو سکیں۔
- ناول "پتھر کا جگر" کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- ناول "پتھر کا جگر" کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔

6.2 اقتباس (توبتہ النصوح، نذیر احمد)

6.2.1 نذیر احمد کا تعارف:

نذیر احمد کی پیدائش 6 دسمبر 1836 کو ضلع بجنور میں ہوئی۔ ان کے والد مولوی سعادت علی معلم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دلی کے اورنگ آبادی مدرسے میں مولوی عبد الخالق سے درس لیا۔ مدرسہ کی تعلیم کے بعد نذیر احمد نے دلی کالج میں داخلہ لیا، یہاں انہیں وظیفہ بھی مل گیا۔ دلی میں آٹھ سال گزارنے کے بعد بسلسلہ ملازمت پنجاب پہنچے۔ جہاں 80 روپئے ماہوار پر انہیں نوکری مل گئی۔ اس کے بعد ترقی کرتے ہوئے وہ کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہو گئے۔ 1857 کے انقلاب میں دلی واپس آئے۔ یہاں سے نظام دکن نے انہیں حیدر آباد بلا لیا۔ جہاں ان کی تنخواہ 1240 روپے مقرر ہوئی۔ نذیر احمد نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا اس لیے انہیں ترقی ملتی گئی۔ وہ صدر تعلقہ دار بن گئے۔ اس دوران انہوں نے نظام دکن کے بچوں کو پڑھانے کا بھی کام کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد جب جالون میں تھے تو انہیں اپنے بچوں کے لیے کچھ کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی مگر وہ دستیاب نہ ہو سکیں تو انہوں نے خود بچوں کے لیے کتابیں لکھنے کا کام شروع کر دیا۔ "مراۃ العروس"، "منتخب الحکایات" وغیرہ ان کی اپنے بچوں کے لیے لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے بہت سے ناول تحریر کیے جن کا مقصد اصلاحی تھا اور ان ناولوں میں زیادہ زور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری پر تھا۔ ان کے مشہور ناولوں میں "مراۃ العروس"، "بنات النعش"، " توبۃ النصوح"، "فسانہ مبتلا"، "ابن الوقت"، " ایامیٰ" اور "رویائے صادقہ " ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ناولوں کے علاوہ جو اہم علمی کام کیے ہیں۔ان میں قرآن کا ترجمہ، قانون انکم ٹیکس، قانون شہادت بہت اہم ہیں۔ڈپٹی نذیر احمد کی بیشتر کتابیں بہت مقبول ہوئیں اور ان کی کتابوں کے انگریزی کے علاوہ پنجابی، کشمیری، مراٹھی، گجراتی، بنگلہ، بھاکا وغیرہ میں ترجمے ہوئے۔"مراۃ العروس" کا ترجمہ انگریزی میں 1903 میں لندن سے شائع ہوا۔ 1884 میں "توبۃ النصوح" کا ترجمہ سر ولیم میور کے دیباچہ کے ساتھ شائع ہوا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ان کی ادبی اور مغربی خدمات کے صلے میں برطانوی حکومت نے شمس العلما کا خطاب دیا تھا۔آخری عمر میں ڈپٹی نذیر احمد پر فالج کا حملہ ہوا اور 3/مئی 1912ء کو دلی میں وفات پا گئے۔

6.2.2 ناول" توبتہ النصوح" کا متن(اقتباس):

(i)

غفلت کو ایسا کاری تازیانہ لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا،جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی، وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آ موجود ہوتے تھے۔جنھوں نے بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا، ان کا اشراق وتہجد تک قضا نہیں ہونے پاتا تھا۔دنیا کی بے ثباتی، تعلقات زندگی کی ناپائیداری سب کے دل پر منقش تھی۔لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔غرض ان دنوں کی زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث زندگی کا نمونہ تھی جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔

(ii)

مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی اصول ہیں کہ ان میں تردد و انکار کا مدخل ہو ہی نہیں سکتا۔چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلت اور سستی اور بے پروائی اور خداوند جل و علیٰ شانہ کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطاکاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں راسخ ہوگئی ہیں۔البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زنگِ معصیت ہمارے سینوں سے دور ہوکر یہ آئینے ایمان کی جلا سے منور ہوں گے۔لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالت اپنا اپنا فکر کرچلے۔

(iii)

دو چار مرتبہ میں نے ان کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔یہ نوری جولاہا تو امام بنتا ہے اور محلے کے سقے، حجام، کنجڑے مسجد کے مسافر، اس قسم کے لوگ اس کے مقتدی ہوتے ہیں اور انھیں میں یہ حضرت بھی جاکر شریک نماز ہوتے ہیں۔بھائی میں تو تم سے سچ کہوں! یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر شرم آتی ہے کہ میں نے ادھر کا رستہ چلنا چھوڑدیا اور یہ ملانے جو خدا کی قدرت ہمارے ابا جان کے ہم نشیں بنے ہیں، اس قدر ذلیل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو ان کی گزر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے کے ہوتے ہیں۔کبھی راہ میں مٹھ بھیڑ ہوجاتی ہے تو خیر یہ تو مجال نہیں کہ

سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے ٹرے کہ بندگی، نہ آداب نہ تسلیم، دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ مارتے ہیں۔

(iv)

بے دین زندگی محض ایک بے اطمینان ، بے سہارے زندگی ہے۔اگر رنج و ایذا ہے تو کوئی وجہ تسلی کوئی ذریعہ نہیں اور اگر آرام و خوشی ہے تو اس کو ثابت و قرار نہیں۔فاقہ ہے تو صبر نہیں، کھانا ہے تو سیری نہیں، بدی کی سزا نہیں۔نیکی کی جزا نہیں، بے دین آدمی ایسا ہے جیسے بے نکیل کا اونٹ، بے ناتھ کا بیل، بے لگام کا گھوڑا، بے ملاح کی ناؤ، بے رگیولیٹر کی گھڑی، بے شوہر کی عورت، بے باپ کا بچہ، بے تھیوے کی انگوٹھی، بے لالی کی مہندی، بے خوشبو کا عطر، بے باس کا پھول، بے طبیب کا بیمار، بے آئینے کا سنگھار یعنی دین نہیں تو دنیا و مافیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول اور پوچ اور لچر ہے۔

(v)

ماں : لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا۔اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نعیمہ: بلا سے، صدقے سے، نماز کو جانے دیا ہوتا، نماز پیاری تھی یا بھانجا؟

ماں: لڑکی ڈر خدا کے غضب سے۔کیا کفر بک رہی ہے؟ اس حالت کو تو پہنچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔

نعیمہ: خدا نہ کرے میری کون سی حالت تم نے بری دیکھی؟

ماں : اس سے بدتر حالت اور کیا ہوگی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہ ہوا۔

نعیمہ : وہ جنم جلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے؟

ماں: ہاں بیٹی سچ ہے۔میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔مائیں بیٹیوں کو اس واسطے بیاہ کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اجڑی ہوئی ان کے گھر گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔

نعیمہ : کیا جانیں ہم کو تو آنکھیں میچ کر کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا۔سو پڑے ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔

6.2.3 خلاصہ:

ڈپٹی نذیر احمد نے جملہ سات ناول لکھے ہیں۔ان ناولوں کا تعلق کسی نہ کسی معاشرتی مسئلہ سے ہے، جس کی اصلاح کے وہ خواہاں تھے۔ان کا تیسرا ناول "توبۃ النصوح"1874ء میں منظر عام پر آیا۔اس ناول خاص کا موضوع اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت ہے۔نذیر احمد نے والدین کو اولاد کی پرورش، تہذیب و تربیت، اخلاق کی درستی، خیالات و معتقدات کی اصلاح کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

نذیر احمد اولاد کے اخلاق و اطوار کا ذمہ دار والدین کو قرار دیتے ہیں ۔انہیں شکایت ہے کہ والدین بچوں کے سامنے مثال اور نمونہ نہیں پیش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوجاتے ہیں اور ایسے والدین صرف بچوں کا مستقبل ہی برباد

نہیں کرتے ہیں بلکہ ملک و قوم کے لیے گڑھے کھو دنے کا کام کرتے ہیں۔یہی بچے بڑے ہو کر نااہل اور ناکارہ بن جاتے ہیں۔ وہ خود کے لیے کچھ نہیں کرسکتے ہیں تو ملک و قوم کے لیے کیا خاک کریں گے۔

ناول "توبۃ النصوح" تربیت اولاد کے علاوہ کئی موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔اگرچہ تربیت اولاد میں وہ سارے موضوعات شامل ہیں۔اس ناول کا آغاز ہی مواخذۂ عاقبت جیسے اہم موضوع سے ہوتا ہے۔انہوں نے خواب کے بیان سے اس اہم موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس ناول میں نذیر احمد نے مذہبی رواداری کو بھی ضمنی طور پر موضوع سخن بنایا ہے۔ان کا ماننا تھا کہ تمام مذاہب کی اصل روح انسانیت، ہمدردی اور عجز وانکساری ہے اور دوسرے مذاہب کی کتابیں پڑھنے اور ان سے انسانیت اور خداترسی کی باتیں سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔چناں چہ نصوح اپنے بیٹے "علیم" کو تلقین کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب کی ان کتابوں کا مطالعہ کرے جن کو پڑھنے اور سمجھنے سے خاکساری، ہمدردی، انسانیت کا درس ملے۔نذیر احمد نے ذات وغیر ہ کی بنیاد پر معاشرے میں پائے جانے والی عدم مساوات کو بھی بیان کیا ہے۔

ناول" توبۃ النصوح" بارہ فصلوں (باب)پر مشتمل ایک اصلاحی ناول ہے۔اس ناول کابنیادی موضوع بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی اصلاح ہے۔نذیر احمد نے ان کی اصلاح کرنے کے لیے ہر باب میں ایک الگ موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ذیل میں ناول میں پیش کیے گئے تمام موضوعات پر فصل وار گفتگو کی گئی ہے۔

فصل اول: اس فصل میں وبا کو موضوع بنایا گیا ہے ،جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک سال دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی۔نصوح بھی اس ہیضے کی چپیٹ سے بچ نہ سکا۔نصوح کو خواب آور دوائی پلائی جاتی ہے جس کو پیتے ہی وہ سو گیا اور خواب دیکھنے لگا۔

فصل دوم: فصل دوم میں دکھایا گیا ہے کہ جب نصوح خواب سے بیدار ہوا تو اس کو اپنی بےمقصد ،بے دین زندگی پر افسوس ہوا۔ چناں چہ اس نے پورے خاندان کی اصلاح کا بیڑا اٹھا لیا۔نصوح نے اپنی بیوی فہمیدہ سے مشورہ کیا کہ وہ بیٹیوں کی تربیت کرے اور میں بیٹوں کی تربیت کروں گا۔اس طرح اس باب میں خاص طور سے اولاد کی تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔

فصل سوم: اس فصل میں فہمیدہ اور اس کی بیٹی حمیدہ کی بات چیت درج ہے۔حمیدہ نصوح کی منجھلی بیٹی ہے۔فہمیدہ اس سے بات کرتی ہے اور اس کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔حمیدہ پر ماں کی باتوں کا بہت اثر ہوتا ہے اور وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔اس تعلق سے ماں بیٹی کے مکالمے ملاحظہ ہوں:

"ماں: بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔

حمیدہ: اماں جان! نماز کیا؟

نماز کو استعجاب کے ساتھ پوچھنا یہ چٹکی تھی کہ اس نے میرے دل میں لی۔

ماں: بیٹی! خدا کی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔ (توبتہ النصوح، ص69)

فصل چہارم: فصل چہارم میں نصوح اپنے چھوٹے بیٹے سلیم سے گفتگو کرتا ہے ۔تب اسے کو پتہ چلتا ہے کہ سلیم بی اماں کی قربت کی وجہ سے بہت سدھر چکا ہے۔

فصل پنجم: اس فصل میں فہمیدہ اور اس کی بڑی بیٹی نعیمہ کی نوک جھونک ہوتی ہے۔ فہمیدہ نعیمہ کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی ہے، لیکن وہ نماز کو اٹھک بیٹھک کہتی ہے۔نعیمہ نصوح کی بڑی بیٹی ہے ،جو اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر آئی ہے۔

فصل ششم: اس پوری فصل میں نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو پیش کی گئی ہے۔اس باب میں نصوح کے منجھلے بیٹے علیم کے ذریعہ انسانیت جیسے اہم موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے جب علیم عید کے موقع پر اپنی خالہ کے یہاں جاتا ہے تو میاں مسکین کے کوچے میں ایک مقروض پر بنیے کے ظلم کو دیکھتا ہے ،جو اپنے قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے حوالات چلا جاتا ہے۔ اس کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں۔ یہ دیکھ کر علیم کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ اپنی پسندیدہ ٹوپی بیچ کر اس کو حوالات سے رہا کراتا ہے۔نذیر احمد نے یہ نمونہ پیش کیا ہے جو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

فصل ہفتم: اس ناول کی سب سے اہم فصل ہے۔اس فصل میں نصوح اور اس کے بڑے بیٹے کلیم کی گفتگو نقل کی گئی ہے۔ نصوح اپنے بیٹے کلیم کو بلاتا ہے ،مگر وہ نہیں آتا۔ فہمیدہ اور علیم ،کلیم کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتے ہیں اس کے باوجود وہ نہیں آتا ہے۔

فصل ہشتم: اس باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ اس کو آکر مناتی ہے، کھانا کھلاتی ہے اور اسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی جاتی ہے۔

فصل نہم: اس باب میں کلیم اپنے باپ سے ناراض ہوکر گھر سے چلا جاتا ہے۔ نصوح کلیم کی پسندیدہ شعر و شاعری سے بھری لائبریری کو جلا دیتا ہے، جس کا نام عشرت منزل اور خلوت خانہ تھا۔

فصل دہم:اس باب میں کلیم اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہتا ہے پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے یہاں رہتا ہے ،مگر دونوں جگہ ذلیل اور رسوا ہوتا ہے اور قید خانے کی ہوا کھاتا ہے پھر باپ کی سفارش پر باہر آتا ہے۔

فصل یازدہم: اس باب میں کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد جاتا ہے اور فوج میں بھرتی ہوجاتا ہے۔وہ دوران لڑائی زخمی ہو جاتا ہے اور مُردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔

فصل دوازدہم : اس باب میں نعیمہ اپنی بہن صالحہ کے گھر رہ کر خود بہ خود راہ راست پر آجاتی ہے اور اپنی غلطی کے لیے معافی بھی مانگتی ہے۔ کلیم اپنی بہن کے گھر وفات پاتا ہے اور یہاں قصہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔اس طرح اس ناول کا خاتمہ ہوتا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد نے اس ناول میں مذہب، اخلاق،عبادت وغیرہ مسائل کو زیر بحث لایا ہے اورہر ایک موضوع پر تشفی بخش اور مدلل گفتگو کی ہے۔ قاری کے دل تک ان موضوعات کو پہنچانے کے لیے انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے کام لیا ہے۔

6.2.4 مشکل الفاظ:

معلم	استاد، تعلیم دینے والا	Teacher / Instructor
غفلت	بھول، بے خبر، بے پرواہ	Negligence / Carelessness
اشراق	سورج کے نکلنے سے پہلے کا وقت، وہ نماز جو سورج کے نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے	Illumination / Enlightenment
تہجد	وہ نفل نماز جو فجر سے پہلے اور آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے	Night Prayer / Tahajjud
راہ راست	سیدھا راستہ	Straight path / Right way
منقش	تصویر کھینچنا، بیل بوٹے والا	Engraved / Decorated
راسخ	پکّا ہونا، اٹل	Firm / Steadfast
معمور	بھرا ہوا، لبریز	Populated / Inhabited / Developed
معصیت	نافرمانی، حکم کا نا ماننا	Sin / Disobedience
بالفعل	اس وقت، فی الحال	Actually / In fact
مقتدی	پیروی کرنے والا، امام کے پیچھے کھڑے ہونے والا	Follower / Disciple
دنیا و مافیہا	دنیا اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے	World and all that is in it
ہیچ	حقیر، کمتر، تھوڑی سی چیز	Nothing / Nil
عبث	بے کار، بے فائدہ، بے سود	Futile / Useless
معتقدات	معتقد کی جمع، ماننے والے، بھروسہ رکھنے والے	Beliefs / Convictions
تلقین	ہدایت، نصیحت، پند	Instruction / Teaching
خلوت خانہ	حجرہ، تنہائی کی جگہ، الگ رہنے کا مقام	Private chamber / Retreat
مبتدا	جہاں سے ابتدا کی جائے، شروع، اوّل، منبع	Beginning / Initiation
ذلیل	بے عزت، حقیر، معمولی	Humiliated / Lowly / Degraded

6.2.5 مشقیں:

مشق 1: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ "توبۃ النصوح" نذیر احمد کا پہلا ناول ہے۔ (   )

2۔ ''توبتہ النصوح''کا موضوع اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت ہے۔ ( )

3۔ ڈپٹی نذیر احمد کا شمار اردو کے پہلے افسانہ نگار کے طور پر ہوتا ہے۔ ( )

4۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کل سات ناول لکھے۔ ( )

5۔ ناول ''توبتہ النصوح''میں بارہ فصلیں ہیں۔ ( )

مشق 2: دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ اشراق ....

2۔ تہجد ....

3۔ معمور ....

4۔ مقتدی ....

5۔ خلوت خانہ ....

مشق 3: دیے گئے الفاظ کے مترادفات لکھیے۔

1۔ نصوح ....

2۔ ہیچ ....

3۔ تلقین ....

4۔ بالفعل ....

5۔ ذلیل ....

6.3 اقتباس (پتھر کا جگر، جیلانی بانو)

6.3.1 جیلانی بانو کا تعارف:

جیلانی بانو اردو زبان کی معروف مصنفہ ہیں۔ حیدر آباد دکن سے تعلق کی بنا پر ان کی اکثر کہانیوں میں حیدر آبادی تہذیب و ثقافت کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ جیلانی بانو 14 جولائی 1936ء کو اتر پردیش کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ اردو ادب سے لگاؤ انھیں اپنے والد حیرت بدایونی سے ورثے میں ملا، جو اپنے وقت کے معروف شاعر تھے۔ جیلانی بانو کی پرورش خالص ادبی ماحول میں ہوئی۔ اس وقت کے بڑے مصنفین مثلاً سجاد ظہیر، مخدوم محی الدین، جگر مراد آبادی، کرشن چندر اور مجروح سلطان پوری وغیرہ کا ان کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس ادبی ماحول نے ان کی تربیت اور شخصیت کی نشو و نما میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدائی عمر سے ہی انھوں نے سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، میر تقی میر، غالب، اقبال، گورکی، چیخوف، موپاساں، بیدی، فیض احمد فیض، مجاز، قرۃ العین حیدر اور احمد ندیم قاسمی سمیت تمام بڑے بڑے ادبا کو پڑھ ڈالا۔ ان عظیم مصنفین کی تخلیقات کے مطالعے نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو خوب جلا بخشی۔ انھوں نے اپنا ایک

مخصوص طرزِ تحریر اپنایا اور کسی بڑے مصنف کی نقل نہیں کی۔ انھوں نے اپنی پہلی کہانی "ایک نظر ادھر بھی" (1952) میں تحریر کی۔ ان کی شہرہ آفاق تحریر "موم کی مریم" نے ماہنامہ 'سویرا' میں شائع ہوتے ہی انھیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ "روشنی کے مینار" اور پہلا ناول "ایوان غزل" تھا۔ ان کی کہانیاں ہمارے معاشرتی رویوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی زیادہ تر کہانیوں میں معاشرے کے پسے ہوئے غریب طبقے کو موضوع بنایا ہے۔

6.3.2 ناول "پتھر کا جگر" کا متن (اقتباس):

(i)

"یہ شاعر کیسے وبال جان ہوتے ہیں؟"

میری چودہ پندرہ سال کی لڑکی نوید ہ اپنی سہیلی سیما سے کہہ رہی تھی۔

میں شاید مٹّے کی بوتل دھو رہی تھی، لیکن بغیر دھلی بوتل رکھ کر چلی آئی اور بڑے غور سے نوید کو دیکھنے لگی۔ وہ کتنی چست و چالاک تھی۔ کیسی صحت مند اور اصول پرست، حالاں کہ سب کہتے ہیں نوید بالکل میری صورت و شکل لائی ہے۔ مگر وہ میرا مزاج اور دل کیوں نہیں لائی..... ؟ وہ ابھی سے بڑی سمجھ دار ہے۔ ہر چیز کو اصولوں کی روشنی میں دیکھنے والی۔ ہر چیز کے فائدے اور نقصان پر نظر رکھنے والی..... مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی اپنی ماں کی طرح دھوکا نہیں کھائے گی، کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گی۔ اس کی زندگی بڑے مزے میں گزرے گی، کیوں کہ وہ ہر چیز کا مول چکانا چاہتی ہے۔ میری طرح بے وقوف نہیں ہے کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھے۔ ہر چیز کوڑیوں کے مول لٹا بیٹھے۔ آج کل کی فضا بھی تو ایسی ہی ہے ایٹم کے تابکار بادلوں نے سنا ہے انسان کے دل سے تمام لطیف جذبے کھرچ ڈالے ہیں۔ جبھی تو ہر بچے کو سائنس پڑھنے کی لگن ہے۔.....

(ii)

شاعروں سے میری اتنی دلچسپی پر سہیلیاں چھیڑا کرتی تھیں۔

فکر نہ کر۔ تجھے انشا اللہ کوئی نہ کوئی شاعر ہی جھپٹ لے گا۔ ابھی سے قیامت ہے قیامت اور میں آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہوتی۔ جب بھی میں نے اپنے لمبے سیاہ گھنے بال کھولے تو زلف ورخسار والے بہت سے شعر میری زبان پر آجاتے تھے۔ میری آنکھوں میں سچ مچ ایسی کشش تھی کہ جو دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا۔ بشیر کہتی تھی کہ میری آنکھیں ہر وقت جاگی جاگی سوئی سوئی سی لگتی ہیں۔

"صبا تو باہر مت نکلا کر۔ مجھے ڈر ہے تجھ پر کوئی آفت نہ آجائے۔"

میں نے ضد کر کے پپا سے اس مشاعرے کا دس روپے والا ٹکٹ منگوایا تھا۔ پپا بھی جانتے تھے کہ مجھے شعر و ادب سے بہت دلچسپی ہے وہ اس بات پر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ فوجی آدمی..... جنہیں سوائے قواعد پریڈ کے اور کوئی کام نہیں آتا تھا۔ پپا نے مجھے بندوق چلانا سکھانا چاہی تھی لیکن پہلے ہی دھماکے میں، میں ڈر کے مارے رونے لگی تھی۔ "توبہ توبہ، ایک سپاہی کی بیٹی اور اتنی بزدل.....! تو وقت پڑنے پر اپنا بچاؤ کیسے کرے گی.....!

(iii)

یوں ہی وہ میری شاعری کا شوق بھی پورا کرنے کو تیار تھے۔ ویسے بھی ہمارے دادا کی شاعری پر پپا کو بڑا فخر تھا۔ خصوصاً ان کے جمع کیے ہوئے نایاب قدیم نسخے اور کتابیں اکثر نقاد دیکھنے ہمارے گھر آتے تھے۔

جب میرے پاس سے آٹو گراف بک نہ نکلی تو ایک آدمی آگے بڑھا چھوٹے قد کا، سیاہ چمکتا ہوا رنگ، بڑے بڑے بال، معمولی سا چہرہ، معمولی سا پینٹ اور شرٹ پہنے، اس نے ایک کتاب پر دستخط کر کے مجھے دی۔

''یہ ہماری طرف سے آپ کی نذر ہے۔''

''تنہائی کا صحرا''... مصنف: اجمل نورانی۔ صبا صاحبہ کی نذر۔''

میں نے شکریہ کی خاطر اس کی طرف گھبرا کے دیکھا تو اس نے جھک کر بڑے رومانی انداز میں کسی فلمی ہیرو کی طرح کہا، ''اب آپ میرے سامنے سے ہٹ جائیں ورنہ میں اندھا ہو جاؤں گا۔''

(iv)

آج میری شاعروں سے جھجک کچھ کم ہو چلی تھی۔ اس لیے میں دور ایک کونے میں بیٹھی ان شاعروں کی حرکتوں کو بڑے غور سے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ آج میں نے ہلکے فیروزی رنگ کا شاموکا تنگ پاجامہ پہنا تھا اور ویسا ہی کلی دار کرتہ..... میرے ٹاپس اور گلے کا ہار بھی فیروزی تھا..... حسینہ کہتی تھی کہ میری کنجالی آنکھوں اور سرخی آمیز سفید رنگت پر یہ کلر بہت اچھا لگتا ہے۔ بس اسی لیے میں نے آج یہ سوٹ پہنا تھا۔ بس جیسے گھر مہمان آئیں تو لڑکیوں کو اچھا لباس پہننا چاہیے۔ یوں ہی میں نے بھی وہ کپڑے پہنے، لیکن دل میں کہیں بہت دور ایک خواہش دبی ہوئی تھی کہ دیکھوں حسن کسے کہتے ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ شاعر مجھے بھول نہ جائیں۔ کوئی بھی اپنی کسی نظم، کسی شعر میں میری ایک جھلک دکھاوے تو میری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

شعر و شاعری رات کے گیارہ بجے ختم ہوئی تو میں نے سب سے آٹو گراف مانگے۔ جگرؔ صاحب نے بڑی شفقت سے مجھے اپنے پاس بلایا اور آہستہ سے کہا ''ہم شاعر لوگ شعر تو اچھے کہتے ہیں مگر بہت برے انسان ہوتے ہیں۔ اس لیے شعر و شاعری میں زیادہ دلچسپی کبھی مت لینا..... امتحان میں اول آنے کی کوشش کیجیے آپ۔''

(v)

ایک مشاعرہ میں گیا تھا، سو روپے مار لایا ہوں۔ اس لیے آج کل شاعری یاد ہے نہ کوئی محبوب۔ عیش کر رہا ہوں۔

میں نے چاروں طرف دیکھا۔ نام تھا نہ دستخط۔ توبہ کیا اجڈ آدمی ہے۔ جانے کیوں میرے دل کو ٹھیس لگی۔ لوگ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ شاعر صرف دور ہی سے رومانی نظر آتے ہیں۔ بھلا کوئی تک ہے کہ میرے اتنے خوب صورتی سے لکھے ہوئے خط کا اتنا بھدّا جواب! وہ بھی ردی کاغذ پر۔ میرا دل تو کئی دن سے دھڑک رہا تھا کہ دوست بنانے کے بعد اپنا نام لکھنے سے پہلے جانے کیا لکھیں گے۔ میں تو اسی اندیشے کے مارے گھبرائی جا رہی تھی۔ سو روپے جو مل گئے۔ جانے بے چارہ کتنا غریب مفلس ہے۔ صورت ہی سے ایسا لگتا ہے۔ سو روپے اس کے لیے اتنی بڑی چیز ہیں۔ تو گویا اس کی بہت سی محبوبائیں ہیں.....؟

6.3.3 خلاصہ:

جیلانی بانو کا ناول ”پتھر کا جگر“ حیدرآباد کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں ’صبا‘ نامی ایک لڑکی کی عشقیہ داستان بیان کی گئی ہے۔ صبا ایک فوجی افسر کی بیٹی ہے۔ اس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے، جہاں شعر و شاعری کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ عموماً اس ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی لڑکیاں شاعری سے گہرا شغف رکھتی ہیں۔ اسی لیے صبا کی شاعری سے دلچسپی فطری بات تھی، کیوں کہ اس کے والد بھی شاعری سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ شاعری سے صبا کا والہانہ لگاؤ اس کی زندگی میں طرح طرح کے مسائل اور پریشانیاں پیدا کرتا ہے۔

حیدرآباد میں ایک کل ہند مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے۔ صبا بھی بڑے اہتمام سے اس مشاعرے میں جاتی ہے۔ ڈائس پر اس کی ملاقات اجمل نورانی سے ہوتی ہے اور وہ صبا کو اپنا شعری مجموعہ نذر کرتا ہے۔ مشاعرے کے بعد صبا کے والد تمام شاعروں کو اپنے گھر مدعو کرتے ہیں۔ ان شاعروں میں اجمل نورانی بھی آتا ہے اور صبا کو اپنا پتہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ مجموعے کو پڑھ کر اپنی رائے لکھنا۔ اس طرح دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

کچھ دنوں بعد اجمل ایک مشاعرے ہی کے سلسلے میں جب دوبارہ حیدر آباد آتا ہے تو وہ صبا کے والد اور صبا سے ملتا ہے۔ صبا کے والد جب کسی کام سے اندر کے کمرے میں جاتے ہیں تو اجمل موقع دیکھ کر صبا سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے بمبئی آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس دوران دونوں میں خوب ملاقاتیں ہوئیں۔ والد کی غیر موجودگی میں صبا اجمل کو اپنے گھر بھی بلاتی ہے۔ یہ ملاقاتیں دونوں کو انتہائی خوشی اور مسرت بخشتی ہیں۔

لیکن جب اجمل بمبئی واپس جاتا ہے تو وہاں سے صبا کو خط لکھتا ہے کہ ہمیں محبت میں آگے نہیں بڑھنا چاہیے تھا کیوں کہ ہم دونوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ صبا اجمل کی اس بات کو نظر انداز کر دیتی ہے اور بمبئی جانے کا راستہ تلاش کرنے لگتی ہے۔ جب بمبئی میں رہنے والی صبا کی خالہ حج پر جانے کا ارادہ کرتی ہے تو صبا اس موقعے کا فائدہ اٹھا کر بمبئی جانے کا اردہ کرتی ہے تاکہ وہ اجمل سے مل سکے۔ صبا گھر سے نکلنے سے پہلے اجمل کو خبر کر دیتی ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ بمبئی کے لیے روانہ ہو جاتی ہے۔ اجمل کسی قدر دیر سے اسٹیشن پہنچتا ہے اور اس سے تنہائی میں ملاقات کرتا ہے۔ اجمل صبا کو اس کی ایک سہیلی سے ملوانے کے بہانے ’جوہو‘ لے جاتا ہے اور وہاں اپنا درد دل صبا کو سناتا ہے۔ دونوں تنہائی میں باتیں کرتے رہتے ہیں اور وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ جب دیر رات صبا ہوٹل پہنچتی ہے تو اس کا بھائی سخت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، جس کا اثر صبا پر بالکل بھی نہیں پڑتا۔ اجمل کی اس ملاقات سے صبا کے دل میں ایسی خوشی اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کسی بھی قوت سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اسی خود اعتمادی کے جذبے سے سرشار ہو کر وہ حیدرآباد واپس آجاتی ہے اور یہاں آکر اپنی دوست انیس سے اس کا ذکر کرتی ہے تو وہ صبا کو سمجھاتی ہے کہ شاعر لوگ اچھے نہیں ہوتے، لیکن صبا نہیں سمجھتی اور کہتی ہے کہ اجمل ایسا نہیں ہے۔ اب ہم دونوں کو موت کے علاوہ کوئی اور الگ نہیں کر سکتا۔

اِدھر صبا کے ماں باپ اس کا رشتہ احسان نام کے ایک شخص سے کر دیتے ہیں، جو پیشے سے ڈاکٹر ہے۔ صبا اس رشتے کو سخت ناپسند کرتی ہے اور اجمل کو لکھ دیتی ہے کہ اس کی شادی زبردستی کی جارہی ہے، اس لیے وہ حیدرآباد آکر اسے اپنے ساتھ لے جائے۔ صبا خط لکھ کر

شدت سے انتظار کرنے لگتی ہے۔ اجمل بجائے حیدرآباد پہنچنے کے صبا کو خط لکھتا ہے کہ وہ شادی کرلے اور پچھلی تمام باتوں کو بھلا دے۔ وہ اسے یقین دلاتا ہے کہ صبا کی محبت کی ساری نشانیوں کو مٹا ڈالے گا تاکہ اسے کبھی اپنے شوہر کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ صبا یہ خط پا کر شدید غم وغصے میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لیتی ہے اور اسی جذبات میں بڑی دلیری کے ساتھ اپنے باپ کو خط لکھتی ہے کہ وہ اجمل سے محبت کرتی ہے، اس کی شادی اجمل سے کر دی جائے، لیکن صبا کی بات نہ مان کر اس کی شادی ڈاکٹر احسان سے کر دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر احسان صبا کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ اسے ہر طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اس کی تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ اس کی بے پناہ محبت کا اثر صبا پر عجیب طریقے سے ہوتا ہے۔ وہ احسان سے اپنا راز دل بیان کر کے اپنے بے چارگی کا اظہار کر دیتی ہے۔ احسان بڑے صبر کے ساتھ صبا کی تمام باتوں کو سنتا ہے اور اسے رونے سے منع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کبھی اجمل راضی ہو جائے گا تو وہ اس کی ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر احسان کی یہ بلند خیالی اور اعلیٰ ظرفی صبا کے دل کو چھو گئی۔ وہ اپنی بد قسمتی پر اور زیادہ رنجیدہ اور مغموم ہو جاتی ہے۔ صبا کی اس حرکت سے خود اس کے گھر والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ باپ اس کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس واقعے کا اثر صبا کے والد پر اس طرح پڑتا ہے کہ وہ دل کے مریض ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر احسان مریضوں کی خدمت میں خود کو مصروف کر لیتا ہے اور صبا اور گھر سے کچھ بے تعلق سا ہو جاتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد احسان کام کاج کرنا بھی بند کر دیتا ہے۔ اسی دوران صبا ماں بننے والی ہوتی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ احسان ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ دیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ صبا کے دن اسی طرح گزرتے رہے اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ پانچ بچوں کی ماں بن جاتی ہے۔

صبا جب اپنی حقیقی دنیا میں لوٹتی ہے اور اپنے آس پاس کا جائزہ لیتی ہے تو پہلی بار اسے محسوس ہوتا ہے کہ گھر میں کافی تنگ دستی ہے۔ جب گھر کے خرچ کے سلسلے میں احسان اس کو حیران و پریشان دیکھتا ہے تو وہ دوبارہ ملازمت اختیار کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ صبا یہ سن کر خوش ہو جاتی ہے اور کہتی ہے "ہمارے بچے کب تک اتنی مصیبت اٹھائیں گے۔" چند ہی دنوں میں گھر کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ ان کی بڑی بیٹی "نوید" اب سیانی ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ ایک مشاعرے میں شرکت کرتی ہے تو ایک کالا بھجنگ شاعر اس سے کہتا ہے کہ "آپ یہاں سے ہٹ جایئے ورنہ میں اندھا ہو جاؤں گا۔" جس پر نوید کو بڑا غصہ آتا ہے اور وہ اپنی ماں سے شکایت کرتی ہے۔

صبا پورے سترہ برس کے بعد ڈاکٹر احسان کی حقیقی معنوں میں شریک حیات بنتی ہے اور ہر جگہ اس کے ساتھ جاتی ہے۔ ایسی ہی کسی تقریب میں اس کی ملاقات اجمل نورانی سے ہوتی ہے وہ ایک خوب صورت عورت سے شادی رچا کر بڑے مزے سے زندگی گزار رہا تھا۔ وہ کئی بچوں کا باپ بن چکا تھا۔ باتوں باتوں میں اجمل کہتا ہے کہ شاعر کی محبوبہ تو کوئی بھی لڑکی بن سکتی ہے، لیکن بیوی بننے کے لیے کچھ اور بھی چاہیے۔ صبا یہ بات سن کر بے اختیار پوچھتی ہے "اور کیا چاہیئے۔" اجمل پہلے تو اس غیر متوقع سوال پر گھبرا جاتا ہے، لیکن فوراً سنبھل کر کہتا ہے۔ "پتھر کا جگر اور صبر کا لازوال مادہ" یہ سن کر صبا کو دل کا دورہ پڑتا ہے اور وہ تڑپ اٹھتی ہے۔ احسان انجکشن لگاتے ہوئے کہتا ہے "ذرا صبر کرو" اس انجکشن سے فائدہ ہو جائے گا۔ جس پر وہ کہتی ہے "صبر کہاں ہے میرے پاس" اس درد کو سہنے کے لیے پتھر کا جگر چاہیے اور وہ یوں اس درد سے ہار مان جاتی ہے۔ اس طرح ناول اختتام کو پہنچتا ہے۔

6.3.4 مشکل الفاظ:

نشوونما	پرورش پانا، ترقی کرنا، بڑھنا اور اگنا	Growth / Development
وبال جان	مصیبت، گلے پڑنا، مشکل ہونا	Life-threatening danger / Menace
مول	قیمت، بھاؤ، دام	Value / Worth / Price
زلف	بال، لٹ	Hair / Tresses
رخسار	گال، (مجازاً چہرہ)	Cheek
نذر	تحفہ، انعام، پیش کرنے کا عمل	Vow / Offering / Dedication
اجڈ	دیہاتی، ناسمجھ، جاہل	Uncivilized / Illiterate
ٹاپس	کانوں میں پہننے کے بندے	Gemstone / Jewel
سرخی آمیز	لالی لیے ہوئے، جس میں لال رنگ شامل ہو	Reddish / Rosy
شفقت	مہربانی، محبت، رحم	Compassion / Kindness
شغف	بہت زیادہ لگاؤ، بے حد محبت کرنا	Passion / Deep interest

6.3.5 مشقیں:

مشق 1: اقتباسات اور خلاصے کی مدد سے خالی جگہ کو پر کیجیے۔

1۔ یہ شاعر کیسے..................ہوتے ہیں؟

2۔ شاعروں سے میری اتنی دلچسپی پر سہیلیاں......................کرتی تھیں۔

3۔ جگرؔ صاحب نے بڑی..................سے مجھے اپنے پاس بلایا۔

4۔ بھلا کوئی تک ہے کہ میرے اتنے خوب صورتی سے لکھے ہوئے خط کا اتنا................جواب!

5۔ جیلانی بانو کا ناول "پتھر کا جگر" ....کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔

مشق 2: نیچے دیے گئے الفاظ کی ضد لکھیے۔

1۔ دوست ....

2۔ مصیبت ....

3۔ شغف ....

4۔ خوف ....

5۔ مفلس ....

مشق 3: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ناول ”پتھر کا جگر“ جیلانی بانو نے لکھا ہے۔ ( )

2۔ ناول ”پتھر کا جگر“ لکھنؤ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ ( )

3۔ جیلا بانو کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی۔ ( )

4۔ ناول ”پتھر کا جگر“ کا موضوع عشق ہے۔ ( )

5۔ جیلانی بانو کے پہلے ناول کا عنوان ”روشنی کے مینار“ ہے۔ ( )

6.4 نمونۂ امتحانی سوالات

6.4.1 معروضی سوالات:

1۔ ڈپٹی نذیر احمد کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a)1820 (b)1825 (c)1830 (d)1836

2۔ اردو کا پہلا ناول کون سا ہے؟

(a)ایامیٰ (b)ابن الوقت (c)توبتہ النصوح (d)مراۃ العروس

3۔ ناول ”توبتہ النصوح“ کب شائع ہوا؟

(a)1869 (b)1870 (c)1874 (d)1872

4۔ جیلانی بانو کی پیدائش اتر پردیش کے کس شہر میں ہوئی؟

(a) میرٹھ (b)بدایوں (c)آگرہ (d)بجنور

5۔ جیلانی بانو کے پہلے ناول کا نام کیا ہے؟

(a)ایوان غزل (b)بارش سنگ (c)روشنی کے مینار (d)پتھر کا جگر

6۔ صبا جیلانی بانوں کے کس ناول کا کردار ہے؟

(a)ایوان غزل (b)بارش سنگ (c)روشنی کے مینار (d)پتھر کا جگر

7۔ نذیر احمد کی پیدائش اتر پردیش کے کس شہر میں ہوئی؟

(a)میرٹھ (b)بدایوں (c)بجنور (d)آگرہ

8۔ نعیمہ نذیر احمد کے کس ناول کا کردار ہے؟

(a)ایامیٰ (b)ابن الوقت (c)توبتہ النصوح (d)مراۃ العروس

9۔ ناول "پتھر کا جگر" کس شہر کے پس منظر میں لکھا گیا ہے؟

(a) ممبئ (b) دہلی (c) کلکتہ (d) حیدرآباد

10۔ جیلانی بانو کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a)1932 (b)1936 (c)1940 (d)1942

6.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

2۔ جیلانی بانو کا تعارف پیش کیجیے۔

3۔ نذیر احمد کی تخلیقات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ ناول """توبتہ النصوح" کے اہم کرداروں کے نام لکھیے۔

5۔ ناول "پتھر کا جگر" کے کردار "صبا" کے بارے میں لکھے۔

6.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول "توبتہ النصوح" کا خلاصہ پیش کیجیے۔

2۔ ناول "پتھر کا جگر" کا خلاصہ لکھیے۔

3۔ ناول "توبتہ النصوح" کے موضوعات پر روشنی ڈالیے۔

6.4.1 کے جوابات: 1۔d 2۔d 3۔c 4۔b 5۔a

6۔d 7۔c 8۔c 9۔d 10۔b

اکائی 7: افسانہ

(کابلی والا، عید گاہ)

اکائی کے اجزا

7.0		تمہید
7.1		مقاصد
7.2		افسانہ: کابلی والا
	7.2.1	رابندر ناتھ ٹیگور کا تعارف
	7.2.2	افسانہ "کابلی والا" کا متن (اقتباس)
	7.2.3	خلاصہ
	7.2.4	مشکل الفاظ
	7.2.5	مشقیں
7.3		افسانہ: عید گاہ
	7.3.1	پریم چند کا تعارف
	7.3.2	افسانہ "عید گاہ" کا متن (اقتباس)
	7.3.3	خلاصہ
	7.3.4	مشکل الفاظ
	7.3.5	مشقیں
7.4		نمونۂ امتحانی سوالات

7.0 تمہید

افسانہ اردو ادب کی مقبول ترین صنف ہے۔ اردو ادب میں متعارف ہونے والے ابتدائی افسانے طبع زاد نہیں تھے، بلکہ دوسری زبانوں سے ترجمہ شدہ یا دوسری زبانوں کے افسانوی ادب سے ماخوذ تھے۔ ان میں بنگالی زبان کے افسانے بطور خاص تھے۔ اردو میں طبع زاد افسانے کی ابتدا منشی پریم چند سے ہوتی ہے۔ پریم چند کی تحریر کردہ کہانی "دنیا کا سب سے انمول رتن" اردو کا پہلا باقاعدہ افسانہ تسلیم کیا جاتا

ہے۔اس اکائی میں آپ بنگالی زبان کے مشہور ادیب "رابندر ناتھ ٹیگور" کے بہترین افسانے "کابلی والا" اوراردو کے معروف فکشن نگار پریم چندکے اہم افسانے "عید گاہ" کے بارے میں پڑھیں گے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- افسانہ نگار رابندر ناتھ ٹیگور سے واقف ہو سکیں۔
- افسانہ "کابلی والا" کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- افسانہ "کابلی والا" کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔
- افسانہ نگار پریم چند سے واقف ہو سکیں۔
- افسانہ "عید گاہ" کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- افسانہ "عید گاہ" کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔

7.2 افسانہ: کابلی والا

7.2.1 رابندر ناتھ ٹیگور کا تعارف:

افسانہ "کابلی والا" کے مصنف کا نام رابندر ناتھ ٹیگور ہے۔ ٹیگور کا اصل نام رابندر ناتھ ٹھاکر تھا، جو بگڑ کر ٹیگور ہو گیا اور وہ اسی نام سے پوری ادبی دنیا میں مشہور ہوئے۔ ٹیگور بنگالی زبان کے نوبل انعام یافتہ شاعر، فلسفی اور افسانہ و ناول نگار تھے۔ ٹیگور کی پیدائش 1861ء میں کلکتہ میں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کلکتہ ہی میں حاصل کی۔ ٹیگور کی پہلی کتاب صرف 17 برس کی عمر میں شائع ہوئی۔ پھر قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر 1878 میں انگلستان گئے۔ ڈیڑھ سال بعد ڈگری لیے بغیر لوٹ آئے اور اپنے طور پر پڑھنے لکھنے اور اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے کئی افسانے لکھے اور شاعری کی طرف بھی توجہ دی۔ ٹیگور نے زیادہ تر چیزیں بنگالی زبان میں لکھیں۔ 1901 میں بولپور بنگال کے مقام پر" شانتی نکتین" کے نام سے مشرقی اور مغربی فلسفے پر ایک نئے ڈھنگ کے اسکول کی بنیاد ڈالی، جس نے 1921 میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کی۔ 1913 میں انہیں ادب کا نوبل پرائز ملا۔ اس کے علاوہ 1915 ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں "سر" کا خطاب دیا گیا، لیکن برطانوی راج میں پنجاب میں عوام پر تشدد کے خلاف احتجاج کے طور پر انہوں نے "سر" کا خطاب واپس کر دیا۔ ٹیگور نے تقریباً تین ہزار گیت لکھے، بے شمار نظمیں لکھیں، مختصر افسانے لکھے، چند ڈرامے بھی لکھے۔ ہندوستان کی کئی جامعات اور آکسفورڈ یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا۔ ٹیگور کو بنگالی زبان کا شیکسپیئر بھی کہا جاتا ہے۔1934 کے بعد ٹیگور کی صحت خراب ہو گئی اور 1941 کو یہ عظیم افسانہ نگار کلکتہ میں انتقال کر گئے۔

7.2.2 افسانہ "کابلی والا" کا متن (اقتباس):

میری پنج سالہ بچی منی ایک لمحہ کے لیے خاموش نہیں رہ سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے اپنی تمام عمر میں ایک لمحہ

بھی خاموشی میں ضائع نہیں کیا۔ اس کی ماں اکثر اس سے تنگ آکر اسے کوستی لیکن میں نہیں۔ میرے نزدیک منی کو خاموش دیکھنا غیر فطری بات ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ ہمیشہ محبت بھری باتیں کرتا ہوں۔

ایک صبح جب کہ میں اپنے نئے ناول کے سترھویں باب کا آدھا حصہ پڑھ چکا تھا، میری چھوٹی سی منی میرے کمرے میں گھس آئی اور میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے بولی، ''ابا، رام دیال نوکر کو اکو خوا کہتا ہے اسے کچھ نہیں آتا۔ کیا اسے کچھ آتا ہے؟'' پیشتر اس کے کہ میں اسے زبانی اختلاف بتاتا، جو کہ دنیا کی ہر زبان میں موجود ہے۔ اس نے ایک اور سوال کر دیا، ''ابا تمہارا کیا خیال ہے؟ بھولا کہتا ہے بادلوں میں ایک ہاتھی چھپا ہوا ہے جو کہ اپنی سونڈ سے پانی برساتا ہے، اس لیے تو بارش ہوتی ہے۔''

....

''کابلی والا۔۔۔کابلی والا۔'' واقعی نیچے گلی میں سے کابلی والا گزر رہا تھا۔ وہ اپنے ملک کے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر لمبی سی پگڑی تھی اور ہاتھوں میں انگور کے ڈبے اٹھائے ہوئے تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس آدمی کے متعلق میری منی کے کیا خیالات تھے لیکن اس نے اسے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔

''آہ۔'' میں نے خیال کیا کہ ابھی وہ اندر آ جائے گا اور میرا سترھواں باب کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔ عین اسی وقت کابلی والے نے مڑ کر بچی کو دیکھا۔ اس کو بہت ڈر لگا اور اپنی ماں کے آغوش میں چھپنے کے لیے بھاگی اور غائب ہو گئی۔ منی کا خیال تھا کہ کابلی والے کی پشت پر جو صندوقچہ ہے (جسے ایک آدمی نے اٹھایا ہوا ہے) اس میں اس کی عمر کے ہی دو تین بچے ہیں۔

یہ پھیری والا اتنے میں میرے کمرے میں آ گیا اور متبسم لہجہ میں مجھے دعائیں دیں۔ میرے ناول کے ہیرو اور ہیروئن کی حالت نازک تھی۔ تاہم مجھے اس سے کچھ خریدنا ہی پڑا۔ اگر کوئی آجائے تو اسے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ چلا جا۔ اس خرید وفروخت کے دوران میں ہم میں روسیوں، انگریزوں اور سرحدی پالیسی کے متعلق باتیں ہوتی رہیں اور جب وہ جانے لگا تو اس نے پوچھا، ''چھوٹی بچی کہاں ہے جناب؟''

....

ایک صبح کابلی والے کے واپس جانے سے چند دن پیشتر میں کمرے میں بیٹھا ہوا محو مطالعہ تھا۔ موسم سرد تھا۔ کھڑکی سے سورج کی کرنیں میرے پاؤں پر گر رہی تھیں اور خفیف سی حرارت پہنچا رہی تھیں۔ اس وقت تقریباً آٹھ بجے کا وقت تھا اور پٹڑی پر چلنے والے اپنے سروں کو ڈھانپے ہوئے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔

یکایک میں نے گلی میں شور سنا۔ باہر گردن نکال کر دیکھا تو کابلی والا دو پولیس کے سپاہیوں کے درمیان آ رہا تھا اور اس کے پیچھے لڑکوں کا ہجوم تھا۔ کابلی والے کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے اور ایک سپاہی چاقو اٹھائے ہوئے تھا۔ میں جلدی سے باہر نکلا اور پوچھا کیا معاملہ ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص نے رام پوری شال کا سودا کیا لیکن بعد ازاں اس نے خریدنے سے انکار کر دیا اور اسی جھگڑے کے دوران میں رحمت نے اسے زخمی کر دیا اور اب اپنے غصے کی حرارت میں مجرم اپنے دشمن کو مختلف برے ناموں سے پکار رہا تھا۔ یکایک میری بچی منی اس کی آواز سن کر میرے مکان کے

برآمدے میں آئی اور کہنے لگی، ''او کابلی والا، کابلی والا۔۔۔''

میں نے فوراً ہی اندر سے منی کو بلوا بھیجا۔ بہت سی مشکلات حائل ہوئیں لیکن میں نے پرواہ نہ کی۔ منی شادی کے لال سلک کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اس کے ماتھے پر صندل کا قشقہ چمک رہا تھا۔ وہ ایک جوان دلہن کی طرح آئی اور میرے پاس پرحجاب کھڑی ہو گئی۔ کابلی وانے نے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں گزرے ہوئے دنوں کا نقشہ کھنچ گیا اور ہنستے ہوئے بولا، ''چھوٹی سی منی کیا تم اپنے سسر کے گھر جا رہی ہو؟''

لیکن اب منی لفظ کے معنی سمجھتی تھی، اس لیے وہ خاموش رہی اور نئی نویلی دلہن کی طرح سرنگوں کھڑی رہی۔ اس کے بعد وہ چلی گئی اور رحمت نے ایک سرد آہ بھری اور فرش پر بیٹھ گیا۔ اسے خیال آیا کہ اس کی لڑکی بھی اس لڑکی کی طرح اب جوان ہو گی اور اسے اس کو ایک نئے دوست سے آشنائی کروانی ہے آہ۔۔۔ معلوم نہیں، ان آٹھ سالوں میں اس کے ساتھ کیا بیتی؟

شادی کی شہنائیاں گونج رہی تھیں اور سورج اپنی کرنیں ادھر ادھر چھینک رہا تھا لیکن رحمت کلکتہ کی ایک گلی میں خاموش بیٹھا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے افغانستان کے بنجر پہاڑ گھوم رہے تھے۔ میں نے اسے ایک نوٹ دیتے ہوئے کہا، ''رحمت اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اور اپنی بچی سے ملو، ممکن ہے یہ کار ثواب میری بچی کی مسرتوں میں اضافہ کر دے۔''

اس کے بعد میں چند ضروری کاموں میں لگ گیا کیونکہ میں نے سوچا ہوا تھا کہ بجلی کے بلب جلائے جائیں گے اور ملٹری کا بینڈ بھی منگواؤں گا لیکن گھر کی عورتوں کو میرے اس پروگرام سے محروم ہونا پڑا کیوں کہ اس شادی سے زیادہ مجھے جس چیز کی مسرت تھی وہ یہ تھی کہ ایک مدت کا کھویا ہوا باپ دور کسی ملک میں جاکر پھر اپنے اکیلی بچی سے ملے گا۔

7.2.3 خلاصہ:

''کابلی والا'' بنگالی ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کا مشہور افسانہ ہے۔ اس افسانے میں ایک پانچ سالہ بچی ''منی'' اور ''کابلی والے'' کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ میری پانچ برس کی منی گھڑی بھر بھی خاموش نہیں رہتی۔ وہ کبھی اپنے نوکر کی شکایت لے کر آجاتی کہ بابو جی سبودھ کوے کو کاگ کہتا ہے۔ کبھی یہ کہتی کہ بھولا کہتا ہے کہ ہاتھی اپنی سونڈ سے بارش برساتا ہے۔ ایک دن وہ ننھی بچی کابلی والے کی پکار لگا رہی تھی۔ کابلی والا اس علاقے میں خشک میوہ جات بیچنے آتا تھا۔ کابلی کے کندھے پہ میووں کا تھیلا اور ہاتھوں میں انگوروں کی پٹاری ہوتی تھی۔ موٹے کپڑے کا ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنے، صافہ باندھے وہ لمبے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ منی کی پکار سن کر کابلی والے نے اس کی طرف دیکھا، جس سے منی گھبرا گئی۔ منی کی ماں اکثر اس سے کہا کرتی تھی کہ کابلی والے بچوں کو تھیلے میں ڈال کر اٹھالے جاتے ہیں، اس لیے منی کابلی والے کو دیکھ کر گھبرا جاتی تھی۔

منی کے والد نے اس کا یہ خوف ختم کرنے کے لیے کابلی والے کو اندر بلایا اور دونوں کی پہچان کروائی۔ کابلی والا منی کو اپنی جھولی سے بادام اور کشمش نکال کر دیتا تھا۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ منی کابلی والے سے میوے لے کر کھا رہی تھی، جس کے عوض اس کے بابو نے

کابلی والے کو اٹھنی دی۔ اس وقت تو اس کو اس نے جیب میں رکھ لی، مگر بعد میں وہ منی کو لوٹا گیا۔ کابلی والے کا نام رحمت تھا۔ اس اب منی کی اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

کابلی والا اکثر منی سے کہتا کہ 'منی سسرال جاؤ گی؟' منی الٹا یہ سوال کابلی والے سے کرتی تو رحمت گھونسا تان کر کہتا "میں تو سسرے کو ماروں گا۔" اور اس طرح دونوں کھل کھلا کر ہنس دیتے۔ ہر سال ٹھنڈی ختم ہوتے ہی رحمت اپنے گھر جانے کی تیاری کرتا اور گھر، گھر جا کر اپنا روپیہ وصول کرتا تھا۔ ایک دن شور کی آواز سنائی دی۔ معلوم ہوا رحمت کو پولیس لے جا رہی ہے۔

ایک چپراسی نے کابلی والے سے ایک چادر لی تھی اور اب دام دینے سے انکار کر رہا تھا، جس کی وجہ سے دونوں میں جھگڑا ہو گیا تو کابلی والے نے اس پہ چاقو سے حملہ کر دیا، جس کی وجہ سے اسے جیل جانا پڑا۔ اس وقت رحمت نے منی کو دیکھا اور اپنا پسندیدہ سوال کیا۔ رحمت کا چہرہ دم بھر کے لیے خوشی سے کھل اٹھا۔ اس جرم میں رحمت کو سات سال کی سزا ہوئی۔ اس دوران منی بڑی ہو گئی اور پھر اس کی شادی بھی طے ہو گئی۔

ایک روز کابلی والا آیا۔ اس سے منی کے والد نے کہا "پھر کسی روز آؤ، آج میں مصروف ہوں۔" اس روز منی کی شادی تھی۔ کابلی والا کہنے لگا کہ یہ کچھ کشمش، بادام منی کے لیے لایا تھا، اس کو دے دیجیے۔ جاتے جاتے کابلی والا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگا کہ منی میری بھی بیٹی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی بیٹی کی تصویر دکھائی کہ کابلی والے کے پاس ایک میلے کاغذ کی پڑیا تھی، جس پر ایک چھوٹے ہاتھ کا نشان تھا، جو کابلی والے کی بیٹی کی تصویر تھی، جسے وہ سینے سے لگائے رکھتا تھا۔ یہ دیکھ کر منی کے والد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ منی دلہن کے لباس میں تھی اس کے باوجود انہوں نے منی کو بلایا، جسے دیکھ کر کابلی والا گھبرا گیا اور اتنا ہی بول سکا کہ "منی سسرال جا رہی ہے۔" اب منی سسرال کے معنی سمجھنے لگی تھی۔ اس نے شرما کے سر جھکا لیا۔ اچانک رحمت زمین پر بیٹھ گیا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کو یکایک احساس ہوا کہ اس کی لڑکی بھی اتنے دنوں میں بڑی ہو گئی ہو گی۔ وہ گزرے ہوئے آٹھ برسوں کی یاد میں کھو گیا۔ منی کے والد نے رحمت کو ایک نوٹ دیا اور کہا کہ رحمت اب تم اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ تمہاری بیٹی تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔

7.2.4 مشکل الفاظ:

کوسنا	برا بھلا کہنا، بد دعا دینا	To curse
پیشتر	اس سے پہلے، بہت پہلے	Earlier / Previously
عین اسی وقت	بالکل اسی وقت	At the very moment / Just then
صندوقچہ	چھوٹا باکس / چھوٹا ڈبہ	Small box / Casket
متبسم	مسکرانے والا، خوش مزاج	Smiling / Beaming
صندل	ایک قسم کی سفید خوشبودار لکڑی کا نام	Sandal / Sandalwood
قشقہ	تلک جو ماتھے پر لگایا جاتا ہے	Tassel / Decorative fringe
مسرت	خوش ہونا، خوشی کی کیفیت	Joy / Happiness

7.2.5 مشقیں:

مشق 1: اقتباس اور خلاصے کی مدد سے خالی جگہ کو پر کیجیے۔

i. کابلی والے کا نام...................... تھا۔

ii. میں اپنے ناول کا......................باب پڑھ چکا تھا۔

iii. میں نے فوراًہی......................کو بلوا بھیجا۔

مشق 2: متن اور خلاصے کی مدد سے درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. صافہ ....

ii. ڈیل ڈول ....

iii. کابلی والا ....

مشق 3: نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. وار خالی جانا ....

ii. مال دبا لینا ....

iii. لین دین کرنا ....

مشق 4: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

i. کابلی والے کا اصل نام رحمت تھا۔ (   )

ii. منی ایک پانچ برس کی بچی تھی۔ (   )

iii. کابلی والا چنے بیچتا تھا۔ (   )

iv. رویندر ناتھ ٹیگور کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ (   )

7.3 افسانہ: عید گاہ

7.3.1 پریم چند کا تعارف:

افسانہ "عید گاہ" اردو کے مشہور و معروف افسانہ نگار منشی پریم چند کا لکھا ہوا ہے۔ پریم چند کا اصل نام "دھنپت رائے تھا۔ ان کی پیدائش 31 جولائی 1880 کو بنارس کے ایک گاؤں لمہی میں ہوئی۔ پریم چند کا ابتدائی نام "نواب رائے" تھا اور اسی نام سے لکھا کرتے تھے، لیکن پہلے افسانوی مجموعے "سوز وطن" کے ضبط ہو جانے کے بعد وہ دیا نرائن نگم کے مشورے پر پریم چند کے فرضی نام سے لکھنے لگے

اور انہیں اسی نام سے ادبی دنیا میں شہرت ملی۔ پریم چند کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا، جو ڈاک خانہ میں کلرک تھے۔ پریم چند نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آگے کی تعلیم بنارس اور الہ آباد سے حاصل کی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری ملازم ہو گئے۔ پریم چند کا انتقال 8 اکتوبر 1936 کو بنارس میں ہوا۔

پریم چند نے ایک درجن سے زیادہ ناول اور تقریباً تین سو (300) افسانے تخلیق کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں ہندوستان کے دیہاتوں کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ انہوں نے دیہات سے تعلق رکھنے والے پروہت، مہاجن، زمین دار، اعلیٰ طبقے کے لوگ، غریب، مزدور، کسان وغیرہ کو اپنے افسانوں میں بہت ہی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔

7.3.2 افسانہ ''عید گاہ'' کا متن (اقتباس):

.... کھلونوں کی خرید شروع ہوتی ہے۔ سپاہی اور گجریا اور راجہ رانی اور وکیل اور دھوبی اور بہشتی بے امتیاز ران سے ران ملائے بیٹھے ہیں۔ دھوبی راجہ رانی کی بغل میں ہے اور بہشتی وکیل صاحب کی بغل میں۔ واہ کتنے خوبصورت، بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود سپاہی پر لٹو ہو جاتا ہے۔ خاکی وردی اور پگڑی لال، کندھے پر بندوق، معلوم ہوتا ہے ابھی قواعد کے لئے چلا آ رہا ہے۔ محسن کو بہشتی پسند آیا۔ کمر جھکی ہوئی ہے اس پر مشک کا دہانہ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔ دوسرے ہاتھ میں رسی ہے، کتنا بشاش چہرہ ہے، شاید کوئی گیت گا رہا ہے۔ مشک سے پانی ٹپکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نوری کو وکیل سے مناسبت ہے۔ کتنی عالمانہ صورت ہے، سیاہ چغہ نیچے سفید اچکن، اچکن کے سینہ کی جیب میں سنہری زنجیر، ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ابھی کسی عدالت سے جرح یا بحث کر کے چلے آ رہے ہیں۔ یہ سب دو دو پیسے کے کھلونے ہیں۔ حامد کے پاس کل تین پیسے ہیں۔ اگر دو کا ایک کھلونا لے لے تو پھر اور کیا لے گا؟ نہیں کھلونے فضول ہیں۔ کہیں ہاتھ سے گر پڑے تو چور چور ہو جائے۔ ذرا سا پانی پڑ جائے تو سارا رنگ دھل جائے۔ ان کھلونوں کو لے کر وہ کیا کرے گا، کس مصرف کے ہیں؟

محسن کہتا ہے، ''میرا بہشتی روز پانی دے جائے گا صبح شام۔''

نوری بولی، ''اور میرا وکیل روز مقدمے لڑے گا اور روز روپے لائے گا۔''

حامد کھلونوں کی مذمت کرتا ہے۔ مٹی کے ہی تو ہیں، گریں تو چکنا چور ہو جائیں، لیکن ہر چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لئے انہیں ہاتھ میں لے سکتا۔ یہ بساطی کی دکان ہے، طرح طرح کی ضروری چیزیں، ایک چادر بچھی ہوئی ہے۔ گیند، سیٹیاں، بگل، بھنورے، ربڑ کے کھلونے اور ہزاروں چیزیں۔ محسن ایک سیٹی لیتا ہے محمود گیند، نوری ربڑ کا بت جو چوں چوں کرتا ہے اور سمیع ایک بانسری۔ اسے وہ بجا بجا کر گائے گا۔ حامد کھڑا ہر ایک کو حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ جب اس کا رفیق کوئی چیز خرید لیتا ہے تو وہ بڑے اشتیاق سے ایک بار اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کے لیے لپکتا ہے۔ لیکن لڑکے اتنے دوست نواز نہیں ہوتے۔ خاص کر جب کہ ابھی دلچسپی تازہ ہے۔ بے چارہ یوں ہی مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔

کھلونوں کے بعد مٹھائیوں کا نمبر آیا۔ کسی نے ریوڑیاں لی ہیں، کسی نے گلاب جامن، کسی نے سوہن حلوہ۔ مزے سے کھا رہے ہیں۔ حامد ان کی برادری سے خارج ہے۔ کمبخت کی جیب میں تین پیسے تو ہیں، کیوں نہیں کچھ لے کر کھاتا۔ حریص نگاہوں سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔

محسن نے کہا، "حامد یہ ریوڑی لے جا کتنی خوشبودار ہیں۔"

حامد سمجھ گیا یہ محض شرارت ہے۔ محسن اتنا فیاض طبع نہ تھا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس گیا۔ محسن نے دونے سے دو تین ریوڑیاں نکالیں۔ حامد کی طرف بڑھائیں۔ حامد نے ہاتھ پھیلایا۔ محسن نے ہاتھ کھینچ لیا اور ریوڑیاں اپنے منہ میں رکھ لیں۔ محمود اور نوری اور سمیع خوب تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔ حامد کھسیانہ ہو گیا۔ محسن نے کہا، "اچھا اب ضرور دیں گے۔ یہ لے جاؤ۔ اللہ قسم۔"

حامد نے کہا، "رکھیے رکھیے کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟"

سمیع بولا، "تین ہی پیسے تو ہیں، کیا کیا لو گے؟"

محمود بولا، "تم اس سے مت بولو، حامد میرے پاس آؤ۔ یہ گلاب جامن لے لو"

حامد، "مٹھائی کون سی بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اس کی برائیاں لکھی ہیں۔"

محسن، "لیکن جی میں کہہ رہے ہو گے کہ کچھ مل جائے تو کھا لیں۔ اپنے پیسے کیوں نہیں نکالتے؟"

محمود، " اس کی ہوشیاری میں سمجھتا ہوں۔ جب ہمارے سارے پیسے خرچ ہو جائیں گے، تب یہ مٹھائی لے گا اور ہمیں چڑا چڑا کر کھائے گا۔"

حلوائیوں کی دکانوں کے آگے کچھ دکانیں لوہے کی چیزوں کی تھیں۔ کچھ گلٹ اور ملمع کے زیورات کی۔ لڑکوں کے لیے یہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ حامد لوہے کی دُکان پر ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ دست پناہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ دست پناہ خرید لے گا۔ ماں کے پاس دست پناہ نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اتارتی ہیں تو ہاتھ جل جاتا ہے۔ اگر وہ دست پناہ لے جا کر اماں کو دے دے تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ پھر ان کی انگلیاں کبھی نہیں جلیں گی۔ گھر میں ایک کام کی چیز ہو جائے گی۔ کھلونوں سے کیا فائدہ۔ مفت میں پیسے خراب ہوتے ہیں۔ ذرا دیر ہی تو خوشی ہوتی ہے پھر تو انہیں کوئی آنکھ اٹھا کر کبھی نہیں دیکھتا۔ یا تو گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جائیں گے یا چھوٹے بچے جو عید گاہ نہیں جا سکتے ہیں ضد کر کے لے لیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔

دست پناہ کتنے فائدہ کی چیز ہے۔ روٹیاں توے سے اتار لو، چولھے سے آگ نکال کر دے دو۔ اماں کو فرصت کہاں ہے بازار آئیں اور اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں۔ روز ہاتھ جلا لیتی ہیں۔ اس کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ سبیل پر سب کے سب پانی پی رہے ہیں۔ کتنے لالچی ہیں۔ سب نے اتنی مٹھائیاں لیں کسی نے مجھے ایک بھی نہ دی۔ اس پر کہتے ہیں میرے ساتھ کھیلو۔ میری تختی دھو لاؤ۔ اب اگر یہاں محسن نے کوئی کام کرنے کو کہا تو خبر لوں گا۔ کھائیں مٹھائیاں، آپ ہی منہ سڑے گا،

پھوڑے پھنسیاں نکلیں گی۔ آپ ہی زبان چٹوری ہو جائے گی۔ تب پیسے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔

....

حامد کا دل بیٹھ گیا۔ کلیجہ مضبوط کر کے بولا، تین پیسے لو گے؟ اور آگے بڑھا کہ دکاندار کی گھرکیاں نہ سنے، مگر دکاندار نے گھرکیاں نہ دیں۔ دست پناہ اس کی طرف بڑھا دیا اور پیسے لے لیے۔ حامد نے دست پناہ کندھے پر رکھ لیا، گویا بندوق ہے اور شان سے اکڑتا ہوا اپنے رفیقوں کے پاس آیا۔ محسن نے ہنستے ہوئے کہا، "یہ دست پناہ لایا ہے۔ احمق اسے کیا کرو گے؟"

حامد نے دست پناہ کو زمین پر پٹک کر کہا، "ذرا اپنا بہشتی زمین پر گرا دو، ساری پسلیاں چور چور ہو جائیں گی بچو کی۔"

محمود، "تو یہ دست پناہ کوئی کھلونا ہے؟"

حامد، "کھلونا کیوں نہیں ہے؟ ابھی کندھے پر رکھا، بندوق ہو گیا ہاتھ میں لے لیا فقیر کا چمٹا ہو گیا۔ چاہوں تو اس سے تمہاری ناک پکڑ لوں۔ ایک چمٹا دوں تو تم لوگوں کے سارے کھلونوں کی جان نکل جائے۔ تمہارے کھلونے کتنا ہی زور لگائیں، اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ میرا بہادر شیر ہے یہ دست پناہ۔"

سمیع متاثر ہو کر بولا، "میری خنجری سے بدلو گے؟ دو آنے کی ہے"

حامد نے خنجری کی طرف حقارت سے دیکھ کر کہا، "میرا دست پناہ چاہے تو تمہاری خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلی لگا دی، ڈھب ڈھب بولنے لگی۔ ذرا سا پانی لگے تو ختم ہو جائے۔ میرا بہادر دست پناہ تو آگ میں، پانی میں، آندھی میں، طوفان میں برابر ڈٹا رہے گا۔"

میلہ بہت دور پیچھے چھوٹ چکا تھا۔ دس بج رہے تھے۔ گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ اب دست پناہ نہیں مل سکتا تھا۔ اب کسی کے پاس پیسے بھی تو نہیں رہے، حامد ہے بڑا ہوشیار۔

اب دو فریق ہو گئے، محمود، محسن اور نوری ایک طرف۔ حامد یکہ و تنہا دوسری طرف۔ سمیع غیر جانبدار ہے جس کی فتح دیکھے گا اس کی طرف ہو جائے گا۔ مناظرہ شروع ہو گیا۔ آج حامد کی زبان بڑی صفائی سے چل رہی ہے۔ اتحادِ ثلاثہ اس کے جارحانہ عمل سے پریشان ہو رہا ہے۔ ثلاثہ کے پاس تعداد کی طاقت ہے، حامد کے پاس حق اور اخلاق، ایک طرف مٹی ربڑ اور لکڑی کی چیزیں دوسری جانب اکیلا لوہا۔ جو اس وقت اپنے آپ کو فولاد کہہ رہا ہے۔ وہ روئیں تن ہے۔ صف شکن ہے۔ اگر کہیں شیر کی آواز کان میں آ جائے تو میاں بہشتی کے اوسان خطا ہو جائیں۔ میاں سپاہی مٹی کی بندوق چھوڑ کر بھاگیں۔ وکیل صاحب کا سارا قانون پیٹ میں سما جائے۔ چغے میں منہ چھپا کر لیٹ جائیں۔ مگر بہادر یہ رستمِ ہند لپک کر شیر کی گردن پر سوار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں نکال لے گا۔

محسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا، "اچھا تمہارا دست پناہ پانی تو نہیں بھر سکتا۔" حامد نے دست پناہ کو سیدھا کر کے کہا، "کہ یہ بہشتی کو ایک ڈانٹ پلائے گا تو دوڑا ہوا پانی لا کر اس کے دروازے پر چھڑکنے لگے گا۔ جناب اس سے چاہے

گھڑے مٹکے اور کونڈے بھر لو۔"

محسن کا ناطقہ بند ہو گیا۔نوری نے کمک پہنچائی، "بچہ گرفتار ہو جائیں تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے۔تب تو ہمارے وکیل صاحب ہی پیروی کریں گے۔بولیے جناب۔"

حامد کے پاس اس وار کا دفیعہ اتنا آسان نہ تھا، دفعتاً اس نے ذرا مہلت پا جانے کے ارادے سے پوچھا، "اسے پکڑنے کون آئے گا؟"

محمود نے کہا،"یہ سپاہی بندوق والا" حامد نے منھ چڑا کر کہا "یہ بے چارے اس رستم ہند کو پکڑ لیں گے؟ اچھا لاؤ ابھی ذرا مقابلہ ہو جائے۔اس کی صورت دیکھتے ہی بچہ کی ماں مر جائے گی تو پکڑیں گے کیا بے چارے"محسن نے تازہ دم ہو کر وار کیا،"تمہارے دست پناہ کا منھ روز آگ میں جلا کرے گا۔" حامد کے پاس جواب تیار تھا، "آگ میں بہادر کودتے ہیں جناب۔تمہارے یہ وکیل اور سپاہی اور بہشتی ڈرپوک ہیں۔سب گھر میں گھس جائیں گے۔آگ میں کودنا وہ کام ہے جو رستم ہی کر سکتا ہے۔"

نوری نے انتہائی جودت سے کام لیا، "تمہارا دست پناہ باورچی خانہ میں زمین پر پڑا رہے گا۔میرا وکیل شان سے میز کرسی لگا کر بیٹھے گا۔اس جملہ نے مردوں میں بھی جان ڈال دی، سمیع بھی جیت گیا۔بے شک بڑے معرکے کی بات کہی، دست پناہ باورچی خانہ میں پڑا رہے گا۔"

حامد نے دھاندلی کی، میرا دست پناہ باورچی خانہ میں رہے گا، وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گے تو جا کر انہیں زمین پر پٹک دے گا اور سارا قانون ان کے پیٹ میں ڈال دے گا۔

....

محسن نے کہا،"ذرا اپنا چمٹا دو۔ہم بھی تو دیکھیں۔تم چاہو تو ہمارا وکیل دیکھ لو حامد!" ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔وہ فیاض طبع فاتح ہے۔دست پناہ باری باری سے محمود، محسن، نور اور سمیع سب کے ہاتھوں میں گیا اور ان کے کھلونے باری باری حامد کے ہاتھ میں آئے۔کتنے خوبصورت کھلونے ہیں، معلوم ہوتا ہے بولا ہی چاہتے ہیں۔مگر ان کھلونوں کے لئے انہیں دعا کون دے گا؟ کون کون ان کھلونوں کو دیکھ کر اتنا خوش ہو گا جتنا اماں جان دست پناہ کو دیکھ کر ہوں گی۔اسے اپنے طرزِ عمل پر مطلق پچھتاوا نہیں ہے۔پھر اب دست پناہ تو ہے اور سب کا بادشاہ۔راستے میں محمود نے ایک پیسے کی ککڑیاں لیں۔اس میں حامد کو بھی خراج ملا حالانکہ وہ انکار کرتا رہا۔محسن اور سمیع نے ایک ایک پیسے کے فالسے لیے، حامد کو خراج ملا۔یہ سب رستم ہند کی برکت تھی۔

....

اب رہے میاں محمود کے سپاہی۔وہ محترم اور ذی رعب ہستی ہے اپنے پیروں چلنے کی ذلت اسے گوارا نہیں۔محمود نے اپنی بکری کا بچہ پکڑا اور اس پر سپاہی کو سوار کیا۔محمود کی بہن ایک ہاتھ سے سپاہی کو پکڑے ہوئے تھی اور محمود بکری

کے بچہ کا کان پکڑ کر اسے دروازے پر چلا رہا تھا اور اس کے دونوں بھائی سپاہی کی طرف سے تھونے والے داگتے لہو پکارتے چلتے تھے۔معلوم نہیں کیا ہوا، میاں سپاہی اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑے اور اپنی بندوق لیے زمین پر آ رہے۔ایک ٹانگ مضروب ہو گئی۔مگر کوئی مضائقہ نہیں، محمود ہوشیار ڈاکٹر ہے۔ڈاکٹر نگم اور بھاٹیہ اس کی شاگردی کر سکتے ہیں اور یہ ٹوٹی ٹانگ آناً فاناً میں جوڑ دے گا۔صرف گولر کا دودھ چاہیئے۔گولر کا دودھ آتا ہے۔ٹانگ جوڑی جاتی ہے لیکن جوں ہی کھڑا ہوتا ہے، ٹانگ پھر الگ ہو جاتی ہے۔عملِ جراحی ناکام ہو جاتا ہے۔تب محمود اس کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دیتا ہے۔اب وہ آرام سے ایک جگہ بیٹھ سکتا ہے۔ایک ٹانگ سے تو نہ چل سکتا تھا نہ بیٹھ سکتا تھا۔اب وہ گوشہ میں بیٹھ کر ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے گا۔

اب میاں حامد کا قصہ سنئے۔امینہ اس کی آواز سنتے ہی دوڑی اور اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔دفعتاً اس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر چونک پڑی۔"یہ دست پناہ کہاں تھا بیٹا؟"

"میں نے مول لیا ہے، تین پیسے میں۔"

امینہ نے چھاتی پیٹ لی، "یہ کیسا بے سمجھ لڑکا ہے کہ دوپہر ہو گئی۔نہ کچھ کھایا نہ پیا۔لایا کیا یہ دست پناہ۔سارے میلے میں تجھے اور کوئی چیز نہ ملی۔

حامد نے خطاوارانہ انداز سے کہا، تمہاری انگلیاں توے سے جل جاتی تھیں کہ نہیں؟"

امینہ کا غصہ فوراً شفقت میں تبدیل ہو گیا۔اور شفقت بھی وہ نہیں جو منہ پر بیان ہوتی ہے اور اپنی ساری تاثیر لفظوں میں منتشر کر دیتی ہے۔یہ بے زبان شفقت تھی۔دردِ التجا میں ڈوبی ہوئی۔اف کتنی نفس کشی ہے۔کتنی جانسوزی ہے۔غریب نے اپنے طفلانہ اشتیاق کو روکنے کے لیے کتنا ضبط کیا۔جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے، مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے، اس کا دل کتنا لہراتا ہو گا۔اتنا ضبط اس سے ہوا۔کیونکہ اپنی بوڑھی ماں کی یاد اسے وہاں بھی رہی۔میرا لال میری کتنی فکر رکھتا ہے۔اس کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ اس کے ہاتھ میں دنیا کی بادشاہت آ جائے اور وہ اسے حامد کے اوپر نثار کر دے۔اور تب بڑی دلچسپ بات ہوئی۔بڑھیا امینہ ننھی سی امینہ بن گئی۔وہ رونے لگی۔دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو کی بڑی بڑی بوندیں گراتی جاتی تھی۔حامد اس کا راز کیا سمجھتا اور نہ شاید ہمارے بعض ناظرین ہی سمجھ سکیں گے۔

7.3.3 خلاصہ:

"عید گاہ" منشی پریم چند کا ایک مشہور افسانہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔اس افسانے میں پریم چند نے غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والے ایک ذہین بچے "حامد" کی ذہانت کو موضوع بنایا ہے۔انہوں نے اس افسانے میں دکھایا ہے کہ رمضان کے پورے تیس روزے گزر جانے کے بعد عید آئی تھی اور چاروں طرف چہل پہل تھی۔ہر گھر میں طرح طرح کے پکوان بن رہے تھے اور ہر کوئی عید گاہ جانے کی تیاری میں تھا۔بچے سب سے زیادہ خوش تھے۔بچوں کو خوب سارے پیسے دیے گئے تھے۔بچے اپنی جیبوں سے پیسوں کو نکال کر گنتے تھے اور خوش ہو کر دوبارہ انہیں اپنی جیبوں میں رکھ لیتے تھے۔انہیں بچوں میں ایک چار سالہ حامد بھی تھا، جس کے والدین انتقال کر چکے تھے

اور اس کی پرورش اس کی دادی ''امینہ'' کر رہی تھی۔

عید کے دن حامد کی دادی اس لیے رو رہی تھی کہ اس کے گھر میں کھانے کے لیے ایک دانہ بھی نہیں تھا، لہٰذا حامد کی عید کیسے ہوگی؟ حامد کو لگا کہ دادی اس لیے رو رہی ہے کہ حامد کس کے ساتھ عید گاہ جائے گا؟ عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے حامد اپنی دادی کو تسلی دینے لگتا ہے کہ وہ گاؤں والوں کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اور انہیں کے ساتھ واپس آ جائے گا۔ امینہ نے کپڑے سی کر آٹھ پیسے جمع کیے تھے، جن کو اس نے گوالن کو دینے کے لیے رکھا تھا، لیکن امینہ ان پیسوں میں سے تین پیسے حامد کو دے دیتی ہے۔ حامد سب کے ساتھ عید گاہ جاتا ہے اور نماز کی ادائیگی کے بعد سب میلے کا رخ کرتے ہیں۔ سبھی بچے کھلونوں اور مٹھائیوں کی دکانوں کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، لیکن حامد وہیں کھڑا رہتا ہے۔ وہ کھلونے یا کھانے کی چیز خرید کر اپنے پیسوں کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میلے میں حامد کے ساتھ آئے ہوئے بچے طرح طرح کی چیزیں خرید رہے تھے۔ محمود نے خاکی وردی اور لال پگڑی والا سپاہی خریدا، محسن کو جھکی کمر اور پشت پر مشک والا بہشتی پسند آیا، نور نے وکیل کا مجسمہ خریدا اور سمیع نے دھوبن خریدی۔ حامد نے بھی اسی طرح کا کوئی سامان یا کھلونا خریدنا چاہا، لیکن اس نے سوچا کہ ہاتھ سے گر کر یہ کھلونے ٹوٹ جائیں گے اور پیسہ برباد ہو جائے گا۔ اچانک حامد کو اپنی دادی کا خیال آیا کہ توے سے روٹی اتارتے اور چولہے سے آگ نکالتے وقت ان کا ہاتھ جل جاتا ہے۔ یہی سوچ کر حامد نے جیب میں رکھے تین پیسوں سے دست پناہ خرید لیا۔

حامد کے ہاتھ میں دست پناہ دیکھ کر دوسرے بچے اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہ دست پناہ کا تمہیں کیا کام ہے۔ اس پر حامد دست پناہ کی خوبیاں گنانے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کو کندھے پر رکھو تو یہ بندوق بن جاتی ہے، ہاتھ میں لو تو فقیر کا چمٹا، اس سے تمہارے سارے کھلونے بھی توڑے جا سکتے ہیں۔ اس طرح حامد کا کہنا تھا کہ یہ محض دست پناہ نہیں بلکہ اس کا بہادر شیر ہے۔ دست پناہ کی اتنی ساری خوبیاں سن کر سارے بچوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سب حامد کے سامنے لاجواب ہو گئے۔

تمام بچے جب میلے سے گھر واپس آئے تو ان بچوں کے کھلونوں کا انجام کچھ یوں ہوا کہ محسن کی بہن کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کا بہشتی گر ا اور ٹوٹ گیا، جس پر ان دونوں کو مار بھی پڑتی ہے۔ جب کہ نور کا وکیل زمین پر تو بیٹھ نہ سکتا تھا اس لیے اس کو طاق پر بٹھانے کی کوشش کی گئی اور ساتھ میں پنکھا جھلا جانے لگا۔ اس دوران وکیل بھی زمین پر گر کر ٹوٹ گیا۔

اب محمود کے سپاہی کی بات ہوتی ہے۔ اس کے سپاہی کو گاؤں کا پہرے دار بنایا جاتا ہے۔ اندھیری رات میں ٹھوکر لگنے سے سپاہی بھی اپنی بندوق سمیت گر جاتا ہے اور اس کی ایک ٹانگ خراب ہو جاتی ہے۔ ان کھلونوں کے لانے پر انہیں کوئی دعائیں بھی نہ دی تھی۔ جب کہ حامد کی دادی امینہ نے جب دست پناہ دیکھا تو انہوں نے حامد کو ڈانٹا کہ کچھ کھایا پیا نہیں اور یہ بیکار کا چمٹا اٹھا لایا، مگر حامد نے دادی کو بتایا کہ تمہاری انگلیاں توے پر روٹی پکاتے وقت جل جاتی تھی۔ اس لیے میں نے تمہارے لیے یہ دست پناہ لایا ہوں۔ حامد کی یہ بات سن کر دادی کا غصہ شفقت میں بدل گیا۔ حامد اس بات سے بچے سے بہت بڑا بن گیا اور امینہ خوشی سے بچوں کی طرح رونے لگی۔

7.3.4 مشکل الفاظ:

آشنائی	جان پہچان، دوستی	Acquaintance / Familiarity
دست پناہ	چمٹا	Tong (Protection)

چغہ	ایک خاص قسم کا لباس، جو علما، وکلا، اساتذہ وغیرہ پہنتے ہیں	Rooster / Cock
کمبخت	بد قسمت، بد نصیب	Wretched / Unfortunate
احمق	بے وقوف	Fool / Stupid
ناطقہ	بولنے والا، بات چیت کرنے والا	Spokesperson / Orator
دفینہ	گڑا یا چھپا ہوا خزانہ، دبا ہوا مال، چھپی ہوئی چیز	Hidden Treasure / Buried Wealth

7.3.5 مشقیں:

مشق 1: اقتباس اور خلاصے کی مدد سے خالی جگہ کو پر کیجیے۔

i. رمضان کے پورے تیس روزے گزر جانے کے بعد................ آئی تھی۔

ii. حامد کے والدین کے انتقال کے بعد حامد کی پرورش اس کی دادی.............نے کی۔

iii. امینہ کو ڈر تھا کہ اس بھیڑ میں..................... کہیں کھو نا جائے۔

مشق 2: متن اور خلاصے کی مدد سے درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. عید ....

ii. نماز ....

iii. کھلونا ....

مشق 3: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

i. حامد ایک دس سال کا لڑکا تھا۔ (   )

ii. حامد نے میلے میں سے دست پناہ خریدا تھا۔ (   )

iii. افسانہ ''عید گاہ'' آمینہ نے لکھا ہے۔ (   )

7.4 نمونۂ امتحانی سوالات

7.4.1 معروضی سوالات:

1۔ افسانہ ''کابلی والا'' کا مصنف کون ہے؟

(a) راجندر سنگھ بیدی (b) کرشن چندر (c) پریم چند (d) رابندر ناتھ ٹیگور

2۔ افسانہ ''کابلی والا'' میں منی کون ہے؟

(a) ایک عورت (b)نو عمر لڑکی (c)دس سال کی لڑکی (d)پانچ سال کی بچی

3۔ ''کابلی والا'' کا نام کیا تھا؟

(a) احمد (b)محمد (c)رحمت (d)علی

4۔ افسانہ ''عید گاہ'' کس نے لکھا ہے؟

(a) رابندر ناتھ ٹیگور (b)پریم چند (c)منٹو (d)عصمت چغتائی

5۔ افسانہ ''عید گاہ'' کا اہم کردار کون ہے؟

(a)حامد (b)امینہ (c)ساجد (d)محسن

6۔ رابندر ناتھ ٹیگور کس زبان کے ادیب تھے؟

(a)اردو (b)ہندی (c)مراٹھی (d)بنگالی

7۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) ممبئی (b)دہلی (c)کلکتہ (d)حیدرآباد

8۔ رابندر ناتھ ٹیگور کو نوبل پرائز سے کس سنہ میں نوازا گیا؟

1901(a) 1915(b) 1925(c) 1913(d)

9۔ پریم چند کا اصل نام کیا تھا؟

(a) نواب رائے (b)پریم چند (c)نوبت رائے (d)دھن پت رائے

10۔ پریم چند کا انتقال کہاں ہوا؟

(a)الہ آباد (b)بنارس (c)کانپور (d)جون پور

7.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

2۔ کابلی والا کو جیل کیوں بھیجا گیا تھا؟ واضح کیجیے۔

3۔ پریم چند کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

4۔ حامد کے دوستوں کے کھلونوں کا کیا انجام ہوا؟ بیان کیجیے۔

5۔ حامد کے دوست دست پناہ سے کیوں متاثر ہوئے؟ تفصیل سے لکھیے۔

7.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ افسانہ ''کابلی والا'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ افسانہ ''عید گاہ'' کا خلاصہ لکھیے۔

3۔ افسانہ ''کابلی والا'' اور '' عید گاہ'' کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

7.4.1 کے جوابات:

d۔1	d۔2	c۔3	b۔4	a۔5
d۔6	c۔7	d۔8	d۔9	b۔10

اکائی 8: ڈراما

اقتباس (آزمائش، محمد مجیب)، اقتباس (سمجھوتا، انور عنایت اللہ)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 اقتباس (آزمائش، محمد مجیب)

8.2.1 محمد مجیب کا تعارف

8.2.2 ڈراما " آزمائش " کا متن (اقتباس)

8.2.3 خلاصہ

8.2.4 مشکل الفاظ

8.2.5 مشقیں

8.3 اقتباس (سمجھوتا، انور عنایت اللہ)

8.3.1 ڈراما کا تعارف

8.3.2 ڈراما " سمجھوتا " کا متن (اقتباس)

8.3.3 خلاصہ

8.3.4 مشکل الفاظ

8.3.5 مشقیں

8.4 نمونۂ امتحانی سوالات

8.0 تمہید

"ڈراما" یونانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی عمل کر کے دکھانا ہے۔ یعنی ڈراما محض لکھنے اور پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اسے اسٹیج بھی کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ڈراما، ناول اور افسانے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس اکائی میں ہم اردو کے دو مشہور ڈراموں "آزمائش" (محمد مجیب) اور "سمجھوتا" (انور عنایت اللہ) کا مطالعہ کریں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈرامانگار محمد مجیب سے واقف ہو سکیں۔
- ڈراما ''آزمائش'' کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- ڈراما'' آزمائش '' کے خلاصے کو ذہن نشین کر سکیں۔
- ڈراما '' سمجھوتا'' سے واقف ہو سکیں۔
- ڈراما '' سمجھوتا'' کے منتخب متن کا مطالعہ کر سکیں۔
- ڈراما '' سمجھوتا'' کے خلاصے کو بیان کر سکیں۔

8.2 اقتباس(آزمائش، محمد مجیب)

8.2.1 محمد مجیب کا تعارف:

مشہور ڈرمانگار محمد مجیب 1902 میں لکھنو میں پیدا ہوئے۔ان کے والد محمد نسیم ایک مشہور وکیل تھے۔انھوں نے ابتدائی تعلیم لکھنو کے Loreto Convent میں حاصل کی۔ اس کے بعد دہرہ دون کے ایک پرائیویٹ اسکول سے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ 1919 میں محمد مجیب نے آکسفورڈ سے جدید تاریخ میں بی۔اے (آنرز) کیا۔ برلن میں ان کی ملاقات ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر سید عابد حسین سے ہوئی۔ وہیں انھوں نے جرمن اور روسی زبانیں سیکھیں۔فرانسیسی زبان وہ آکسفورڈ میں سیکھ چکے تھے۔ڈاکٹر ذاکر حسین کے ساتھ انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں کام کیا۔وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) بنائے گئے۔ان کا انتقال1985 دہلی میں ہوا۔

محمد مجیب کو تصنیف و تالیف کا ذوق تھا۔ اردو اور انگریزی میں ان کی بہت سی کتا میں شائع ہوئیں۔انہوں نے آٹھ ڈرامے لکھے جن کے نام"کھیتی "،"انجام"، "خانہ جنگی"،"حبہ خاتون "، "ہیروئن کی تلاش"،"آزمائش"اور"دوسری شام"ہیں اور بچوں کے لیے ایک ڈراما " آؤ ڈراما کریں" بھی لکھاہے۔ محمد مجیب صاف،سادہ اور سلیس نثر لکھتے تھے۔ان کے مکالموں میں بول چال کا فطری انداز ہے۔ان خوبیوں کی وجہ سے اردو ڈراما کے میدان میں محمد مجیب کا نام بہت ہی ادب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

8.2.2 ڈراما'' آزمائش'' کا متن(اقتباس):

(آخری ایکٹ سے انتخاب)

رام سہائے مل کے مکان میں ایک چھوٹا سا دالان۔رات ہو گئی ہے۔ڈیوٹ پر ایک دیا جل رہا ہے۔رام سہائے مل اس کی روشنی میں کھانا کھا رہا ہے۔ بھاگ دتی، اس کی بیوی، آنچل سے منھ بند کیے کھڑی ہے،اس کو پنکھا جھل رہی ہے اور چپکے چپکے رورہی ہے۔رام سہائے مل کو اس کے رونے کا احساس نہیں ہے اور وہ کھانا کھاتا رہتا ہے۔

رام سہائے مل : کہو، آج پانی کافی مل گیا ؟

بھاگ وتی : (روہانسی آواز میں) ابھی شام کو رام پر شاد لے آیا۔بہت دور جانا پڑا، آس پاس کے کنوؤں میں لاشیں پڑی ہیں۔

رام سہائے مل : رام رام ، رام رام......... (اس کی طرف دیکھ کر) مگر تم رو کیوں رہی ہو ؟

بھاگ وتی : میرا بھی مر جانے کو جی چاہتا ہے۔

رام سہائے مل : کیوں، تم کیوں بیٹھے بیٹھے جان سے بیزار ہو گئی ہو ؟

بھاگ وتی : کیا بتاؤں ؟

رام سہائے مل : پر ماتما کا شکر کرو۔اتنی بڑی مصیبت آئی اور گزر گئی۔

بھاگ وتی : ہاں۔

رام سہائے مل : مگر ابھی بہت چوکس رہنا ہے۔دیکھتی رہنا دروازے سے پہرے والے نہ ہٹیں۔

بھاگ وتی : نہیں، میں تو برابر چکر لگاتی رہتی ہوں۔

رام سہائے مل : اور کوئی اندر نہ آنے پائے، مرد عورت، بچہ۔

بھاگ وتی : نہیں، قصور ہو گا تو میرا ہو گا۔میں کہہ دوں گی کہ میں نے آپ کو بتائے بغیر کیا ہے۔مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ جان پہچان کی کوئی عورت یا بچہ پناہ مانگے اور میں اسے پناہ نہ دوں۔

رام سہائے مل : (بھاگوتی کو دیر تک غور سے دیکھ کر)معلوم ہوتا ہے تم نے مجھے بتائے بغیر کسی کو گھر میں چھپا لیا ہے۔اب تو ہماری جان پرماتما کی دیا سے ہی بچ سکتی ہے۔تمہارا دل اتنا کمزور ہے تو تم مجھے کیوں نہیں بلا لیتی ہو؟

بھاگ وتی : میں چاہتی ہوں کہ آپ کو معلوم ہی نہ ہو۔

رام سہائے مل : یہ کون مانے گا کہ میرے گھر میں آدمی چھپے ہیں اور مجھے معلوم ہی نہیں۔

بھاگ وتی : آدمی نہیں، لاوارث عورتیں، بھوکے پیاسے بچے!

رام سہائے مل : کس کی عورتیں، کس کے بچے؟

بھاگ وتی : یہ میں پوچھتی ہی نہیں ہوں۔

رام سہائے مل : یا پوچھا ہے اور مجھے بتانا نہیں چاہتی ہو۔ہمارے محلے میں ایسے لوگ ہیں ہی نہیں جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہو۔یہ عورتیں اور بچے تو باہر سے آئے ہوں گے۔(بھاگ وتی زمین پر بیٹھ کر، اپنا منہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔)بتاؤ تو یہ ہیں کون؟ کبھی پوچھ تاچھ ہو تو میں جواب تو دے سکوں(بھاگ وتی سر ہلاتی ہے۔)اچھا نہ بتاؤ(خاموشی)جب لڑائی ہو رہی تھی تو تمہاری زبان پر تین چار نام رہا کرتے تھے...بخت خاں کی آل اولاد یہاں تھی ہی نہیں، سدھاری سنگھ بھی باہر کا آدمی ہے کیا کسی مسلمان عورت کو پناہ دی

ہے ؟... ہندو عورتوں میں تو تمہارے رانی کشن کنور سے تعلقات تھے۔ نہار سنگھ روپیہ وصول کرنے آنا چاہتا تو زمین تیار کرنے سے پہلے اسی کو بھیجتا تھا۔ مگر کیا معلوم رانی بلبھ گڑھ میں ہے یا یہاں۔ بہر حال جہاں بھی ہو کوئی نہ کوئی اس کا پتہ دے گا ضرور... اگر نہار سنگھ کو پکڑ لیا ہے تو شاید اس کو تلاش نہ کرے۔

بھاگ وتی : پکڑ لیا ہے !(پھر زور سے روتی ہے۔)

رام سہائے مل : پکڑ لیا ہے تو اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے برابر سونا دے کر اسے مول لینا چاہو تو نہ دیں گے... تو رانی کشن کنور نے تمہارے یہاں پناہ لی ہے... بے چاری !(رام سہائے سے اب اور کھایا نہیں جاتا۔ برتن سامنے کھسکا دیتا ہے۔ پانی پینا چاہتا ہے مگر پیالا دیر تک ہاتھ میں لیے رہتا ہے اور پی نہیں پاتا۔) کیا بہت رو رہی ہے ؟

بھاگ وتی : (سر ہلا کر) نہیں، اس کا افسوس کر رہی ہے کہ جہادی عورتوں کے ساتھ میدان میں نہیں گئی اور ماری نہیں گئی۔

رام سہائے مل : رام رام، کیا ہمت ہے۔ اس کو اچھی طرح رکھنا۔ میں بھی کبھی اس کے درشن کروں گا۔ اس کا ہمارے گھر میں رہنا کچھ ایسا خطرناک نہیں ہے۔ مسلمان عورت کی بات اور ہے۔

بھاگ وتی : ایک مسلمان بہن بھی ہے۔

رام سہائے مل : ہائے ! کون ؟

بھاگوتی : سلمٰی۔

رام سہائے مل : ارے وہی یوسف میاں کی منگیتر ؟ وہ تو مورچوں پر لڑی بھی تھی۔

بھاگ وتی : ہاں اس نے گھروں کی چھتوں پر سے بھی گولی چلائی۔ رانی کنور کشن بھی اس کے ساتھ بندوق چلا رہی تھیں۔ پھر وہ زخمی ہو گئی۔ رانی کشن کنور نے نہ جانے کس طرح اس کو یہاں پہنچایا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ مر جائے گی، مگر اب بھلی چنگی ہے۔ سوچ رہی ہے کہ کسی طرح دلی سے نکل جائے اور بخت خاں کی فوج میں مل جائے۔ رانی کشن کنور کہتی ہے کہ وہ بھی ساتھ جائیں گی۔

8.2.3 خلاصہ:

ڈراما ''آزمائش'' پانچ ایکٹ پر مشتمل ہے۔ اس ڈرامے میں محمد مجیب نے 1857 کی جنگ آزادی کے تاریخی واقعات و حالات کو موضوع بنایا ہے۔ اس اکائی کا متن ڈرامے کے پانچویں یعنی آخری ایکٹ سے انتخاب کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ سے پہلے دکھایا گیا ہے کہ بہادر شاہ ظفر گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ جنرل بخت خاں اور ان کی ہندوستانی فوجوں کو شکست ہو چکی ہے۔ انگریزوں کا دہلی پر قبضہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے باغیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی ہے۔ لالہ رام سہائے مل کی بیوی بھاگوتی نے جنگ آزادی کی دو مجاہد عورتوں سلمٰی اور کشن کنور کو پناہ دے رکھی ہے، جس کا علم لالہ رام سہائے کو نہیں ہے۔

رات کا وقت ہے اور رام سہائے مل کھانا کھا رہاہے۔ اس کی بیوی بھاگ وتی آنچل سے منہ چھپائے کھڑی ہے اور

پنکھا جھلتے ہوئے چپکے چپکے رورہی ہے۔لالہ رام سہائے مل اسے سمجھاتاہے کہ کسی کو گھر میں نہ آنے دیں۔۔بھاگ وتی کہتی ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی اگر کوئی جان پہچان والا آئے اور میں اس کو پناہ نہ دوں۔رام سہائے مل سمجھ جاتا ہے کہ گھر میں کوئی موجود ہے۔پوچھتا ہے تو بھاگوتی بتاتی ہے کہ رانی کشن کنور اور سلمی جو مورچوں پر لڑی تھیں اس وقت پناہ میں موجود ہیں مگر وہ جلد از جلد یہاں سے باہر جانا اور بخت خاں کی فوج میں شامل ہونا چاہتی ہیں۔اس دوران ایک عورت گھبرائی ہوئی آتی ہے اس کے بعد ایک ملازم آکر اطلاع دیتا ہے کہ چار سپاہی آئے ہیں اور کہتے ہیں دروازہ کھولو تلاشی لینی ہے ۔رام سہائے مل کہتا ہے وہ میرے گھر میں نہیں آ سکتے، میرے پاس امان کا پروانہ ہے۔ملازم کہتا ہے کہ سرکار وہ ہماری بات نہیں مانیں گے۔بھاگوتی رام سہائے مل کو چھوڑ کر باہر جاتی ہے۔سپاہیوں کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ ہمارے پاس امان کا پروانہ ہے اور ہمارے گھر میں کوئی نہیں ہے۔کچھ دیر بعد سپاہی اسے دھمکاتے ہوئے گھر کے اندر لے آتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ وہ دونوں کہاں ہیں؟ بھاگوتی کے نہ بتانے پر سپاہی اسے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں، اس پر گولی چلانے کے لیے کہا جاتا ہے،اسی دوران رام سہائے مل باہر نکل آتا ہے تو سپاہی اسے پکڑ لیتے ہیں ، جب بھاگوتی کہتی ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتے، انہیں چھوڑ دو، یہ بے قصور ہیں۔سپاہی پھر پوچھتے ہیں کہ دونوں کہاں ہیں ؟ اسی وقت سلمی اور کشن کنور وہاں آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ انہیں چھوڑ دو،یہ بے قصور ہیں۔سپاہی کو یقین نہیں آتا وہ ان سے کہتا ہے کہ دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جائیں ،تم انہیں بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہو۔ سلمٰی اور کشن کنور آسمان کے نیچے سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہیں، ان دونوں کے چہروں پر خوف نہیں، چہرے مسکراتے ہوئے ہیں تبھی پہلا سپاہی کہتا ہے کہ ہمیں بخت خاں نے بھیجا ہے اور آپ کو ڈھونڈ کر لانے کے لیے کہا ہے۔اتنا سننے کے بعد وہ دونوں بے ہوش ہو جاتی ہیں۔بھاگوتی انہیں اٹھاتی ہے اور ان سے کہتی ہے کہ یہ لوگ تمہیں بخت خاں کے پاس لے جانے آئے ہیں تبھی سپاہی ان سے کہتے ہیں کہ ہمیں ایک گستاخی کرنی ہو گی ، ہم آپ کو شہر کے باہر صرف قیدی بنا کر لے جاسکتے ہیں۔ ہمیں آپ کی مشکیں کرنا ہوں گی اور گلے میں رسیاں باندھنی پڑے گی۔پھر سپاہی انہیں باندھ کر اس طرح باہر لے جاتے ہیں جیسے ان کے ساتھ خطرناک قیدی ہوں۔پھر پہلا سپاہی روانگی کا حکم دیتاہے اور دور کہیں "جن گن من" کا ترانہ سنائی دینے لگتاہے۔

8.2.4 مشکل الفاظ:

دالان	بر آمدہ، کوٹھی کے دروازے کے باہر کا سائبان	Corridor / Hallway
آنچل	دوپٹہ کا کنارہ	Scarf / Veil / Shawl
پرماتما	خدا، ایشور	God / Almighty
لاوارث	جس کا کوئی وارث نہ ہو، بے سہارا	Without heir / Heirless
مشتمل	شامل ہونے والا	Comprising / Containing
اطلاع	خبر، آگاہی	Information / Notice

8.2.5 مشقیں:

مشق 1: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ڈراما آزمائش محمد مجیب نے تخلیق کیا ہے۔ (   )

2۔ ڈراما آزمائش میں تقسیم ہند کو موضوع بنایا گیا ہے۔ (   )

3۔ ڈراما آزمائش پانچ ایکٹ پر مشتمل ہے۔ (   )

4۔ بھاگ وتی ڈراما آزمائش کا کردار نہیں ہے۔ (   )

5۔ محمد مجیب کی پیدائش 1902 میں لکھنو میں ہوئی۔ (   )

مشق 2: دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ قصور ....

2۔ سینہ تان کر ....

3۔ افسوس ....

4۔ آنچل ....

5۔ سپاہی ....

مشق 3: دیے گئے الفاظ کے مترادفات لکھیے۔

1۔ رات ....

2۔ آزمائش ....

3۔ اطلاع ....

4۔ خاموشی ....

5۔ تقسیم ....

6۔ مشتمل ....

8.3 اقتباس (سمجھوتا، انور عنایت اللہ)

8.3.1 ڈراما کا تعارف:

ڈراما ''سمجھوتا'' یک بابی ڈراما ہے۔ ایک ایکٹ پر مبنی ڈرامے کو یک بابی ڈراما کہتے ہیں۔ یک بابی ڈراما مختصر ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں

یک بابی ڈرامے کے تمام اصولوں کو ملحوظِ خاطر رکھا گیاہے۔ اس ڈرامے کی خوبی یہ ہے کہ اس کے مکالمے فطری اور برجستہ ہیں اور کرداروں کی سماجی، نفسیاتی، ذہنی اور جذباتی حالت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس ڈرامے میں جملہ پانچ کردار ہیں، جن میں تین کردار مقبول احمد، بیگم مقبول احمد اور عصمت قابل ذکر ہیں۔

8.3.2 ڈراما ''سمجھوتا'' کا متن (اقتباس):

(زمانہ۔ یہی آپ کا اور ہمارا)

متوسط گھرانے کا ایک کمرہ۔ اس کمرہ میں تین دروازے ہیں اور دو دریچے۔ ایک دروازہ اندر کی طرف سے بند ہے۔ دوسرے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کمرہ کو عصمت کی خواب گاہ سے ملاتا ہے اور دوسرا برآمدہ میں کھلتا ہے۔ دریچے اور دروازوں پر رنگین پردے لگے ہوئے ہیں، جن کا رنگ شاید کثرتِ استعمال سے اُڑ گیا ہے۔ کمرہ سستے قسم کے فرنیچر سے سجایا گیا ہے۔ دیواروں پر چند تصویریں آویزاں ہیں۔ ایک طرف بند دروازہ سے قریب ایک بڑی میز ہے، جو شاید ابھی ابھی خریدی گئی ہے۔ اس پر بک کیس میں درجن بھر اردو انگریزی کتابیں رکھی ہیں۔ دیوار پر پرانے قسم کی گھڑی لٹک رہی ہے۔ اس وقت چھ بج رہے ہیں۔ کمرہ میں روشنی ہو رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شام کے چھ بج رہے ہیں۔ پردہ اٹھنے پر مقبول احمد نظر آتے ہیں، جو ایک آرام کرسی پر بیٹھے شام کا انگریزی اخبار پڑھ رہے ہیں۔ عمر تقریباً ساٹھ سال، سر کے بال سفید ہیں، آنکھوں پر عینک ہے، کرتا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں۔ انگلیوں کے درمیان جلتا ہوا سگریٹ ہے۔

بیگم مقبول : (عقب میں) ارے جمّن... او جمّن... نہ جانے کمبخت کہاں مر گیا (بیگم برآمدہ کی طرف سے کمرہ میں داخل ہوتی ہیں۔

مقبول : (اخبار پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر) کیا ہو گیا؟ جمّن کو شاید سہیل نے کہیں بھیجا ہے۔

بیگم : یہ تو مجھے معلوم ہے، لیکن میرا خیال تھا اب تک لوٹ آیا ہو گا۔ کمبخت جہاں جاتا ہے وہیں مر جاتا ہے۔

مقبول : آجائے گا۔ اس سے تمہیں ایسا کون سا کام پڑ گیا ہے؟

بیگم : جی! کوئی خاص کام نہیں۔ صرف راشن والے کے یہاں سے اب تک آٹا نہیں آیا۔ شکر کا بھی کچھ انتظام نہ ہو سکا۔ دھوبی کے یہاں سے اب تک کپڑے نہیں آئے، تمہیں کیا۔ تم بیٹھے اخبار پڑھا کرو۔
(مقبول اخبار ایک طرف رکھنے کے بعد چشمہ آنکھوں پر سے اتار کر میز پر رکھتا ہے۔)

مقبول : (انگڑائی لے کر) اب کہو بیگم! تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟ (یوں جیسے بیگم کی خفگی سے بیزار ہو) آٹا نہیں آیا تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے؟ دوکان رات کے آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہے۔ میرے کپڑوں کی بھی ایسی کوئی جلدی نہیں۔ کل صبح لے آئے گا جمّن۔ اب رہا چینی کا مسئلہ... تو سہیل سے کہہ دوں گا وہ کل اس کا انتظام کرے گا، اس کا ایک دوست راشن آفیسر ہو گیا ہے۔ (وہ عینک دوبارہ لگا کر اخبار اٹھالیتا ہے۔)

بیگم : جی ہاں سہیل ضرور کر دیں گے۔ انہیں اپنی بیوی سے فرصت ملے تب نا؟ دن بھر دفتر میں رہتے ہیں۔ شام کو گھر آتے ہیں

توسیدھے بیوی کے کمرے میں۔ گھنٹوں کھسر پھسر ہوتی ہے۔ پھر چپکے سے ٹہلنے چلے جاتے ہیں۔ مجھ سے تو باتیں کیے اسے ہفتہ ہو گیا...!

مقبول : (بات کاٹ کر) شی... شی... !! تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ وہ آخر بچے ہی ہیں۔ ان کی عمر ہی کیا ہے۔ آہستہ آہستہ ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے گا۔ شادی کے صرف چھ مہینے تو ہوئے ہیں۔ ابھی کچھ دن انہیں آزادی کے سانس لینے دو بیگم۔

بیگم : جی ہاں بچے ہیں۔ اس عمر میں ہمارے یہاں کی لڑکیاں دو بچوں کی مائیں بن جاتی ہیں!!

مقبول : (فوراً) میرا خیال ہے چولہے پر کوئی چیز جل رہی ہے... تمہیں بو نہیں آئی!

(بیگم ہوا میں سونگھنے کی کوشش کرتی ہے اور پھر چیختی ہیں۔)

بیگم : ہائے اللہ... قیمہ جل گیا... خدا غارت کرے اس جمّن کے بچہ کو۔

(وہ تیزی سے چلی جاتی ہیں، مقبول مسکراتا ہے اور وہ دوبارہ اخبار کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے۔ برآمدہ کی طرف سے سہیل اور عصمت داخل ہوتے ہیں۔ کمرہ میں مقبول کو دیکھتے ہیں تو لمحہ بھر کے لیے رک جاتے ہیں اور پھر تیزی سے خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہیں۔)

مقبول : (اخبار سے نگاہیں ہٹائے بغیر) سہیل!! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

دونوں فوراً رک جاتے۔ سہیل باپ کو دیکھتا ہے۔ پھر عصمت کو اندر جانے کا اشارہ کرتا ہے۔

مقبول : بیٹھ جاؤ سہیل! (وہ قریب صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ مقبول اخبار رکھ دیتا ہے۔) آج تم جلد لوٹ آئے؟

سہیل : عصمت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے! ابا جان!

مقبول : طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ تم نے اپنی امی سے بھی کہا؟ تمہیں غفلت سے کام نہیں لینا چاہیے بیٹے! بہو پرائے گھر کی لڑکی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو ہم کسی کو منھ تک نہیں دکھا سکیں گے۔

سہیل : معاف کیجیے ابا جان!... اس گھر میں نہ کسی کو میری فکر ہے اور نہ کسی کے پاس عصمت کے بارے میں کچھ سننے کے لیے وقت ہے۔ پھر ایسی معمولی سی باتوں کے لیے امی کا وقت کیوں ضائع کروں؟ (وہ اٹھ کر جانے لگتا ہے۔)

مقبول : بیٹھ جاؤ سہیل!

سہیل : معاف کیجیے ابا جان! عصمت کمرہ میں تنہا ہے۔

8.3.3 خلاصہ:

انور عنایت اللہ کا ڈراما "سمجھوتا" میں پانچ کردار ہیں۔ جس میں مقبول احمد (باپ)، بیگم مقبول (ماں)، سہیل (بیٹا)، ستارہ (بیٹی) اور عصمت (بہو) شامل ہیں۔ عصمت مقبول احمد کی بھتیجی ہے جس کی شادی ان کے لڑکے سہیل سے ہوتی ہے۔ ان کی شادی سے قبل بیگم مقبول احمد اپنی بھتیجی کو بے حد چاہتی تھیں۔ لیکن جب عصمت گھر میں بہو بن کر آئی تو بیگم مقبول احمد کا رویہ بدل گیا۔ انہیں یہ بات

کھلتی تھی کہ ان کا بیٹا سہیل اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے اور زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارتا ہے۔ ان کی طرف سہیل کی توجہ کم ہونے لگی ہے۔ ان کے دل میں بہو کے خلاف حسد کا جذبہ ابھر آیا تھا۔ وہ خادمہ کی طرح اس سے گھر کا کام لیتیں اور بات بات پر طعنے دیتیں۔ عصمت ایک امیر گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس نے یہ خواب دیکھا تھا کہ شادی کے بعد گھر کی مالکن بن جائے گی اور راج کرے گی۔ چچی کا بدلہ ہوا رویہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی صحت خراب ہوگئی۔ گھر کے اس ماحول کو دیکھ کر سہیل نے ارادہ کیا کہ وہ الگ مکان لے کر رہے گا۔ وہ اس کا ذکر اپنے باپ سے کرتا ہے۔ مقبول احمد بیٹے اور بہو کو بہت چاہتے تھے۔ ان کی جدائی کے خیال سے افسردہ ہو جاتے ہیں۔ جب وہ اپنی بیوی کو بیٹے کے ارادے سے واقف کراتے ہیں تو وہ سہیل پر برس پڑتی ہیں اور بہو پر الزام لگاتی ہیں کہ اس نے یہ سازش کی ہے۔ ماں اور بیٹے میں اس مسئلہ پر تھوڑی سی تکرار ہوتی ہے۔ مقبول احمد کہتے ہیں کہ اگر بیٹا بہو گھر سے جانا چاہتے ہیں تو انہیں آزادی ہے وہ جہاں رہیں اچھے رہیں۔

عصمت اپنی خواب گاہ میں بیٹھی یہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ پھر وہ سہیل کو بتاتی ہے کہ اب وہ ماں بننے والی ہے۔ اس احساس نے اس کی تصورات کو بدل دیا، اب یہ گھر اسے اچھا لگنے لگتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ امی اس سے کیوں نفرت کرتی ہیں۔ اسی دوران معلوم ہوتا ہے کہ سہیل کی بہن ستارہ کو اس کے شوہر لطیف نے میکے بھیج دیا اور اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ ستارہ بتاتی ہے کہ سسرال میں پہنچ کر اس کے سب خواب چکنا چور ہو گئے۔ وہ گھر کی مالکن بننا چاہتی تھی، لیکن وہاں اس کو خادمہ بنایا گیا۔ وہ شوہر پر بھی حکومت نہیں کر سکی، کیوں کہ لطیف اپنے ماں باپ کا اطاعت گزار لڑکا ہے۔ اسی بنا پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مقبول احمد کو ستارہ قصوروار نظر آتی ہے، لیکن بیگم مقبول احمد ستارہ کی طرف داری کرتی ہیں۔ وہ ستارہ کے ساتھ اس سلوک کی مذمت کرتی ہیں، جو خود انہوں نے عصمت کے ساتھ روا رکھا تھا۔ وہ کہتی تھی "آخر وہ (ستارہ) کب تک اپنے ہی گھر میں ملازمہ بنی رہتی۔" جواب میں سہیل اپنی ماں سے پوچھتا ہے؛ آخر عصمت اس گھر میں کب تک ملازمہ رہے گی۔ بیگم مقبول احمد اس چوٹ کو نہیں سہہ سکیں اور بات بڑھ جاتی ہے۔ سہیل غصے میں گھر سے چلا جاتا ہے تا کہ فوری کوئی انتظام کر کے بیوی کے ساتھ وہاں منتقل ہو جائے۔ مقبول احمد اپنی بیوی سے کہتے ہیں کہ اب تھوڑی دیر میں وہ اس گھر سے چلے جائیں گے۔ ممکن ہے ستارہ بھی واپس چلی جائے پھر یہ گھر ایک قبرستان بن جائے گا۔ اس تصور کے ساتھ بیگم مقبول احمد کا غصہ کافور ہو جاتا ہے اور عصمت کو جب معلوم ہوتا ہے کہ سہیل اسے لے کر کسی دوسرے گھر میں رہنا چاہتے ہیں تو وہ انکار کر دیتی ہے۔ وہ سہیل سے کہتی ہے کہ ستارہ بہن کو اور امی ابو کو پریشانیوں میں چھوڑ کر جانا انسانیت نہیں ہے۔ اس طرح ڈراما اختتام کو پہنچتا ہے۔

8.3.4 مشکل الفاظ:

ملحوظِ خاطر	دلی خیال، دل میں یاد رکھنا، خیال میں رکھنا	Take into consideration / Keep in mind
مطابقت	تعلق، جڑا ہوا	Compatibility / Conformity
خواب گاہ	سونے کا کمرہ	Bedroom / Sleeping chamber
درستی	سختی	Correctness / Accuracy

To confide / To share secrets	کسی کو اپنے راز سے واقف کرانا	ہم راز بنانا
Family honor / Family prestige	جس سے خاندان کی عزت بڑھے	خاندان کی ناک
Imaginations / Fantasies	تخیل کی جمع، سوچ فکر و خیال	تخیلات
Disobedience / Defiance of orders	نافرمانی	حکم عدولی
Determined / Resolute	پکا، قطعی	مصمم
To disturb / To interfere	دخل دینا	مخل ہونا

8.3.5 مشقیں:

مشق 1: اقتباسات اور خلاصے کی مدد سے خالی جگہ کو پر کیجیے۔

1۔ ڈراما "سمجھوتا" ....ڈراما ہے۔

2۔ یک بابی ڈراما.........................ہوتا ہے۔

3۔ ڈراما سمجھوتا کے مصنف...............................ہیں۔

4۔ عصمت اپنی................میں بیٹھی یہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔

5۔ بیگم مقبول احمد اپنی......................کو بے حد چاہتی تھیں۔

مشق 2: نیچے دیے گئے الفاظ کی ضد لکھیے۔

1۔ بند ....

2۔ پریشانی ....

3۔ دن ....

4۔ درستی ....

5۔ سننا ....

مشق 3: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ڈراما "سمجھوتا" انور عنایت اللہ نے لکھا ہے۔ (   )

2۔ یک بابی ڈراما نہایت طویل ہوتا ہے۔ (   )

3۔ مقبول احمد نے ڈرامے میں باپ کا کردار ادا کیا ہے۔ (   )

4۔ عصمت کا کردار بیٹی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ (   )

5۔ سہیل مقبول احمد کا بیٹا ہے۔ (   )

8.4 نمونۂ امتحانی سوالات

8.4.1 معروضی سوالات:

1۔ محمد مجیب کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a)1920 (b)1915 (c)1910 (d)1902

2۔ محمد مجیب کس یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے تھے؟

(a)جامعہ ملیہ اسلامیہ (b)علی گڑھ یونیورسٹی (c)دہلی یونیورسٹی (d)ممبئی یونیورسٹی

3۔ ذیل کا کون ساڈراما محمد مجیب کا نہیں ہے؟

(a) انجام (b)سمجھوتا (c)خانہ جنگی (d)آزمائش

4۔ ڈراما ''آزمائش'' کتنے ایکٹ پر مشتمل ہے؟

(a)دو (b)تین (c)پانچ (d)سات

5۔ '' رام سہائے مل'' محمد مجیب کے کس ڈرامے کا کردار ہے؟

(a) آزمائش (b)حبہ خاتون (c)تلاش (d)دوسری شام

6۔ محمد مجیب کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) دہلی (b)ممبئی (c)کلکتہ (d)لکھنؤ

7۔ ڈراما''سمجھوتا'' کس نے لکھا؟

(a) محمد مجیب (b)حبیب تنویر (c)انور عنایت اللہ (d)امتیاز علی تاج

8۔ ذیل کا کون سا کردار ڈراما''سمجھوتا'' کا نہیں ہے؟

(a) بھاگوتی (b)عصمت (c)مقبول (d)سہیل

9۔ ڈراما''سمجھوتا'' میں عصمت اور مقبول میں کیا رشتہ ہے؟

(a) بیٹی اور باپ (b)شوہر اور بیوی (c)سسر اور بہو (d)ماموں اور بھانجی

10۔ ڈراما''سمجھوتا'' میں کتنے کردار ہیں؟

(a)تین (b)پانچ (c)سات (d)دس

8.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ڈرامانگار محمد مجیب کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ ڈراما''آمائش'' کا خلاصہ پیش کیجیے۔

3۔ ڈراما "سمجھوتا" کا تعارف کرائیے۔

4۔ ڈراما "سمجھوتا" کا خلاصہ بیان کیجیے۔

5۔ یک بابی ڈراما کسے کہتے ہیں؟ لکھیے۔

8.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ڈراما "آزمائش" کے شامل نصاب اقتباس کی تشریح کیجیے۔

2۔ ڈراما "سمجھوتا" کے شامل نصاب اقتباس کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ رام سہائے مل اور بھاگوتی کی گفتگو آسان الفاظ میں لکھیے۔

8.4.1 کے جوابات:

1۔d	2۔a	3۔b	4۔c	5۔a
6۔a	7۔c	8۔a	9۔c	10۔b

بلاک III

اکائی 9: مضمون

عورتوں کے حقوق (سر سید) سر سید اور اردو لٹریچر (شبلی نعمانی)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 مضمون "عورتوں کے حقوق"

9.2.1 سر سید کا تعارف

9.2.2 مضمون "عورتوں کے حقوق": متن

9.2.3 خلاصہ

9.2.4 مشکل الفاظ

9.2.5 مشقیں

9.3 مضمون "سر سید اور اردو لٹریچر"

9.3.1 شبلی نعمانی کا تعارف

9.3.2 مضمون "سر سید اور اردو لٹریچر": متن

9.3.3 خلاصہ

9.3.4 مشکل الفاظ

9.3.5 مشقیں

9.4 نمونہ امتحانی سوالات

9.0 تمہید

مضمون جسے انگریزی میں Essay کہتے ہیں۔ اردو نثر کی ایک خاص صنف ہے۔ اس کا شمار غیر افسانوی ادب میں ہوتا ہے۔ اردو

میں اس صنف کا آغاز دہلی کالج سے ہوتا ہے۔ سرسید احمد خاں اور ان کے ساتھیوں نے اس صنف کو بہت فروغ دیا۔ مضمون میں کسی موضوع پر اپنے خیالات کو اس طرح مدلل اور مربوط انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا اس کو سمجھ سکے۔

اس اکائی میں سرسید کے مضمون "عورتوں کے حقوق" اور شبلی نعمانی کے مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" کا متن پیش کیا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ان مضامین سے متعلق مشقیں بھی پیش کی جارہی ہیں تاکہ انہیں حل کرکے طلبا اردو زبان وبیان میں مہارت پیدا کرسکیں۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- روانی کے ساتھ "عورتوں کے حقوق" اور "سرسید اور اردو لٹریچر" کے متن کو پڑھ سکیں۔
- مضمون نویسی کے طریقے اور اسلوب سے واقف ہو سکیں۔
- متن میں موجود مشکل الفاظ کے معنی کو سمجھ سکیں۔
- متن کی مدد سے مشقوں (Exercises) کو حل کر سکیں۔
- مختصر طور پر مضمون نگاری سے واقف ہو سکیں۔

9.2 مضمون "عورتوں کے حقوق"

9.2.1 سرسید کا تعارف:

سرسید احمد خان 17 اکتوبر 1817 عیسوی میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید محمد متقی تھا۔ گلستان، بوستان، خالق باری جیسی بنیادی کتابیں مولوی حمید الدین سے پڑھی۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ملازمت (نوکری) شروع کی۔ سب سے پہلے 1841ء میں مین پوری میں منصف (جج) بنائے گئے۔ پھر فتح پور سیکری تبادلہ (Transfer) ہو گیا۔ آخر میں بنارس سے جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ باقی زندگی علی گڑھ میں گزاری۔ 27 مارچ 1898ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

9.2.2 مضمون "عورتوں کے حقوق": متن

تربیت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش کے مساوی ہیں۔ دونوں برابر حق رکھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جائے اگر تمثیلاً کہا جائے کہ عورت انسان کے لیے بہ منزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بہ منزلہ دائیں ہاتھ کے۔ یا قدر وقیمت میں عورت بہ منزلہ آنے کے ہے اور مرد بہ منزلہ روپیہ کے۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے۔

باایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورت کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے، اور ان کے حقوق اور ان کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے۔ انگلینڈ جو عورتوں کی آزادی کا بڑا حامی کار ہے۔ جب اس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لا یعقل اور لاشے سمجھا ہے۔

انگلینڈ کے قانون کے بہ موجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدّل ہو جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے معاہدے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیے وہ کسی دستاویز کی جو اس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو، ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔

جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائید اد قبل شادی عورت کی مِلک ہو وہ سب بعد شادی کے بہ قبضہ شوہر آ جاتی ہے۔ جو جائید اد کہ عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اس سب پر اس کا شوہر تاحیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اس کا محاصل لیتا ہے۔ وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے نہ اس پر کوئی دعویٰ رجوع کر سکتا ہے۔ وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی۔ اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی۔ وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی۔

1870ء میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائید اد کا ایک بل پیش ہوا تھا۔ اس میں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کی رو سے بعد شادی کے عورت اپنی جائداد سے محروم ہو جاتی ہے۔ منسوخ کیا جائے۔

آنریبل مسٹر رسل گرے ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون پیش کیا تھا اس وقت انہوں نے نہایت لطیف بات یہ کہی تھی کہ قانون کے بموجب جو کچھ جائید اد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت ولیاقت سے کماتی ہے، بعد شادی کے وہ اس کا نہیں رہتا۔ سب پر شوہر مالک ہو جاتا ہے پس شادی کا اثر عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی جرم قابل ضبطی جائید اد کا ہوتا ہے۔

اس گفتگو پر تمام ہاؤس آف کامنز ہنس پڑا اور اکثر ممبروں نے آنریبل مسٹر گرے کی تائید کی۔ پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اس سے زیادہ خراب اور مضرت رساں اور ناانصاف نہ ہو گا۔

9.2.3 خلاصہ:

"عورتوں کے حقوق" سر سید احمد خاں کا لکھا ہوا مضمون ہے۔ اس مضمون میں سر سید نے عورتوں کے حقوق (Rights) کو اسلام اور انگریزوں کے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک بہت شور وغل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں کے حقوق مساوی ہیں۔ عورت انسان کے لیے بائیں (Left) ہاتھ کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن جب ان کے بنائے ہوئے قانون کو پڑھتے ہیں تو بات بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ انگلینڈ کے قانون کے مطابق عورت اپنی مرضی سے نہ کوئی چیز خرید سکتی ہے۔ اور نہ بیچ سکتی ہے۔ اس کی شادی سے پہلے اور بعد کی تمام جائداد کا مالک اس کا شوہر (Husband) ہوتا ہے۔ یہ کتنا ناانصافی والا (Unjust) والا قانون ہے۔

سر سید لکھتے ہیں کہ انگلینڈ کا قانون کہتا ہے کہ جب عورت کی شادی ہو جاتی ہے تو اس کا اپنا کوئی وجود نہیں رہتا۔ اس کی جگہ شوہر لے لیتا ہے۔ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی ہے۔ اور اگر وہ شوہر کی مرضی کے بغیر کوئی دستاویز لکھ بھی دیتی ہے تو اس کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔

عورت کے پاس شادی کے پہلے جو کچھ مال واسباب، نقدی اور ملکیت وجائید اد ہوتی ہے شادی کے بعد اس پر شوہر کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ زندہ رہتا ہے وہی اس کا فائدہ وصول کرتا ہے۔

عورت کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے۔نہ وہ کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس سے رجوع کر سکتا ہے۔شوہر کی اجازت کے بغیر وہ نہ کوئی چیز خرید سکتی ہے اور نہ بیچ سکتی ہے۔

عورت صرف کھانا، کپڑا اور مکان کے علاوہ کوئی بھی خرچ شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی۔ اس قانون کے خلاف 1870ء میں انگلینڈ کی پارلیمنٹ میں ایک بل پیش ہوا جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ وہ قانون جس کی رو سے عورت شادی کے بعد اپنی جائداد سے محروم ہو جاتی ہے۔اسے منسوخ کیا جائے۔اس قانون کو جب پیش کیا گیا تو تمام پارلیمنٹ کے ممبر ہنس پڑے۔بعض ممبران نے اس بل کی تائید کی۔

سر سید لکھتے ہیں کہ انگلینڈ جیسے ملک میں عورتوں کے متعلق یہ نظریہ پایا جاتا ہے۔دنیا کا کوئی بھی قانون جو عورتوں کے حقوق کے متعلق بنایا گیا ہے وہ اس قانون سے زیادہ نقصان دہ، خراب اور ناانصافی پر مبنی نہیں ہو گا۔

دوسری طرف جب ہم اسلام کے قوانین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔اسلام نے مرد وعورت کو برابر کے حقوق دیئے ہیں۔عورت کے پاس جو بھی مال وملکیت ہوتی ہے وہ اس کی مالک ہوتی ہے۔چاہے وہ وراثت میں ملا ہو یا تحفے کے طور پر۔نان ونفقہ کے علاوہ شوہر کی جائیداد سے اپنا حصہ بھی پاتی ہے جو اسلام نے معین کیا ہے۔اس کو تمام جائیداد پر اختیار حاصل ہوتا ہے چاہے اپنے پاس رکھے، بیچ دے یا کسی کو ہدیہ کر دے۔

9.2.4 مشکل الفاظ:

غل مچانا	شور مچانا	To create uproar / To make noise
تربیت یافتہ	تربیت پائے ہوئے	Trained / Educated
آفرینش	پیدائش، جنم، خلقت	Creation / Formation
حقیر	ذلیل، خوار	Insignificant / Mean / Lowly
تمثیل	مثال، نظیر، تشبیہ	Allegory / Parable
بمنزلہ	برابر، درجے و مرتبے میں مساوی	Equivalent to / At the level of
آنہ	ریز گاری کی ایک قسم، ایک روپیہ میں سولہ آنہ ہوتا تھا	Moment / Instant
بایں ہمہ	ان تمام باتوں کے باوجود	Nevertheless / Even so
حقوق	حق کی جمع	Rights / Entitlements
اختیار	اقتدار، طاقت، قوت،	Authority / Power / Choice
حامی	تائید کرنے والا، حمایت کرنے والا	Supporter / Patron
لایعقل	بے عقل، بے وقوف	Incomprehensible / Unreasonable

لاشئ	جس کی کوئی حیثیت نہ ہو	Nothing / Nonexistent
معدوم الوجود	جس کا کوئی وجود نہ ہو	Nonexistent / Extinct
متصور	جس کا تصور یا خیال کیا جائے	Imagined / Conceptual
قانون	ضابطہ، قاعدہ	Law / Rule
باب	حصہ، فصل	Chapter / Section
مبدّل	بدلا ہوا، تبدیل کیا ہوا	Changed / Transformed
معاہدہ	سمجھوتا	Agreement / Contract
دستاویز	اہم تحریر، اقرار نامہ	Document / Record
ذمہ وار	جواب دہ	Responsible / Accountable
بیع	بیچنا	Sale / Transaction
منکوحہ	جس کے ساتھ نکاح (شادی) ہوا ہو	Married woman / Wife
منسوخ کرنا	ختم کرنا	To cancel / To annul
مضرّت رساں	نقصان دہ	Harmful / Injurious
ناانصاف	غیر منصفانہ	Unjust / Unfair
مِلک	جائیداد، ملکیت	Assets / Estate / Property

9.2.5 مشقیں:

مشق 1: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

(الف) غل مچانا ....

(ب) آفرینش ....

(ج) بارہ آنہ ....

(د) حامی ....

مشق 2: نیچے دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

(الف) عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش (پیدائش) کے مساوی ہیں ( )

(ب) دونوں برابر حق نہیں رکھتے ہیں۔ ( )

(ج) انگلینڈ کے قانون کے مطابق عورت شوہر کی اجازت کے بغیر ہر چیز خرید سکتی ہے۔ ( )

(د) اسلام میں عورتوں کے حقوق اور اختیارات مردوں کے برابر ہیں ( )

مشق 3: نیچے دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

(الف) تمثیل ....

(ب) حقوق ....

(ج) باب ....

(د) معاہدہ ....

9.3 مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر"

9.3.1 شبلی نعمانی کا تعارف:

مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" کے لکھنے والے شبلی نعمانی ہیں۔ یہ سرسید کے دوستوں میں سے تھے۔ علی گڑھ تحریک میں بھی انہوں نے سرسید کا ساتھ دیا۔

شبلی نعمانی مئی 1857ء میں ضلع اعظم گڑھ کے موضع بندول پرگنہ سگڑی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ پیشے کے اعتبار سے وکالت سے منسلک تھے۔ ان کے والد نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں آنے دی۔ شبلی نے اعلیٰ تعلیم کے ساتھ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا اور وکالت کرنے لگے لیکن ان کا دل وکالت میں نہ لگا لہٰذا سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ ساتھ ہی درس وتدریس سے بھی رشتہ قائم رکھا۔ 1881ء میں اپنے بھائی سے ملنے علی گڑھ گئے جہاں ان کی ملاقات سرسید احمد خان سے ہوئی۔ سرسید شبلی کی علمی صلاحیت سے متاثر ہوئے اور انہیں علی گڑھ میں پروفیسر مقرر کیا۔ علی گڑھ میں رہتے ہوئے شبلی نعمانی کو سرسید اور وہاں کے کتب خانے سے استفادہ کا موقع ملا۔ سرسید کی وفات کے بعد علی گڑھ کو چھوڑدیا اور اپنے وطن واپس آگئے۔ جہاں انہوں نے شبلی نیشنل اسکول قائم کیا جو بعد میں ڈگری کالج بنا۔ شبلی نعمانی نے مختلف موضوعات پر کتابیں، رسائل، مقالات اور مضامین تحریر کیے۔ 1914ء میں انتقال ہوا اور اعظم گڑھ میں دفن کیے گئے۔

9.3.2 مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر": متن:

سرسید کے جس قدر کارنامے ہیں اگرچہ رفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرے سے آفتاب بن گئیں، ان میں ایک اردو لٹریچر بھی ہے۔ سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرے سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وسعت و جامعیت، سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کی استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔

ملک میں آج بڑے بڑے انشاپرداز موجود ہیں جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمراں ہیں، لیکن ان میں سے ایک شخص

بھی نہیں جو سر سید کے بار احساں سے گردن اٹھا سکتا ہو۔ بعض بالکل ان کے دامن تربیت میں پلے ہیں، بعضوں نے دور سے فیض اٹھایا ہے، بعض نے مدعیانہ اپنا الگ راستہ نکالا، تاہم سر سید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیوں کر رہ سکتے تھے۔

سر سید کی جس زمانے میں نشو و نما ہوئی، دلی میں اہل کمال کا مجمع تھا، اور امرا اور رؤسا سے لے کر ادنیٰ طبقے تک میں علمی مذاق پھیلا ہوا تھا۔ سر سید جس سوسائٹی کے ممبر تھے اس کے بڑے ارکان مفتی صدر الدین خاں آرزردہ، مرزا غالب اور مولانا صہبائی تھے۔ ان میں سے ہر شخص تصنیف و تالیف کا مالک تھا اور انہی بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا کہ سر سید نے ابتدا ہی میں جو مشغلہ علمی اختیار کیا وہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا۔

اول وہ رواج عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان میں آئے، آہی تخلص اختیار کیا اور اردو میں ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی، جس کا ایک مصرع انہی کی زبانی سنا ہوا مجھے یاد ہے، نام میرا تھا کام ان کا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، اس لیے وہ بہت جلد اس کوچے سے نکل آئے اور نثر کی طرف توجہ کی۔ چوں کہ حقائق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا اس لیے دلی کی عمارتوں اور یادگاروں کی تحقیقات شروع کیں اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دے کر 1847 میں ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصنادید کے نام سے مشہور ہے۔

اس وقت اگرچہ سر سید کے سامنے اردو نثر کے بعض عمدہ نمونے موجود تھے، خصوصاً میر امن صاحب کی چہار درویش جو 1802 میں تالیف ہوئی تھی اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا، یعنی عمارات اور ابنیہ کی تاریخ وہ تکلف اور آورد سے اِبا کرتا تھا، تاہم آثار الصنادید میں اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ سر سید کی رات دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانا موصوف بیدل کے ایسے دلدادہ تھے کہ ان کا کلمہ پڑھتے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے، اسی طرز میں لکھتے تھے۔ سر سید نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض بعض مقامات بالکل مولانا امام بخش صہبائی کے لکھے ہوئے ہیں، جو انہوں نے میری طرف سے اور میرے نام سے لکھ دیے تھے۔ بہر حال اس کتاب میں جہاں جہاں انشا پردازی کا زور دکھایا ہے، اس کا نمونہ یہ ہے،

> "ان حضرت کی طبع رسا شکل رابع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہے کہ بدیہی الانتاج سے ارباب فہم و ذکا اور ناخن فکر عقدہ لا ینحل کو پہلے اس سے وا کرتا ہے کہ گرہ حباب کو انگشت موج دریا۔ معنی فہمی اس درجہ کہ راست و درست سمجھ لیا کہ زبان سوسن نے کیا کہا اور رمز شناسی اس مرتبہ کہ واقعی معلوم ہو گیا کہ نگاہ نرگس نے کیا اشارہ کیا۔ اگر ان کی رائے روشن معجز نما ہو تو نقطہ موہوم کو انگشت سے تقسیم کرے اور جزلا یتجزی کو دو دیم۔"

اگرچہ اس سے بہت پہلے یعنی 1836 میں مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار مولوی محمد باقر نے اردو اخبار کے نام سے اردو کا ایک پرچہ نکالا تھا اور خود سر سید نے ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کا نام سید الاخبار تھا اور دونوں پرچوں کی زبان، ضرورت کے اقتضا سے سادہ اور

صاف ہوتی تھی۔ تاہم اس وقت تک یہ زبان علمی زبان نہیں سمجھی جاتی تھی اس لئے جب کوئی شخص علمی حیثیت سے کچھ لکھتا تھا تو اسی فارسی نما طرز میں لکھتا تھا۔ سرسید نے بھی اسی وجہ سے آثار الصنادید میں جہاں انشاپردازی سے کام لیا اسی طرز کو برتا۔

آثار الصنادید جس زمانے میں نکلی، اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد تقریبا 1850 میں دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب نے اردو کی طرف توجہ کی، یعنی مکاتبات وغیرہ اردو میں لکھنے شروع کیے اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے، اپنا کوچہ الگ نکال کر رہتے تھے، اس لیے انہوں نے تمام ہم عصروں کے برخلاف مکاتبے کو مکالمہ کر دیا۔ مکاتبات میں وہ بالکل اس طرح ادائے مطلب کرتے تھے جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سے خطوط میں انسانی جذبات، مثلاً رنج و غم، مسرت و خوشی، حسرت و بے کسی کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔ اکثر جگہ واقعات کو اس بے ساختگی سے ظاہر کیا کہ واقعے کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ اردو انشاپردازی کا آج جو انداز ہے اور جس کے مجدد اور امام سرسید مرحوم تھے اس کا سنگ بنیاد در اصل مرزا غالب نے رکھا تھا۔ سرسید کو مرزا سے جو تعلق تھا، وہ ظاہر ہے۔ اس لیے کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ سرسید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے۔

اسی زمانے میں ہندوستان کے ہر حصے میں کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے اور انشاپردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی، تمدنی، ملکی، مذہبی، تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا، اس لیے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے، تاہم انشاپردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت میں تھا۔ 1287ھ میں جس کو آج کم و بیش 27 برس ہوئے، سرسید نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لیے تہذیب الاخلاق کا پرچہ نکالا اور اردو انشاپردازی کو اس رتبے پر پہنچا دیا جس کے آگے اب ایک قدم بڑھنا بھی ممکن نہیں۔ سرسید نے اردو میں جو باتیں پیدا کیں اس کو وہ مختصراً تہذیب الاخلاق میں خود ایک مقام پر لکھتے ہیں، ان کی خاص عبارت یہ ہے،

> "جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی، علم و ادب کی ترقی میں اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ اس میں کوشش کی جو کچھ لطف ہو، مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔" اس آرٹیکل میں سرسید نے انشاپردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہیں جن کو اس موقع پر ہم اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہیں۔"

سرسید کی انشاپردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے اور جس مضمون کو لکھا ہے اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کرنا ممکن ہے۔ فارسی اور اردو میں بڑے بڑے شعرا اور نثار گزرے ہیں، لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا۔ فردوسی بزم میں رہ جاتا ہے، سعدی رزم کے مرد میدان نہیں، نظامی رزم بزم دونوں کے استاد ہیں، لیکن اخلاق کے کوچے سے آشنا نہیں، ظہوری صرف مدحیہ نثر لکھ سکتا ہے، برخلاف اس کے سرسید نے اخلاق، معاشرت، پالیٹکس، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ سب پر لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے لاجواب لکھا ہے۔ مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے جستہ جستہ

فقرے نقل کرتے ہیں۔ امید کی خوشی پر ایک مضمون لکھا ہے جس میں امید کو مخاطب کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

"دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارے میں ہوتا ہے، اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے، اور اس گہوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے، ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے، اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے، سورہ میرے بچے سورہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ، اے میرے دل کی کونپل سورہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزاں نہ آئے، تیری ٹہنی میں کبھی کوئی خار نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آئے، سورہ میرے بچے سورہ، میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی، تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا، ہمارے دل کو تسلی دیں گی۔ سورہ میرے بچے سورہ، سورہ میرے بالے سورہ۔"

"یہ امید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جب کہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا، اس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی، آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کے بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہو گئیں اور ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ ہے۔"

"وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے، کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا ہے، لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے، دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے اور جب کہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں، اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں، اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے۔ تو اے بہادروں کی قوت بازو! اور اے

بہادروں کی ماں! تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال اس کے دل کو تقویت دیتا ہے، اس کے کان نقارے میں سے تیرے ہی نغمے کی آواز سنتا ہے۔"

تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطروں میں کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہے اور اس میں کس قدر درد اور اثر پیدا کیا ہے۔ پالیٹکس کا راستہ اس سے بالکل الگ ہے۔ پنجاب میں جب یونیورسٹی قائم ہو رہی تھی، جس میں اورینٹل تعلیم پر بہت زور دیا گیا تھا، سرسید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالیٹکس کی بنا پر ہم کو اعلیٰ تعلیم سے روکنا مقصود ہے، اس وقت سرسید نے پے در پے تین آرٹیکل لکھے۔ ان آرٹیکلوں نے یونیورسٹی کے بانیوں کو اس قدر گھبرا دیا کہ خاص ان آرٹیکلوں کے جواب میں سیکڑوں مضامین لکھے گئے۔ اور ان کا مجموعہ یکجا کر کے ایک مستقل کتاب تیار کی۔ افسوس ہے کہ اختصار کی وجہ سے ہم ان آرٹیکلوں کا کوئی حصہ نقل نہیں کر سکتے۔

سرسید نے انشا پردازی کی ترقی کے جو طریقے ایجاد کیے، ان میں ایک یہ تھا کہ بہت سے اعلیٰ درجے کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا، لیکن ترجمے کے ذریعہ سے نہیں کیوں یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہے، بلکہ اس طرح کہ انگریزی کے خیالات اردو میں اردو کی خصوصیات کے ساتھ ادا کیے۔

"امید کی خوشی" کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کئے، دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اڈیسن اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گزرے ہیں۔ سرسید نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان میں ادا کیا۔ سرسید کی انشا پردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہے جب وہ کسی علمی مسئلے پر بحث کرتے ہیں۔ اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام میں نہیں لائی گئی، اس میں علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہیں، اس لیے اگر کسی علمی مسئلے کو اردو میں لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہیں کرتے، لیکن سرسید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دل آویزی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے۔

پروفیسر رینان نے جو فرانس کا ایک بڑا مصنف گزرا ہے، اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "عربی زبان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ فلسفیانہ مسائل کو ادا کر سکے۔" رینان جن مسائل کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان کو نا قابل سمجھا ہے (گویا اس کا خیال محض غلط ہے) سرسید نے اردو جیسی کم مایہ زبان میں وہ مسائل ادا کر دیے ہیں۔ سرسید نے فلسفہ الہیات پر جو کچھ اپنی مختلف تحریروں میں لکھا ہے، وہ فلسفے کے اعلیٰ درجے کے مسائل ہیں۔ زمانہ جانتا ہے کہ مجھ کو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا۔ تاہم اس سے مجھ کو کبھی انکار نہ ہو سکا کہ ان مسائل کو سرسید نے جس طرح اردو زبان میں ادا کیا، کوئی اور شخص کبھی ادا نہیں کر سکتا۔

سرسید کی تحریروں میں جابجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہے لیکن نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ۔ مولوی علی بخش خاں صاحب مرحوم جو سرسید کے رد میں رسالے لکھا کرتے تھے، حرمین شریفین گئے اور وہاں سے سرسید کی تکفیر کا فتویٰ لائے۔ اس پر سرسید ایک موقع پر تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں:

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی

بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا، ان کے لائے ہوئے فتوؤں کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہیں۔
سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے، کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی، اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے۔

تہذیب الاخلاق جب بند ہوا ہے، تو سرسید نے خاتمے پر جو مضمون لکھا ہے، اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں:

"سوتوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ جاگ اٹھیں۔ اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہو گیا اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے، ادھر ہاتھ جھٹک دیا، ادھر پیر جھٹک دیا اور اینڈے پڑے سوتے ہیں تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے، بچے اٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے، تو ہم اور پڑے رہیں گے، تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بچہ کڑوی دوا پیتے وقت منہ بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی! یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے، تم چپ رہو، میں آپ ہی پی لوں گا۔ لو بھائیو! اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اٹھو اٹھو، پی لو پی لو۔"

حقیقت یہ ہے کہ سرسید نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہے اس کی تفصیل کے لئے دو چار صفحے کافی نہیں ہو سکتے۔ یہ کام در حقیقت مولانا حالی کا ہے، وہ لکھیں گے اور خوب لکھیں گے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لکھ چکے ہیں اور خوب لکھا ہو گا۔ میں کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا۔ اس وقت جب کہ تمام ملک میں سرسید کا آوازہ ماتم گونج رہا ہے، اور ہر شخص ان کے کارناموں کے سننے کا شائق ہے، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہئے، میں نے اسی کی تعمیل کی ورنہ میں مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتا اور اس شعر کا مصداق بننا نہیں چاہتا:

بھلا تردد بے جا سے اس میں کیا حاصل
اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

9.3.3 خلاصہ:

مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" شبلی نعمانی نے سرسید احمد خاں کی علمی خدمات کے اعتراف میں لکھا ہے۔ اس میں شبلی نے سرسید کی انشاپردازی اور مضمون نگاری کی خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اردو زبان سرسید کے بدولت عشق و عاشقی کے حصار سے نکل کر اس لائق ہوئی کہ اس میں ملکی، سیاسی، اخلاقی اور تاریخی مضامین لکھے جانے لگے۔

سرسید ایک مصلح تھے لہٰذا انہوں نے اردو زبان سے اصلاح کا کام لیا۔ سرسید کی تربیت دلی میں ہوئی جہاں مفتی صدر الدین اور مولانا صہبائی جیسے اہل کمال رہتے تھے۔ غالب جیسا شاعر بھی موجود تھا۔ انہیں بزرگوں کا اثر تھا کہ سرسید بھی تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدا میں سرسید شاعری کی طرف مائل ہوئے اور "آہی" تخلص اختیار کیا۔ اردو میں ایک چھوٹی مثنوی لکھی، لیکن حقیقت میں ان کو

شاعری سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے جلد ہی نظم سے نثر کی طرف توجہ دی۔ نثر میں 1847ء میں دلیؔ کی عمارتوں اور یادگاروں کی تاریخ کے بارے میں تحقیق کرکے ایک معلوماتی کتاب "آثار الصنادید" کے نام سے لکھی جو بہت ہی مشہور ہوئی۔ ان کی نثر میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے مضمون نگاری کا سیدھا اور سادہ طریقہ اختیار کیا۔ تشبیہات و استعارات سے پرہیز کیا۔ کوشش کی بات اس انداز میں لکھی جائے کہ دل سے نکلے اور دل میں اثر کر جائے۔ سرسید نے تمام موضوعات پر قلم اٹھایا جن میں اخلاق، معاشرت، سیاست، مناظر قدرت، ادب وغیرہ شامل ہیں۔

سرسید کی انشاپردازی کا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے موضوعات پر مضامین لکھے۔ جب ہم سرسید کے مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کو ہر قسم کی نثر لکھنے پر عبور حاصل تھا، جنکا اندازہ ان کا مضمون "امید کی خوشی" کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اخلاق، معاشرت، سیاست، تاریخ، مناظر قدرت وغیرہ پر بہت ہی لاجواب لکھا ہے۔

سرسید کی انشاپردازی کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے انگریزی کے اعلیٰ درجے کے مضامین کو اردو زبان کا جامہ پہنایا مگر وہ کہیں سے ترجمہ معلوم نہیں ہوتے۔ سرسید کی تحریروں میں جابجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہے لیکن نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ۔

9.3.4 مشکل الفاظ:

رفارمیشن	اصلاح	Reformation
بدولت	وجہ سے	Due to / Because of
ذرّہ	خاک، دھول، کسی چیز کا نہایت چھوٹا ٹکڑا	Particle / Atom
آفتاب	سورج	Sun / Sunlight
دائرہ	گول علاقہ، حلقہ	Circle / Sphere / Domain
انشاپرداز	مضمون لکھنے والا، نثر نگار	Writer / Author/Essayist
بارِ احسان	احسان کا بوجھ	Favor / Kindness
فیض پذیری	فیض قبول کرنا، اثر قبول کرنا	Benefiting / Receiving blessings
نشوونما	تربیت، پرورش	Growth / Development
مشغلہ	کام	Hobby / Pastime
تخلص	شاعر کا وہ مختصر نام جو شعر یا کلام کے آخر میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے میرؔ، غالب، سوداؔ	Pen name / Literary pseudonym
آثار الصنادید	پرانے زمانے کے لوگوں کی تحریر، عمارت، آثار قدیمہ، سرسید کی مشہور کتاب کا نام جس میں دہلی کے بزرگوں، عمارتوں اور آثار کا	Historical Monuments / Notable relics

	تذکرہ کیا گیا ہے	
عمارات	عمارت کی جمع	Buildings / Structures
ابنیہ	بنیان کی جمع، عمارتیں	Constructions / Buildings
اِبا کرنا	ناپسند کرنا	To refuse / To deny
رنج و غم	دکھ اور تکلیف	Sorrow / Grief
مسرّت	خوشی	Happiness / Joy
اسٹائل	اسلوب	Style
رتبہ	مقام، مرتبہ	Rank / Status
نثّار	بہت زیادہ نثر لکھنے والا	Generous / Selfless
فردوسی	فارسی کا مشہور شاعر، جس نے شاہ نامہ فردوسی لکھا	Ferdowsi (Persian poet)
سعدی	فارسی کی مشہور کتابوں گلستان اور بوستان کے مصنف	Saadi (Persian poet)
نظامی	ایران کا مشہور شاعر جس نے چہار مقالہ نامی کتاب لکھی	Nezami (Persian poet)
ظہوری	خراسان کا مشہور فارسی شاعر	Zahoori (Persian poet)
آرٹیکل	مضمون	Article
منھ بسورنا	منھ بگاڑنا، رونی صورت بنانا	To pout / To sulk

9.3.5 مشقیں:

مشق 1: مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" کے متن کی مدد سے خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

i. سرسید کی جس زمانے .... ہوئی، دلی میں اہل کمال کا مجمع تھا۔

ii. سرسید نے شاعری کے میدان میں آئے اور .... تخلص اختیار کیا۔

iii. میر امن صاحب کی چہار درویش جو .... میں تالیف ہوئی تھی۔

iv. دیکھ نادان بے بس بچہ .... میں ہوتا ہے۔

مشق 2: نیچے دیے گئے الفاظ کے واحد کی جمع اور جمع کی واحد بنائیے۔

i. عمارات ....

ii. مطالب ....

iii. ذرّہ ....

iv. مشغلہ ....

v. خوشی ....

مشق 3: نیچے دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. رنج و غم ....

ii. منہ بسورنا ....

iii. بدولت ....

iv. رتبہ ....

v. انشاپرداز ....

9.4 نمونہ امتحانی سوالات

9.4.1 معروضی سوالات:

1۔ مضمون کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

(a) Essay (b) Story (c) Novel (d) Drama

2۔ تربیت یافتہ کے کیا معنی ہیں؟

(a) غیر مہذب (b) تربیت پایا ہوا (c) جاہل (d) ان پڑھ

3۔ کس سنہ میں انگلینڈ کی پارلیمنٹ میں عورتوں کی جائیداد کا بل پاس ہوا؟

(a) 1850 (b) 1880 (c) 1900 (d) 1870

4۔ عورت اور مرد باعتبار................کے مساوی ہیں؟

(a) پیدائش (b) آفرینش (c) جنس (d) علم

5۔ "عورتوں کے حقوق" کس کا لکھا مضمون ہے؟

(a) سرسید (b) شبلی (c) حالیؔ (d) آزادؔ

6۔ سرسید احمد خاں کہاں پیدا ہوئے؟

(a) آگرہ (b) دہلی (c) علی گڑھ (d) غازی پور

7۔ "سید الاخبار" کس نے جاری کیا؟

(a) محمد حسین آزاد (b) مولوی محمد باقر (c) سرسید (d) حالیؔ

8۔ شبلی نے کون سا مضمون لکھا ہے؟

(a) سرسید اور اردو لٹریچر (b) انسان کامل (c) امید کی خوشی (d) عورتوں کے حقوق

9۔ شبلی کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) اعظم گڑھ (b) علی گڑھ (c) دہلی (d) بنارس

10۔ فردوسی کون ہے؟

(a) فارسی زبان کا شاعر (b) ہندی کا شاعر (c) اردو کا شاعر (d) عربی کا شاعر

9.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ انگلینڈ میں عورتوں کے حقوق کے متعلق جو قانون پاس ہوا، اس کے اہم نکات بیان کیجیے۔

2۔ سرسید کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ آثار الصنادید کس کے بارے میں ہے؟ اختصار سے لکھیے۔

4۔ سرسید کی انشاپردازی کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

5۔ شبلی نعمانی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیے۔

9.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ اردو لٹریچر کے فروغ میں سرسید کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

2۔ مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" میں سرسید کی کن خوبیوں کا ذکر ہوا ہے؟ بیان کیجیے۔

3۔ مضمون "عورتوں کے حقوق" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں کیجیے۔

9.4.1 کے جوابات: 1-a 2-b 3-d 4-b 5-a

6-b 7-c 8-a 9-a 10-a

اکائی 10: انشائیہ

خطبہ صدارت (ابن انشا) امید کی خوشی (سر سید)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید
10.1 مقاصد
10.2 "خطبہ صدارت" ابن انشا
10.2.1 ابن انشا کا تعارف
10.2.2 انشائیہ "خطبہ صدارت": متن
10.2.3 خلاصہ
10.2.4 مشکل الفاظ
10.2.5 مشقیں
10.3 "امید کی خوشی" سر سید
10.3.1 سر سید کا تعارف
10.3.2 انشائیہ "امید کی خوشی": متن
10.3.3 خلاصہ
10.3.4 مشکل الفاظ
10.3.5 مشقیں
10.4 نمونہ امتحانی سوالات

10.0 تمہید

انشائیہ اردو کی سب سے کم عمر صنف ادب ہے۔ انشائیہ انگریزی میں Personal Essay کہلاتا ہے۔ انشائیہ میں شخصی خیالات و تاثرات جو کسی بھی چیز سے متعلق ہوتے ہیں انہیں اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے نئی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ انشائیہ میں غزل کا سا انداز ہوتا ہے یعنی گہری سے گہری بات خوش گوار انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ انشائیہ میں کسی خاص ترتیب کے ساتھ خیالات کا اظہار

نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اسے غیر منظم ادب پارہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس اکائی میں دو انشائیوں "خطبہ صدارت" اور امید کی خوشی" کے منتخب متن کو پیش کیا جارہا ہے، جس کے مطالعے سے آپ کو اردو زبان کو سیکھنے میں مدد ملے گی۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- انشائیے کے متن کے مطالعے سے اردو لکھنا، پڑھنا سیکھ سکیں۔
- متن کو پڑھنے سے آپ جملہ سازی میں مہارت پیدا کر سکیں۔
- انشائیے میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معنی کو سمجھ سکیں۔

10.2 "خطبہ صدارت" ابن انشا

10.2.1 ابن انشا کا تعارف:

ابن انشا کا آبائی وطن ضلع جالندھر مشرقی پنجاب کا گاؤں ' تھلہ ' تھا۔ انشا 15 جون 1927 میں ایک کاشت کار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام شیر محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک قریبی اسکول میں حاصل کی۔ 1946ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ جب 1947ء میں ملک کی تقسیم ہوئی تو پاکستان چلے گئے۔

1953 میں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) کیا۔ نیشنل بک کونسل کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ ٹوکیو بک ڈولپمنٹ پروگرام کے وائس چیئرمین اور ایشین کو پبلی کیشن پروگرام ٹوکیو کی مرکزی مجلس ادارت کے رکن بھی رہے۔ روزنامہ جنگ کراچی اور روزنامہ امروز لاہور کے ہفت روزہ ایڈیشنوں اور ہفت روزہ اخبار جہاں میں کالم لکھتے تھے۔ شاعری کے تین مجموعے "چاند نگر"، "اس بستی کے کوچے" اور" دل وحشی" کے نام سے شائع ہوئے۔ چینی نظموں کا اردو میں منظوم ترجمہ بھی کیا۔ 11 جنوری 1978 کو لندن میں انتقال کیا اور کراچی میں دفن ہوئے۔

ابن انشا ایک بلند پایہ کالم نگار، مصنف، مترجم، مزاح نگار اور شاعر تھے۔ ہندی ادب کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ 1965ء میں روزنامہ 'انجام' میں "باتیں انشاجی" کے عنوان سے لکھتے رہے۔ مطالعاتی مواد کے امور میں ابن انشا پاکستان میں یونیسکو کے نمائندے تھے۔ سفر ناموں، ترجموں اور شاعری پر مبنی تصنیفات اور تالیفات کا ایک وسیع ذخیرہ ابن انشا نے چھوڑا ہے۔ ان کی تصانیف میں: 'چاند نگر'، 'اس بستی کے اک کوچے میں'، 'دل وحشی' (شعری مجموعے)، 'بلو کا بستہ' (بچوں کی نظمیں)، 'دنیا گول ہے'، 'آوارہ گرد کی ڈائری'، 'اردو کی آخری کتاب' (مزاح)، 'چلتے ہو تو چین کو چلیے'، 'ابن بطوطہ کے تعاقب میں' (سفر نامے)، 'سحر ہونے تک' (ترجمہ روسی ناول)، 'انشاجی کے خطوط'، 'نگری نگری پھرا مسافر" وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

10.2.2 انشائیہ "خطبہ صدارت": متن:

"پچھلے دنوں ایک کتاب چھپی ہے، "چلتے ہو تو چین کو چلیے۔" اس کے فاضل مصنف کا کیا عمدہ قول ہے کہ انسان کی صحیح قدر اس

کے وطن سے باہر ہی ہوتی ہے جہاں اس کی اصلیت جاننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سفر وسیلۃ الظفر کا مطلب بھی شاید یہی ہے۔ ان صاحب کا جب چین میں تعارف کرایا گیا کہ یہ اپنے ملک کے نامی گرامی ناول نویس ہیں اور فسانہ آزاد، گئو دان، آگ کا دریا، خدا کی بستی اور آنگن وغیرہ انہی کی تصانیف ہیں تو یہ ہر چند کہ ناول لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتے تھے، فرط عجز وانکسار سے دہرے ہوگئے۔ کسی بات کی تردید کرنا خلاف آداب جانا۔ ایک اور صاحب کسی کاروبار کے سلسلے میں کسی باہر کے ملک میں گئے اور ملک الشعراہو کر واپس آئے۔

آقائے حاجی بابا اصفہانی بھی اصفہان آنا خلافِ مصلحت جانتے تھے۔ استنبول میں تو یہ ایک رئیس کے داماد ہو کر ٹھاٹ دکھاتے تھے۔ لیکن وطن آتے تھے تو پرانے گاہک بجائے سر آنکھوں پر بٹھانے کے یہی فرمائش کرتے تھے کہ خلیفہ ذرا میرا سر تو مونڈ دیجیو اور ہاں ڈاڑھی بھی تراش دیجیو۔ اللہ بخشے تمہارے باپ کا ساخط بنانے والا اب سارے اصفہان میں کوئی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ استنبول کی آب وہوا کی تعریف کیا کرتے تھے اور جب تک زندہ رہے وہیں قیام کرنا پسند کیا۔

مقصود اس قصے کا یہ ہے کہ ہمارا اپنے ہی شہر اور اپنے ہی پرانے کالج میں مہمان خصوصی بن کر آنا ایک طرح کی سنگین غلطی بلکہ غلط کاری ثابت ہوتا۔ لیکن ہم نے اطمینان کر لیا ہے کہ ہمارے زمانے کے اساتذہ میں سے کوئی کالج میں بچا ہے تو مروت کے مارے ہماری کسی بات پر یہ نہ کہے گا کہ ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں۔ صاحبو! ویسے تو ہم آہیں بھر بھر کر اپنے ماضی کی عظمت کی جو جو داستانیں چاہیں بیان کریں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس درس گاہ کے برآمدوں میں دو برس جوتیاں چٹخاتے ہوئے ہم نے نہ کچھ کھویا، سوائے عزت سادات کے اور نہ کچھ پایا سوائے ڈگری کے۔ ہماری کلاسیں ایک طرح سے تعلیم بالغاں کی کلاسیں تھیں۔ ہمارے اساتذہ نے ہمارا عیب وثواب اور نفع نقصان ہم ہی پر چھوڑ رکھا تھا کیونکہ ہمارے ہم سبقوں میں ایک دو تو شاید صاحب اولاد بھی تھے۔ ان اساتذہ کے علم وفضل میں کلام نہیں، لیکن ان کا فیض صحبت ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ ہم جیسے چھلے چھلائے اور دھلے دھلائے آئے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہم قطب بنے اپنے گھر میں بیٹھے رہتے تھے اور ہمارا ستارہ گردش میں رہا کرتا تھا۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہم خود گردش میں رہنے لگے اور ہمارے ستارے نے کراچی میں بیٹھے بیٹھے آب وتاب سے چمکنا شروع کر دیا۔ پھر اخبار جنگ میں "آج کا شاعر" کے عنوان سے ہماری تصویر اور حالات چھپے۔ چونکہ حالات ہمارے کم تھے لہٰذا ان لوگوں کو تصویر بڑی کرا کے چھاپنی پڑی اور قبول صورت، سلیقہ شعار، پابند صوم وصلوٰۃ اولادوں کے والدین نے ہماری نوکری، تنخواہ اور چال چلن کے متعلق معلومات جمع کرنی شروع کر دیں۔ یوں عیب بینوں اور نکتہ چینوں سے بھی دنیا خالی نہیں۔ کسی نے کہا یہ شاعر تو ہیں لیکن آج کے نہیں۔ کوئی بے درد بولا، یہ آج کے تو ہیں لیکن شاعر نہیں۔ ہم بد دل ہو کر اپنے عزیز دوست جمیل الدین عالی کے پاس گئے۔ انہوں نے ہماری ڈھارس بندھائی اور کہا دل میلا مت کرو۔ یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں۔ ہم تو نہ تمہیں شاعر جانتے ہیں نہ آج کا مانتے ہیں۔ ہم نے کسمسا کر کہا، یہ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ بولے، میں جھوٹ نہیں کہتا اور یہ رائے میری تھوڑی ہے سبھی سمجھ دار لوگوں کی ہے۔

ابن انشاء، یہ نام ہم نے نہ جانے کب رکھا تھا اور کیوں رکھا تھا کی توجیہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ہمارے اصلی نام میں ایک چوپائے کا نام شامل ہے۔ نیا نام رکھنے کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ سید انشاء اللہ خاں انشا کی رعایت سے ہمیں بھی سید لکھنے لگے۔ یعنی گھر بیٹھے ہماری ترقی ہوگئی۔ اسی نسبت سے دلی والوں نے ہمیں اپنا ہم وطن جان کر ہماری زبان پر کم اعتراض کیے اور دلی مرکنٹائل ہاؤسنگ سوسائٹی والوں نے

ایک پر فضا پلاٹ کی ہمیں پیش کش کی۔ لکھنؤ والوں نے البتہ ہماری زبان کے نقائص کے لیے اسی کو بہانہ بنالیا کہ ہاں دلی والے ایسی ہی زبان لکھا کرتے ہیں۔ پھر ایک روز ایسا ہوا کہ ایک صاحب نے آکر ہمارا ہاتھ ادب سے چوما اور کہا، واللہ آپ تو چھپے رستم نکلے۔ آپ کا کلام پڑھا اور جی خوش ہوا۔ ہم نے انکسار برتا کہ ہاں کچھ ٹوٹا پھوٹا کہہ لیتے ہیں۔ آپ نے کون سی غزل دیکھی ہماری۔ حافظے پر زور ڈال کر بولے، "کچھ اس قسم کی ہے، کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں۔" ہم نے کہا، "کہاں پڑھی ہے؟" بولے، "مولوی محمد حسین آزاد کی آبِ حیات میں منقول ہے۔"

جنگ میں "آج کا شاعر" کے ضمن میں خواتین کے بھیجے ہوئے پسندیدہ اشعار بھی چھپا کرتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحبہ نے ہمیں فون کیا کہ ذرا چیک کر کے بتایئے۔ یہ سارے اشعار آپ کے ہیں؟ بعض اوقات بیبیاں مختلف شاعروں کے اشعار کو خلط ملط بھی کر دیتی ہیں۔ ہم نے کہا سنایئے۔ ان میں بھی پہلا شعر جو کوئی دس خواتین کی پسند تھا۔ یہی تھا۔

کمر باندھے ہوئے۔۔۔

یہ غزل ہمیں ہمیشہ سے پسند رہی ہے۔ لہٰذا ہم نے ایڈیٹر صاحبہ سے کہا کہ کسی کا دل توڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کو ہمارا یہی شعر پسند ہے تو خیر چھاپ دیجیے۔ دوسرا شعر بھی اسی غزل کا تھا۔

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاء
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دوچار بیٹھے ہیں

ہم نے کھنکار کر کہا۔ خیر یہ بھی ٹھیک ہے۔ آگے چلیے۔ اس سے اگلا شعر تھا۔

یاد آتا ہے وہ حرفوں کا اٹھانا اب تک
جیم کے پیٹ میں اک نقطہ ہے سو خالی ہے

ہم نے کہا، ہمیں یاد نہیں پڑتا کہ یہ شعر ہمارا ہو۔ مشتبہ بات ہے اسے کاٹ دیجیے اس کے بعد نوبت ان شعروں پر پہنچی۔

کہیں بچھڑا ہوا دیکھا جو اک سرخاب کا جوڑا
تو ڈھاریں مار کر رویا بطِ گرداب کا جوڑا

لگی غلیل سے ابرو کی، دل کے داغ کو چوٹ
پر ایسی ہے کہ لگے تڑ سے جیسے زاغ کو چوٹ
شوق سے تو ہاتھ کو میرے مروڑ
میں ترا پنجہ مروڑوں کس طرح

10.2.3 خلاصہ:

ابن انشا اپنے انشائیہ کو عوام میں مقبول کرنے کے لیے دلچسپ موضوع کا انتخاب کرتے تھے۔ وہ اپنے ارد گرد کے حادثات و

واقعات کو اپنے انشائیوں اور کالموں کا موضوع قرار دیتے تھے تاکہ قارئین کے لیے ہنسنے ہنسانے کا موقع فراہم ہوتا رہے۔

"خطبہ صدارت" ابن انشا کا مزاحیہ مضمون ہے جو ان کی کتاب "آپ سے کیا پردہ میں" شامل ہے۔ اس انشائیہ میں بھی ابن انشا نے خود اپنے ہی کالج میں مہمان خصوصی بن کر جانے کی روداد بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسان دوسرے ملکوں میں یا ایسی جگہ جہاں اسے کوئی جاننے والا نہ ہو ا، خود کو کتنا ہی بڑا عالم تصور کرلے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر اسی کالج میں جہاں سے اس نے تعلیم حاصل کی ہو۔ یہ ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ وہ مزاحیہ اندزا میں اعتراف کرتے ہیں کہ اس کالج میں دو برس جوتیاں چٹخاتے ہوئے اپنی عزت کے علاوہ کچھ نہ کھویا۔ اور کچھ حاصل نہیں کیا سوائے ڈگری کے۔

ایک زمانہ تھا جب ان کا ستارہ گردش میں تھا۔ کوئی کام نہیں تھا۔ پھر کچھ پڑھنا لکھنا شروع کیا تو وہ گردش میں آ گئے۔ اخبار جنگ میں "آج کا شاعر" کے عنوان سے ان کا کلام اور حالات شائع ہوئے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ مشہور ہو گئے۔

ابن انشا نام رکھنے کی وجہ سے بعض لوگ انشااللہ خاں انشا کی نسبت سے انہیں بھی سید سمجھنے لگے۔ گھر بیٹھے ترقی ہو گئی۔ دلیّ والوں نے اپنا سمجھ کر اپنی سوسائٹی میں فلیٹ کی آفر بھی کی۔ ان کے اشعار بھی لوگ اپنے نام سے چھپوانے لگے۔

10.2.4 مشکل الفاظ:

چلتے ہو تو چین کو چلیے	ابن انشا کا سفر نامہ جو پہلی مرتبہ 1960 میں لاہور اکیڈمی سے شائع ہوا	Travelogue of Ibn-e-Insha
مصنف	تصنیف کرنے والا، لکھنے والا	Author / Writer
سفر وسیلہ الظفر	ایسا سفر جو انسان کی کامیابی کا سبب بنے	Safar Wasila al-Zafar (Book title)
ناول نویس	ناول لکھنے والا	Novelist
فرط	افراط، زیادتی	Excess / Intensity
تردید کرنا	انکار کرنا، جھٹلانا	To contradict / To refute
درس گاہ	اسکول، مدرسہ، جہاں سب پڑھا جائے	Classroom / Place of learning
ہم سبق	ہم جماعت	Classmate / Fellow student
عیب بین	عیب تلاش کرنے والا	Fault-finder / Critic
نکتہ چین	برائی نکالنے والا	Critical / Picky
دل میلا کرنا	ناامید ہونا، غمگین ہونا	To be affectionate / To win over hearts
زاغ	کوّا	Crow

10.2.5 مشقیں:

مشق 1: نیچے دیے گئے جملوں میں مقام یا جگہ کی نشاندہی کیجیے۔

(الف) چلتے ہو تو چین کو چلیے۔ (   )

(ب) استنبول میں تو یہ ایک رئیس کے داماد ہو کر ٹھاٹ دکھاتے تھے (   )

(ج) دلی مرکنٹائل ہاؤسنگ سوسائٹی والوں نے ایک پر فضا پلاٹ کی ہمیں پیش کش کی۔ (   )

(د) ابن انشا کا آبائی وطن ضلع جالندھر مشرقی پنجاب کا گاؤں 'تھلہ' تھا۔ (   )

مشق 2: ذیل میں دیئے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

(الف) زاغ ....

(ب) ہم سبق ....

(ج) عیب بین ....

(د) مصنف ....

مشق 3: اس انشائیہ کے بارے میں اپنے خیالات چند جملوں میں لکھیے۔

....

....

....

10.3 "امید کی خوشی" سر سید

10.3.1 سر سید کا تعارف:

سر سید احمد خان 17 اکتوبر 1817 ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد متقی تھا جو نہایت با اخلاق اور نیک آدمی تھے۔ ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں کریما، خالق باری، گلستان، بوستان وغیرہ مولوی حمید الدین سے پڑھیں۔

حصول تعلیم کے بعد ملازمت اختیار کی اور پہلے پہل 1841ء میں مین پوری میں منصف کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ایک سال کے بعد 1842ء میں تبادلہ فتح پور سیکری ہو گیا۔ 1857ء میں مراد آباد میں صدر الصدور کے عہدے پہ فائز ہوئے، مختلف مقامات پر رہتے ہوئے آخر میں بنارس میں جج کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور بقیہ عمر علی گڑھ کالج کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی اور 27 مارچ 1898ء میں دنیا سے رحلت کر گئے۔

10.3.2 انشائیہ "امید کی خوشی": متن:

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک، اے آسمان کے تارو، تمہاری خوشنما چمک، اے بلند پہاڑوں کی

آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چوٹیو! اے پہاڑ کے عالی شان درختو! اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دل کش بیل بوٹو! تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سر سبز کھیتوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو؟ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوب صورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھوں کو بھایا ہے، تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے۔

وہ چیز کیا ہے؟ کیا عقل ہے؟ جس کو سب لوگ سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہم کو آئندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے؟ ہر گز نہیں! اس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اس کی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے۔ او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوب صورت بیٹی امید! یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی، خوشی کے لیے نام آوری، نام آوری کے لیے بہادری، بہادری کے لیے فیاضی، فیاضی کے لیے محبت، محبت کے لیے نیکی، نیکی، نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں۔

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اس کو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اس کو گھیرا تو صرف تو ہی اس کے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اس ناامید کو ناامید ہونے نہیں دیا، تو ہی نے اس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اس کو ذلت سے نکالا اور پھر اس کو اس اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا تھا۔

اس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اٹھائی اور مار پیٹ سہی، تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جب کہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے کچھ اور نظر نہیں آتا تھا تو، تو ہی اس طوفان میں اس کی کشتی کھینچنے والی اور اس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے۔ زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی، جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے۔

اے آسمانوں کی روشنی اور اے ناامیدوں کی تسلی امید! تیرے ہی شاداب اور سر سبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سر سبز درختوں کے سایے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا، خوش الحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں۔

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اس کے گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ، اے میرے دل کی کونپل سورہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے، تیری ٹہنی میں کوئی

خار کبھی نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے، کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے، سو رہ میرے بچے سو رہ، میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہو گا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہو گی، تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دے گی۔ تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اجالا ہو گی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لیے خوش آیند راگنیاں ہوں گی، سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری امیدوں کے پودے سورہ۔

بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے۔ تم ہماری بے جان لاش کے پاس کھڑے ہو گے۔ تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے۔ تم روؤ گے اور ہم کچھ نہ رحم کریں گے۔ اے میرے پیارے رونے والے! تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کرو گے۔ آہ ہم نہ ہوں گے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا چہرہ، اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کرو گے۔ آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہوں گے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ سورہ میرے بالے سورہ۔

یہ امید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جب کہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا۔ اس کی پیاری آواز، ادھورے لفظوں میں اس کی ماں کے کان میں پہونچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غم زدہ دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہو گئیں۔ اس کے ماں باپ اس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں اور ہماری پیاری امید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے۔ اس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ اس کو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا۔ مایوس ہے پر امید نہیں ٹوٹی۔ لہو بھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے، پر ملنے سے ناامید نہیں۔ فاقوں سے خشک ہے۔ غم سے زار نزار ہے۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ کوئی خوشی اس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک امید ہے جس نے اس کو وصل کی امید میں زندہ اور اس خیال میں خوش رکھا ہے۔

دیکھ وہ بے گناہ قیدی، اندھیرے کنوئیں میں سات تہہ خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم، غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے۔ بڈھے باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اس کے دل کو غمگین رکھتی ہے۔ قید خانے کی مصیبت، اس کی تنہائی، اس گھر کا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو نہایت رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی اس کا ساتھی نہیں ہے۔ مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید! تجھ ہی میں اس کی خوشی ہے۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے، کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے، ہزاروں خطرے در پیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھ ہی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جب کہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے، دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے۔ اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر

سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے۔ اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے۔ اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوتِ بازو۔ اور اے بہادری کی ماں۔ تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال ان کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ ان کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمے کی آواز سنتا ہے۔

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے۔ دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے، ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ ان کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے، یگانوں بے گانوں سے ملتا ہے۔ ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے۔ مشکل کے وقت ایک بڑی مایوسی سے مدد مانگتا ہے۔ جن کی بھلائی چاہتا ہے انہیں کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتوؤں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں
بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں ہاں کر کر محنت اور دل سوزی سے دور رہ کر۔ بہت سی ہمدردی کرتے ہیں، پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بے قرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا۔ کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اے بے قرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت۔ تو ہی ہر دم ہمارے ساتھ ہے، تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے، تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے۔ تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے اور ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے مہدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہمارے دل کی تسلی رہ۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ جب کہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لبِ بام ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ منہ پر مردنی چھاتی ہے۔ ہوا ہوا میں، پانی پانی میں، مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔ اس وقت اس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہو گی، امید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسمِ بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے۔ اس لازوال خوشی کی امید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوف ناک چیز ہے۔ او ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے جہاں سورج کی کرن اور زمانے کی لہر بھی نہیں پہنچتی۔ تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے، (۱) ایمان کے توشے۔ (۲) امید کے ہادی اور (۳) موت کی سواری سے۔ مگر ان سب میں جس کو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام "امید" ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ امید نہیں ہوتی مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی

ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اس بے تکلف آنے والے زمانے کی امید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانے کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے جان دیتا ہے۔

10.3.3 خلاصہ:

مضمون "امید کی خوشی" کے لکھنے والے سر سید احمد خان ہیں۔ یہ مضمون مضامین سر سید میں شامل ہے۔ یہ مضمون خالص ادبی ہے۔ مضمون میں لفظوں کی ترتیب جادوئی اثر رکھتی ہے۔ جس کے سحر میں انسان کھو جاتا ہے۔ اور اندھیرے میں امید کے جگمگاتے دیے کی روشنی میں اپنی منزل کو تلاش کرتا ہے۔ امید پر ہی دنیا قائم ہے۔ انسان کی عزت و وقار اور وقعت سب امید ہی کے سہارے ہے۔ امید حوصلہ و ولولہ عطا کرتی ہے۔ خوشی و مسرت سے ہمکنار کرتی ہے۔ ناامیدیوں میں امید کے چراغ روشن کرتی ہے۔ امید ہی کے سہارے انسان مشکل سے مشکل وقت کو کاٹ دیتا ہے۔ اسی کے سہارے انسان خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے نام و نمود، عزت و شہرت، نیکی و نیک نامی، فیاضی اور محبت کے لیے خود کو تیار کر لیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو امید ہی نے ناامید نہ ہونے دیا۔ ان کے اندر امید کی کرن جگائے رکھا۔ وہ اپنے امتحان میں کامیاب ہوئے اور اس منزل پر پہنچے کہ فرشتوں نے سر تسلیم خم کیا۔

جناب نوح علیہ السلام سینکڑوں سال تک تبلیغ کرتے رہے لیکن قوم نے اذیتوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ مگر امید وجود ہی ان کو تسلی دیتا تھا۔ جب ان کا سفینہ دریا میں بہا جا رہا تھا۔ جہاں مایوسی کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ امید ہی ان کی کشتی کو کنارے لگانے والی تھی۔

ایک مصیبت زدہ ماں اپنی روزی روٹی کی تلاش میں تیری ہی امید کے سہارے لگی رہتی ہے۔ کام بھی کرتی جاتی ہے اور اپنے بچے کے گہوارے کی ڈور بھی ہلاتی ہے۔ اسے لوری بھی سناتی ہے۔

ایک ماں اپنے بچے کو کہانی سناتے ہوئے سلاتی ہے کہ اے میرے دل کی ٹھنڈک سو جا، تجھے کوئی غم اور پریشانی لاحق نہ ہو۔ کبھی تجھے خزاں دیکھنا نصیب نہ ہو۔ تیری کھیتی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔ تیرا عزت و وقار ہمیشہ سر بلند رہے۔ یہ سب امید کے بھروسے پر کرتی ہے۔

امید کا دامن تھام کر ہی حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کی جدائی میں گریہ کرتے رہے مگر ناامید نہیں ہوئے۔ لہو بھرا کرتا دیکھا مگر امید نہیں ٹوٹی۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں مگر صرف امید تھی جس نے ان کے حوصلوں کو مضبوطی عطا کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید ہوئے۔ بے یار و مددگار، بوڑھے باپ کا غم، بھائیوں کی جدائی، قید خانے کی مصیبت، اس کا اندھیرا، اپنی بے گناہی کا خیال، مگر کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ مگر امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ رہا ہوئے اور بادشاہ مصر کے مرتبے تک پہنچے۔

میدان جنگ میں زخم کھایا ہوا سپاہی، خوف وہراس کے عالم میں تیرے ہی سہارے کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ توپوں کی آوازیں، ساتھیوں کی خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں بھی اس کے حوصلے کو پست نہیں کرتی۔ وہ جوان مردی سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور فاتح

قرار پاتا ہے۔

قوم کی فلاح و بہبود کی فکر کرنے والا، دن رات قوم کے غم میں آنسو بہاتا ہے۔ ہر وقت بھلائی کی تدبیریں کرتا ہے۔ دور دراز کا سفر کرتا ہے۔ ہر ایک سے ملتا ہے۔ ہر تہذیب میں اپنا مطلب ڈھونڈ نکالتا ہے۔ مایوس ہوتا ہے، جن کی بھلائی چاہتا ہے انہیں کو اپنا دشمن پاتا ہے۔ دوست منہ پھیر لیتے ہیں۔ عالم و فاضل کفر کا فتویٰ لاتے ہیں۔ کچھ دوست ساتھ دیتے ہیں۔ اے امید تو ہی اس کے دل کی تسلی بنتی ہے۔ تو ہی اس کی منزلوں کی ساتھی ہے۔ تیرے ہی سہارے وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ سر سید احمد خان نے اس مضمون میں بوڑھے، ماں، عالم نزع میں مبتلا انسان اور دیگر مثالوں سے امید کی خوشی کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔

آج بھی انسان ناامید ہے۔ ہر طرف سے پریشانیوں نے اسے گھیرا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی امید لیے ہوئے ہے کہ کوئی نجات دلانے والا آئے گا۔ یہی امید انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔

10.3.4 مشکل الفاظ:

دھنک	قوسِ قزح	Rainbow
نیچر	فطرت	Nature
رسائی	پہنچ	Access / Reach
خوابیدہ	سویا ہوا	Asleep / Dormant
نام آوری	شہرت، بہت مشہور ہونا	Fame / Renown
جودی پہاڑ	وہ پہاڑ جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی	Judi Mountain
سرسبز باغ	ہرا بھرا باغ	Lush garden / Green garden
خوش الحان	اچھی آواز والا	Melodious / Sweet-voiced
کونپل	کلی، پتی، شگوفہ	Bud / Sprout
ڈھیر	قبر، انبار	Pile / Heap
غوں غاں	شور و غل	Buzzing / Chirping
مکتب	مدرسہ	School / Place of learning
ریوڑ	جھنڈ، گلہ	Cart / Wagon
زار نزار	دبلا پتلا، نحیف و ناتواں	Decrepit / Worn-out
تقویت	طاقت، زور	Strengthening / Fortification
یگانہ	رشتہ دار، سگا، بھائی بند	Unique / Singular
لبِ بام	چھت کے کنارے پر	Rooftop / Edge of the roof

10.3.5 مشقیں:

مشق 1: درج ذیل الفاظ وتراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

(الف) چنگل میں پھنسنا ....

(ب) لبِ بام ....

(ج) آتشیں پہاڑ ....

(د) سر سبز درخت ....

مشق 2: نیچے دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

(الف) "امید کی خوشی" سر سید احمد خاں کا مضمون ہے۔ (   )

(ب) سر سید احمد خان پنجاب میں پیدا ہوئے۔ (   )

(ج) مولوی محمد حسین آزاد کی کتاب آبِ حیات ہے۔ (   )

مشق 3: نیچے دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

(الف) غوں غاں ....

(ب) ڈھیر ....

(ج) حصول تعلیم ....

10.4 نمونہ امتحانی سوالات

10.4.1 معروضی سوالات:

1۔ Personal Essay کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟

(a) مضمون (b) خاکہ (c) ڈراما (d) انشائیہ

2۔ ابن انشا کہاں پیدا ہوئے؟

(a) اسلام آباد (b) کراچی (c) تھلہ (d) دہلی

3۔ ابن انشا نے کس یونیورسٹی سے ایم۔اے (اردو) کیا؟

(a) پنجاب یونیورسٹی (b) گرونانک یونیورسٹی (c) کراچی یونیورسٹی (d) علامہ اقبال یونیورسٹی

4۔ ابن انشا کا انتقال کس شہر میں ہوا؟

(a) پیرس (b) برلن (c) روم (d) لندن

5۔ "خطبہ صدارت" کس کا لکھا مضمون ہے؟

(a) ابن انشا (b) شبلی (c) حالیؔ (d) آزادؔ

6۔ "چلتے ہو تو چین کو چلیے" کیا ہے؟

(a) ناول (b) سفر نامہ (c) ڈرامہ (d) مضمون

7۔ شیر محمد کس کا نام ہے؟

(a) فیض (b) جوشؔ (c) ابن انشا (d) حالیؔ

8۔ نادان کے کیا معنی ہیں؟

(a) بیو قوف (b) عقلمند (c) پڑھا لکھا (d) جاہل

9۔ سر سید کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) اعظم گڑھ (b) علی گڑھ (c) دہلی (d) بنارس

10۔ مضمون "امید کی خوشی" کس نے لکھا؟

(a) سر سید (b) شبلی (c) حالی (d) کسی نے نہیں

10.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1. ابن انشا کے بارے میں مختصر طور پر لکھیے۔
2. ذیل میں دیے گئے جملے کی تشریح کیجیے۔

"لیکن ہم نے اطمینان کر لیا ہے کہ ہمارے زمانے کے اساتذہ میں سے کوئی کالج میں بچا ہے تو مروت کے مارے ہماری کسی بات پر یہ نہ کہے گا کہ ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں۔ صاحبو! ویسے تو ہم آہیں بھر بھر کر اپنے ماضی کی عظمت کی جو جو داستانیں چاہیں بیان کریں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس درس گاہ کے بر آمدوں میں دو برس جوتیاں چٹخاتے ہوئے ہم نے نہ کچھ کھویا، سوائے عزت سادات کے۔ اور نہ کچھ پایا سوائے ڈگری کے۔"

3. خطبہ صدارت کے ذیل میں ابن انشا نے کیا بیان کیا ہے؟ اس پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. سر سید کے حالات زندگی لکھیے۔
5. امید کے سہارے انسان کیا کر گزرتا ہے، چند مثالیں بیان کیجیے۔

10.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1. خطبہ صدارت کا موضوع کیا ہے؟ لکھیے۔
2. "امید کی خوشی" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں کیجیے۔
3. ابن انشا کے حالات زندگی اور ادبی خدمات پر ایک مضمون لکھیے۔

10.4.1 کے جوابات:

1۔d	2۔c	3۔c	4۔d	5۔a
6۔b	7۔c	8۔a	9۔b	10۔a

اکائی 11: خاکہ

مہدی نواز جنگ (صالحہ عابد حسین) میر تقی میر (محمد حسین آزاد)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 خاکہ: مہدی نواز جنگ

11.2.1 صالحہ عابد حسین کا تعارف

11.2.2 خاکہ "مہدی نواز جنگ" کا متن

11.2.3 خلاصہ

11.2.4 مشکل الفاظ

11.2.5 مشقیں

11.3 خاکہ: "میر تقی میر"

11.3.1 محمد حسین آزاد کا تعارف

11.3.2 خاکہ "میر تقی میر" کا متن

11.3.3 خلاصہ

11.3.4 مشکل الفاظ

11.3.5 مشقیں

11.4 نمونہ امتحانی سوالات

11.0 تمہید

خاکہ کے لغوی معنیٰ کچا نقشہ، ڈھانچہ، یا لکیروں کی مدد سے بنائی ہوئی تصویر کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں بہت ہی مختصر طور پر اشارے کنائے میں کسی شخصیت کا ناک نقشہ، عادات و اطوار اور کردار کو سیدھے سادے انداز میں مبالغے کے بغیر پیش کرنے کو خاکہ کہتے ہیں۔ خاکہ اس انداز سے لکھا جاتا ہے کہ اس شخصیت کی چلتی پھرتی تصویر کے ساتھ اس کے افکار و نظریات بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

خاکہ نگاری میں کسی شخصیت کی مکمل زندگی یا اس کے علمی و ادبی یا سیاسی خدمات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا جاتا بلکہ کسی شخص سے وابستہ عقیدت، احترام، محبت، دوستی، دلچسپی اور یادوں کی ایک لفظی تصویر ہوتی ہے جو کسی جگہ نہایت بے ساختہ انداز میں شروع ہوتی اور غیر روایتی انداز میں کہیں ختم ہو جاتی ہے۔

اس اکائی میں اردو کے دو مشہور خاکے "مہدی نواز جنگ "صالحہ عابد حسین، "میر تقی میر" محمد حسین آزاد کے متون کو پیش کیا جارہا ہے تاکہ طلبا اس کی مدد سے اردو لکھنا، بولنا اور پڑھنا بہتر طریقے سے سیکھ سکیں۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- خاکہ کی مختصر تعریف بیان کر سکیں۔
- روانی کے ساتھ متن کو پڑھ سکیں۔
- متن میں موجود الفاظ کے معنی کو سمجھ سکیں۔
- متن کے خلاصہ کو بیان کر سکیں۔
- خاکہ نگار کے بارے میں مختصر اظہار خیال کر سکیں۔

11.2 خاکہ: مہدی نواز جنگ

11.2.1 صالحہ عابد حسین کا تعارف:

صالحہ عابد حسین 18 اگست 1913ء کو پانی پت میں پیدا ہوئیں۔ان کی والدہ مشتاق فاطمہ مولانا الطاف حسین حالی کی پوتی تھیں۔ان کے والد خواجہ غلام الثقلین تھے۔انھوں نے علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کی۔پیشے سے وکیل تھے۔انھوں نے ہندوستانیوں خاص طور پر مسلمانوں کو جدید تعلیم اور تہذیب سے روشناس کرانے کے لیے بہت سے کام کیا۔

صالحہ عابد حسین کا بچپن کا نام مصداق فاطمہ تھا۔لیکن جب علی گڑھ کے عبداللہ گرلز کالج میں داخلہ لیا تو اپنا نام بدل کر صالحہ خاتون رکھا۔ادبی دنیا میں صالحہ عابد حسین کے نام سے مشہور ہوئیں۔ابتدائی تعلیم پانی پت کے لڑکیوں کے اسکول میں حاصل کی۔پنجاب یونیورسٹی سے مڈل اسکول پاس کیا۔پنجاب ہی سے بی۔اے آنرس کا امتحان دیا اور فرسٹ کلاس سے پاس ہوئیں۔

صالحہ عابد حسین اردو ادب میں بحیثیت ناول نگار، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، خاکہ نویس، سفر نامہ نگار وغیرہ کے مشہور ہوئیں۔انھوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز افسانہ سے کیا۔اس کے ساتھ ساتھ ناول، ڈرامہ، خاکہ، سفر نامہ، بچوں کی کہانیاں، ادبی و مذہبی مضامین، خودنوشت، سوانح بھی لکھیں۔ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "نقش اول" کے نام سے 1941ء میں شائع ہوا۔

11.2.2 خاکہ "مہدی نواز جنگ" بعنوان "میرے مہدی بھائی" : متن (اقتباس):

"مجھے حیدرآباد دیکھنے کی بڑی تمنا تھی مگر پوری ہوئی بہت عرصے کے بعد۔گرمیوں میں حیدرآباد جانے کا پروگرام بنا مگر سوال یہ تھا

کہ ٹھہرا کہاں جائے۔ یوں تو بہت سے جاننے والے وہاں موجود تھے مگر اتنے گہرے مراسم کسی سے نہ تھے کہ دس پندرہ دن ٹھہرا جائے۔ گیسٹ ہاؤس وغیرہ میں ٹھہرنے سے بھی میں گھبراتی ہوں۔

بھائی جان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نواب مہدی نواز جنگ کو لکھتا ہوں تم ان کے ہاں ٹھہر جاؤ۔ مجھے معلوم تھا کہ بھائی جان کے ان سے گہرے مراسم ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے اور قدر کرتے ہیں۔ میری ایک بار ان کے ہاں نواب صاحب سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ مگر میں ہچکچا رہی تھی۔ ایک تو مزاج کی افتاد ہی ایسی ہے کہ ایک دو بہت گہرے دوستوں اور اپنے بھائیوں کے سوا کسی کے ہاں ٹھہرنا خود مجھ پر بار گزرتا ہے۔ عادتیں بھی کچھ ٹیڑھی ہیں۔ پھر بڑے لوگوں اور (V.I.P,S) سے بہت گھبراتی ہوں اکثر نام بڑا اور درشن تھوڑے کی مثال صادق آتی دیکھی ہے۔ پھر یہ بزرگ نہ صرف آندھرا پردیش کے وزیر بلکہ نواب اور جنگ کے طرے لگے ہوئے۔

تعلیم یافتہ متوسط گھرانوں میں نوابوں رئیسوں وغیرہ سے جو ایک قسم کی جھجک بلکہ بدگمانی اور تعصب پایا جاتا ہے، میرا گھرانہ بھی اس سے مبرا نہ تھا اپنے سے کسی کو گھٹ کر نہیں دیکھا بلکہ بڑھ کر ہی سمجھا جاتا تھا۔ جن چند رئیس اور نواب لوگوں کو ذرا قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس نے رائے اور بھی خراب کر دی تھی۔ اس لیے جب بمبئی میں بھائی جان کے خط کے جواب میں نواب صاحب کا تار ملا۔ جس میں انہوں نے اپنے ہمیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی تھی تو میں بہت نروس ہوئی۔ اب تک یہ امید تھی کہ نواب صاحب شاید انکار یا کوئی عذر کریں۔

نواب صاحب سے زیادہ فکر ان کی بیگم صاحبہ کی طرف سے تھی۔ مردوں کی عادت ہوتی کہ بلا تکلف لوگوں کو مدعو کرتے ہیں مگر گھر والیوں کو جن پر بھاری ذمہ داریاں آکر پڑتی ہیں اکثر یہ بات اچھی نہیں لگتی اور اس کشمکش میں غیرت مند اور حساس مہمان پر جو گزرتی ہے وہ بس اس کا دل ہی جانتا ہے۔

بہر حال ہم صبح کے وقت حیدرآباد کے شاندار اسٹیشن پہ پہنچے۔ وہاں نواب صاحب کی گاڑی اور ایک صاحب ہمیں لینے کے لیے موجود تھے۔ شہر کی وسیع صاف ستھری سڑکوں پر سے گزرتے بنجارہ ہل کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہم نرالی طرز اور عجیب سی دلکشی رکھنے والے بنجارہ بھون پر پہنچے۔ اس کا ذکر سن چکے تھے کہ پہاڑی کاٹ کاٹ کر چٹانوں کے دامن میں یہ اپنی طرز کا یکتا مکان نواب نے بنوایا ہے۔ ایک سیدھے سادے مہربان بزرگ مسکراتے ہوئے سیڑھیوں پر سے اترتے نظر آئے۔ جنہوں نے میرے آداب کے جواب میں اس شفقت سے گلے لگایا کہ عہدہ، مرتبہ، خطاب اور اجنبیت کی ساری دیواریں مسمار ہو گئیں۔

سوتی ساری پہنے ایسی ہی سیدھی سادی خاتون جن کے چہرے پر شرافت اور شفقت کے ساتھ ساتھ کچھ میری ہی جیسی جھجک اور ساتھ ہی شرمیلا انداز تھا۔ آگے بڑھیں۔ "بیگم صاحب۔ صالحہ بہن" نواب صاحب نے تعارف کرایا اور مغائرت کی دیواریں ہلتی نظر آئیں۔ مکان کے ہر حصے کو میں تحسین اور حیرت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تیسری منزل کے ایک چھوٹے سے صاف ستھرے سادہ اور خوش ذوقی سے آراستہ کمرے میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ گھر کے نوکر چاکر اور خود بیگم صاحب اور سب سے زیادہ خود صاحب خانہ بزرگ، چھوٹی سے چھوٹی چیز کا خیال رکھتے کہ ان اجنبیوں کو پریشانی، تکلیف اور الجھنیں نہ ہوں۔

کوٹھی کے سامنے کے منظر کی کیا تعریف کروں۔ میلوں دور تک پھیلا ہوا پرانا شہر، بیچ میں زمرد کے نگینے کی طرح جڑا ہوا حسین ساگر اور ادھر اُدھر بکھری ہوئی پتھر کی چٹانیں اپنا ایک منفرد حسن اور شان لیے ہوئے۔ رات کو تو اس حسن میں چار چاند لگ جاتے جب ہزاروں رنگ برنگی روشنیاں جھیل کی سطح پر منعکس ہوتیں تو ایسا لگتا کہ یہ کوئی پریوں کا دیس ہے، یا سپنوں کا شہر۔

نواب صاحب کے پاس صبح سے شام تک لوگوں کو تانتا بندھا رہتا تھا جن میں حیدرآباد کے بڑے بڑے رئیس اور سابقہ ارباب اقتدار بھی ہوتے اور موجودہ صاحبان حکومت بھی۔ سوشل ورکرز، علمی اور ادبی ذوق رکھنے والے، مولوی، پنڈت اور قاری، خود ساختہ شاعر صاحبان، خوشامدی ٹٹو، محض عقیدت مند، رشتے دار، دوست، برج کے ساتھی اور ہم مشرب، غرض کہ ہر قسم کے لوگ آتے ملتے بیٹھتے، باتیں کرتے، دو چار پہلے سے ناشتے پر مدعو ہیں دو ایک عین وقت پر آ گئے۔ کچھ دوپہر کے کھانے پہ آئے ہیں اور کچھ شام کو برج کھیلنے، جس سے نواب صاحب کو بہت شوق ہے رات کے کھانے پر تو اکثر اور بھی زیادہ لوگ ہوتے تھے۔

ہم چاہتے تھے کہ دسویں دن واپسی کی سیٹ ضرور ریزرو کرالی جائے۔ نواب صاحب نے جتنے دن کے لیے بلایا ہے اس سے ایک دن بھی زیادہ نہ ہو مگر نواب صاحب بڑی مشکل سے چودھویں دن ہمارے جانے پر راضی ہوئے۔ بار بار کہتے "خیر ڈاکٹر صاحب آپ مصروف ہیں تو چلے جایئے مگر صالحہ بہن کو چھوڑ جایئے"

ان چند دنوں میں نواب صاحب کے ہمہ گیر ذوق اور وسیع تعلقات کی بنا پر میں نے قدیم و جدید، امیر اور غریب، قدامت پرست اور تعلیم یافتہ، فیشن ایبل اور جاہل و پسماندہ، حیدرآباد کے اتنے پہلو دیکھے جو کسی اور صورت میں مہینوں قیام میں بھی ممکن نہ تھے۔

بڑے بڑے رئیسوں کے ہاں کی تقریبیں بھی، غریب آدمیوں کے گھر بھی، دھوم دھام کی شادیاں، جہاں ایرانی نسل کی حیدرآبادی خواتین کا حسن و جمال آنکھیں چوندھیا دینے والا اور ان کے فیشن اور جواہرات اور ملبوسات دل گھبرا دینے والے تھے۔ جہیز کی بہتات دیکھ کر امیر غریب کا ننگا فرق دل کو برما دیتا تھا۔

ایسی ہی ایک محفل میں یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ایک اونچے ڈائس پر اکابرین و معززین کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ہمارے نواب صاحب سخت اصرار کے باوجود وہاں نہیں بیٹھے بلکہ عام مہمانوں کے درمیان نیچے فرش پر جا بیٹھے اور ان کو دیکھ کر اکابرین، یہاں تک کہ گورنر صاحب بھی اٹھ کر ان کے پاس ہی آ گئے۔ نواب صاحب کی اس شرارت سے منتظمین کے دل پر کیا بیت گئی ہوگی اس کی ان کو ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔

ایک اور جگہ بھی اصرار کر کے نواب صاحب مجھے بے دعوت (اکثر بے بلائے لے جاتے تھے) لے گئے۔ یہ ایک غریب اچھوت کے ہاں شادی تھی جس میں بہو بیٹے کو آشیرواد دینے نواب صاحب گئے تھے۔ عزیزوں دوستوں کے ہاں شادی بیاہ پر رسمی جوڑے اور تحفہ دینا نواب صاحب پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اچھوت بہو کے لیے انہوں نے خاص طور پر ساڑی منگوائی تھی۔ کس محبت، کس احترام کس مسرت کے ساتھ سارا خاندان بلکہ سارا محلہ نواب صاحب کے گرد جمع تھا۔ کس چاؤ کے ساتھ انہیں اور ان کے مہمانوں کو کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جا رہی تھیں۔

دولہا دلہن کے چہروں پر ناز و مسرت کے کیسے پیارے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ یہ سب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہی نہیں ہم نے اور بھی بہت کچھ دیکھا۔ عثمان ساگر اور قلعہ گولکنڈہ کی سیر کی۔ سالار جنگ میوزیم کے نوادرات سے آنکھیں روشن کیں۔ نئے زمانے کے

مندر یعنی عثمانیہ یونیورسٹی کی زیارت کی۔ ادارہ ادبیات اردو میں مرحوم زورؔ صاحب کی رہنمائی میں ان کے جمع کیے ہوئے بیش قیمت ادبی ذخیرے دیکھے اور ان کی مہمان نوازی کا لطف اٹھایا۔

اردو حال میں مدعو کیے گئے، کینسر ہاسپٹل دیکھا جو نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی انتھک کوشش سے تعمیر ہوا ہے۔ جہاں زندگی سے مایوس لوگوں کو نئے جیون کی بشارت ملتی ہے۔ اور معذوروں اپاہجوں کی آرام گاہ، جہاں ان کو مفید کام سکھایا جاتے ہیں اور ان سے انسانوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے اور جانے کتنی اور چیزیں اور جگہیں۔ مگر اس صاف ستھرے خوبصورت صاحب ذوق مہمان نواز شہر کا تاج محل نواب مہدی نواز جنگ کی ذات کو پایا۔

نوابی شان اور وزارت کے گھمنڈ کا کیا ذکر یہ بد گمانی تو پہلے ہی نظر میں دور ہو گئی تھی۔ نواب اور جنگ تو وہ پرانے حیدرآباد کے روایاتی خطابوں کی وجہ سے بن گئے۔ وہ تو متوسط تعلیم یافتہ گھرانوں کے ان نوابوں میں سے تھے جو اپنی صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ان کے وسیع اخلاق، درد مند دل، خاموشی سے ضرورت مندوں کے کام آنے کا دل نشین انداز اور چپکی چپکی ظرافت اور خوش ذوقی نے (میں نے ان کی علمی قابلیت، انتظامی مہارت اور سیاسی تدبر کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ یہ چیزیں میری حد کے باہر ہیں) ہم دونوں کو اتنا گرویدہ بنالیا کہ جب ہم ان سے جدا ہوئے تو ایسا لگتا تھا اپنے کسی بہت پرانے بزرگ دوست یا پیارے عزیز سے بچھڑ رہے ہیں۔

11.2.3 خلاصہ:

خاکہ "مہدی نواز جنگ بعنوان میرے مہدی بھائی" اردو ادب کی مشہور سوانح "یادگار حالی" کی مصنفہ صالحہ عابد حسین کا لکھا ہوا ہے، جو انہوں نے حیدرآباد کے نواب رئیس مہدی نواز جنگ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے لکھا ہے۔ یہ خاکہ صالحہ عابد حسین کی کتاب "جانے والوں کی یاد آتی ہے" میں شامل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مختلف عظیم شخصیات جن میں مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا الطاف حسین حالیؔ، خواجہ سجاد حسین، جواہر لال نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، اسلم جیراج پوری، اپنی والدہ مشتاق فاطمہ، بھائی غلام السیدین، دوست قدسیہ زیدی وغیرہ پر مضامین لکھے ہیں۔

"میرے مہدی بھائی" میں صالحہ عابد حسین نے نواب مہدی نواز جنگ کی مہمان نوازی، انسان نوازی، امیر و غریب سے یکساں سلوک، مزاج کی سادگی وغیرہ کا بہت ہی سلیس اور رواں انداز میں ذکر کیا ہے۔ پہلی بار جب صالحہ عابد حسین حیدرآباد گھومنے کے لیے جاتی ہیں تو نواب مہدی نواز جنگ کے یہاں ٹھہرتی ہیں۔ نواب صاحب اور ان کی بیگم کی مہمان نوازی اور انسان دوستی مثالی تھی۔

اکثر متوسط گھرانوں میں نواب یا رئیسوں کے بارے میں ان کی امیری یا بد مزاجی کے قصے مشہور ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ ان سے بد ظن بھی رہتے ہیں۔ مگر نواب مہدی نواز جنگ بالکل مختلف شخصیت تھے۔ وہ حد درجہ کے مہمان نواز، ملنسار اور ہر ایک کی مدد کرنے والے تھے۔

صالحہ عابد حسین جب اپنے شوہر ڈاکٹر عابد حسین کے ہمراہ حیدرآباد کے اسٹیشن پہنچتی ہیں تو نواب صاحب کا ایک آدمی گاڑی لیے ہوئے ان کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ حیدر آباد کی وسیع و عریض سڑکوں سے گزرتے ہوئے بنجارہ ہل کی اونچی نیچی پہاڑیوں کو طے کرتے ہوئے

نرالی طرز کے بنے بنجارہ بھون پر گاڑی پہنچتی ہے تو ایک نہایت سادہ اور مہربان شخص سیڑھیوں سے اتر کر آداب کے جواب میں محبت سے دست شفقت پھیرتے ہیں۔ یہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ خود نواب مہدی نواز جنگ تھے۔ ان کی محبت و شفقت دیکھ کر عہدہ، مرتبہ، نوابی امارت ہر طرح کے القابات وخطابات کی دیواریں گرتی نظر آئیں۔

نواب صاحب کی بیگم بھی انتہائی درجہ کی شریف خاتون تھیں۔ گھر کے نوکر چاکر کے ساتھ خود بیگم صاحبہ بھی صالحہ عابد حسین کے قیام وطعام کا خیال رکھتی تھیں تاکہ انہیں کسی قسم کی اجنبیت اور تکلیف نہ ہو۔

نواب مہدی نواز جنگ کا دستر خوان امیر غریب ہر ایک کے لیے ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ملاقات کرنے والوں کا سلسلہ جو صبح سے شروع ہوت، رات تک جاری رہتا۔ سب کے کھانے پینے کا معقول انتظام رہتا۔

نواب صاحب کسی بھی شادی یا پروگرام میں جاتے ہمیشہ عام مہمانوں کے ساتھ نیچے فرش پر جا بیٹھتے۔ اگر کوئی غریب انہیں مدعو کرتا تو ضرور اس کی شادی میں جاتے اور نفیس تحفوں سے نوازتے۔ یہ سب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

نواب صاحب کی مہمان نوازی، انسانیت نوازی نے صالحہ عابد حسین اور ان کے شوہر عابد حسین کو اتنا گرویدہ بنالیا کہ جب وہ ان سے رخصت ہو رہے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی عزیز یا پرانے دوست اور بزرگ سے بچھڑ رہے ہوں۔

11.2.4 مشکل الفاظ:

گیسٹ ہاؤس	مہمان خانہ	Guest house
مراسم	باہمی میل جول، تعلقات	Interpersonal Relations / Harmony
مزاج کی افتاد	مزاج کی خاصیت، فطرت	Temperament / Disposition
بار گزرنا	ناگوار ہونا	To pass by / To endure
تعلیم یافتہ	پڑھا لکھا	Educated / Literate
متوسط	درمیانہ	Middle-class / Moderate
تعصب	بے جا رعایت، طرف داری	Prejudice / Bias
مبّرا	پاک وصاف	Pure / Free from
نروس ہونا	خوف زدہ ہونا، گھبرا جانا	To be nervous / Anxious
نشیب وفراز	اتار چڑھاؤ	Ups and downs / Fluctuations
مسمار ہونا	گر جانا	Demolish / Collapse
مغائرت	اجنبیت، غیریت	Contradiction / Inconsistency
تحسین	تعریف	Appreciation / Praise
منعکس ہونا	روشنی کا ٹکرا کر لوٹنا	To be reflected / To reflect

To be tightly woven / Tightly bound	مسلسل لوگوں کا آنا	تانتا بندھا رہنا
People in power / Authorities	حکومت کے لوگ	ارباب اقتدار
Self-made / Self-imposed	خود سے بنے ہوئے	خود ساختہ
Universal / All-encompassing	شامل کرنا	ہمہ گیر
Event / Function / Ceremony	جشن، جلسہ	تقریب
Jewels / Gems	جواہر کی جمع	جواہرات
Garments / Clothing	لباس، کپڑے	ملبوسات
Eminent personalities / Notables	بڑے لوگ	اکابرین
Dignitaries / Respected persons	عزت والے	معززین
To bless / To give blessings	دعائیں دینا	آشیر واد دینا
Tireless / Indefatigable	نہ تھکنے والا، محنتی	انتھک

11.2.5 مشقیں:

مشق 1: نیچے دیے گئے لفظوں یا محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. بار گزرنا ....

ii. تانتا بندھا رہنا ....

iii. نروس ہونا ....

iv. مسمار ہونا ....

v. آشر واد دینا ....

مشق 2: درج ذیل لفظوں کے معنی لکھیے۔

i. متوسط ....

ii. تعصب ....

iii. تحسین ....

iv. خود ساختہ ....

v. جیون ....

مشق 3: ایسے تین الفاظ لکھیے جن کے آخر میں "یافتہ" آتا ہو جیسے تعلیم یافتہ

i. ....

ii. ....

iii. ....

11.3 خاکہ "میر تقی میر"

11.3.1 محمد حسین آزاد کا تعارف:

مولانا محمد حسین آزاد 10 جون 1830ء کو دہلی کے ایک معزز اور صاحب علم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا مولانا محمد اکبر اپنے وقت کے جید عالم اور مجتہد تھے۔ جنہوں نے دینی تعلیم کے لیے اپنے گھر میں مدرسہ قائم کیا ہوا تھا۔ مولانا محمد حسین کے والد مولوی محمد باقر مشہور صحافی ادیب اور مجاہد آزادی تھے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ نے ابتدائی تعلیم کی شروعات گھر سے کی پھر دہلی کالج میں داخل کیے گئے۔ ان کے ہم عصروں میں مولوی نذیر احمد مولوی ذکااللہ اور پیارے لال آشوبؔ بھی اسی کالج میں پڑھتے تھے۔

مولانا محمد حسین آزاد نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں "آب حیات، سخن دان فارس، دربار اکبری، دیوان ذوق، قصص ہند، نیرنگ خیال، بہت اہم ہیں۔ مولانا کی علمی و ادبی خدمات کو دیکھتے ہوئے 1887ء میں انہیں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اردو ادب کے یہ عظیم محقق، شاعر و ادیب ایک لمبی بیماری کے بعد 1910 میں انتقال کر گئے اور لاہور کی گامے شاہ کی کربلا میں دفن کیے گئے۔

11.3.2 خاکہ "میر تقی میر": متن:

میر تخلص۔ محمد تقی نام۔ خلف میر عبد اللہ۔ [اب تحقیق ہو چکی ہے کہ میر کے والد کا نام محمد علی متقی تھا] شرفائے اکبر آباد سے تھے۔ سراج الدین علی خاں آرزو، زبان فارسی کے معتبر مصنف اور مسلم الثبوت محقق ہندوستان میں تھے۔ گلزار ابراہیمی میں لکھا ہے کہ "میر صاحب کا ان سے دور کا رشتہ تھا اور تربیت کی نظر پائی تھی۔ عوام میں ان کے بھانجے مشہور ہیں۔ در حقیقت بیٹے میر عبد اللہ [محمد علی متقی] کے تھے۔ مگر ان کی پہلی بی بی سے تھے۔ وہ مر گئیں تو خان آرزو کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی۔ اس لیے سوتیلے بھانجے ہوئے۔

میر صاحب کو ابتدا سے شعر کا شوق تھا، باپ کے مرنے کے بعد دلی میں آئے اور خان آرزو کے پاس انھوں نے اور ان کی شاعری نے پرورش پائی۔ مگر خان صاحب حنفی مذہب تھے اور میر صاحب شیعہ، اس پر نازک مزاجی غضب کی۔ غرض کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے۔ بد نظر زمانہ کا دستور ہے کہ جب کسی نیک نام کے دامن شہرت کو ہوا میں اڑتے دیکھتا ہے تو ایک داغ لگا دیتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ شورش میں لکھا ہے کہ خطاب سیادت انھیں شاعری کی درگاہ سے عطا ہوا ہے۔ کہن سال بزرگوں سے یہ بھی سُنا ہے کہ جب انھوں نے میر تخلص کیا تو ان کے والد نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ایک دن خواہ مخواہ سید ہو جاؤ گے۔ اس وقت انھوں نے خیال نہ کیا۔ رفتہ رفتہ ہو ہی گئے۔ سوداؔ کا ایک قطعہ بھی سن رسیدہ لوگوں سے سُنا ہے۔ مگر کلیات میں نہیں۔ شاید اس میں بھی یہی اشارہ ہو:

بیٹھے تنورِ طبع کو جب گرم کر کے میرؔ
کچھ شیر مال سامنے کچھ نان کچھ پنیر

اخیر میں کہتے ہیں:

میری کے اب تو سارے مصالح ہیں مستعد
بٹیا تو گندنا بنے اور آپ کو تھ میرؔ

پھر بھی اتنا کہنا واجب سمجھتا ہوں کہ ان کی مسکینی و غربت اور صبر و قناعت تقوی و طہارت محضر بنا کر ادائے شہادت کرتے ہیں کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے۔ اور زمانہ کا کیا ہے۔ کس کس کو کیا نہیں کہتا۔ اگر وہ سید نہ ہوتے تو خود کیوں کہتے:

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

غرض ہر چند کہ تخلص ان کا میر تھا۔ مگر گنجفہ سخن کی بازی میں آفتاب ہو کر چمکے۔ قدردانی نے ان کے کلام کو جوہر اور موتیوں کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور نام کو پھولوں کی مہک بنا کر اڑایا۔ ہندوستان میں یہ بات انہی کو نصیب ہوئی ہے کہ مسافر غزلوں کو تحفہ کے طور پر شہر سے شہر میں لے جاتے تھے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ نحوست اور فلاکت قدیم سے اہلِ کمال کے سر پر سایہ کیے ہیں۔ ساتھ اس کے میر صاحب کی بلند نظری اس غضب کی تھی کہ دُنیا کی کوئی بڑائی اور کسی کا کمال یا بزرگی انہیں بڑی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس قباحت نے نازک مزاج بنا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا، اور وہ وضعداری اور قناعت کے دھوکے میں اسے فخر سمجھتے رہے۔ یہ الفاظ گستاخانہ جو زبان سے نکلے ہیں، راقم رُوسیاہ ان کی روح پاک سے عفو قصور چاہتا ہے، لیکن خدا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا فقط اس لیے ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں گذارہ کرنا ہے وہ دیکھیں کہ ایک صاحب جوہر کا جوہر یہ باتیں کیوں کر خاک میں ملا دیتی ہیں، چنانچہ انہیں کے حالات و مقالات عنقریب اس بیان کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ دلی میں شاہ عالم کا دربار اور امراء و شرفاء کی محفلوں میں ادب ہر وقت ان کے لئے جگہ خالی کرتا تھا، اور ان کے جوہرِ کمال اور نیکی اطوار و اعمال کے سبب سے سب عظمت کرتے تھے۔ مگر خالی آدابوں سے خاندان تو نہیں پل سکتے، اور وہاں تو خود خزانہ سلطنت خالی پڑا تھا۔ اس لیے 1190ھ میں دلی چھوڑنی پڑی۔

جب لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے اور دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اس کی طرف سے منھ پھیر کر ہو بیٹھے، کچھ دیر کے بعد پھر اس نے بات کی، میر صاحب چیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے، بیشک گاڑی میں بیٹھئے، مگر باتوں سے کیا تعلق۔ اس نے کہا، حضرت کیا مضائقہ ہے، راہ کا شغل ہے باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے کہ خیر آپ کا شغل ہے، میری زبان خراب ہوتی ہے۔

لکھنؤ میں پہنچ کر جیسا مسافروں کا دستور ہے۔ ایک سرا میں اترے۔ معلوم ہوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے۔ رہ نہ سکے، اسی وقت غزل لکھی اور مشاعرہ میں جا کر شامل ہوئے۔ ان کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ۔ ایک پورا تھان پستولئے کا

کمر سے بندھا۔ ایک رومال پٹری دار تہ کیا ہوا، اس میں آویزاں۔ مشروع کا پاجامہ۔ جس کے عرض کے پائیچے۔ ناگ پھنی کی انی دار جوتی۔ جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک۔ کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار، دوسری طرف کٹار۔ ہاتھ میں جریب۔ غرض جب داخلِ محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ۔ نئے انداز۔ نئی تراشیں۔ بانکے ٹیڑھے جوان جمع۔ انھیں دیکھ کے سب ہنسنے لگے۔ میر صاحب بیچارے غریب الوطن۔ زمانہ کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھے۔ اور بھی دل تنگ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ شمع ان کے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی۔ اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے؟ میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ غزل طرحی میں داخل کیا:

کیا بودو باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفو تقصیر چاہی۔ کمال کے طالب تھے۔ صبح ہوتے ہوتے شہر میں مشہور ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے۔ رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سنا اور دو سو روپیہ مہینہ مقرر کر دیا۔

عظمت و اعزاز جو ہر کمال کے خادم ہیں۔ اگرچہ انہوں نے لکھنؤ میں بھی میر صاحب کا ساتھ نہیں چھوڑا، مگر انھوں نے بد دماغی اور نازک مزاجی کو جو ان کے ذاتی مصاحب تھے اپنے دم کے ساتھ ہی رکھا۔ چنانچہ کبھی کبھی نواب کی ملازمت میں جاتے تھے۔

ایک دن نواب مرحوم نے ایک غزل کی فرمائش کی۔ دوسرے تیسرے دن جو پھر گئے تو پوچھا کہ میر صاحب! ہماری غزل لائے؟ میر صاحب نے تیوری بدل کر کہا۔ جناب عالی! مضمون غلام کی جیب میں تو بھرے ہیں نہیں کہ کل آپ نے فرمائش کی، آج غزل حاضر کر دے۔ اس فرشتہ خصال نے کہا، خیر میر صاحب جب طبیعت حاضر ہو گی کہہ دیجئے گا۔

ایک دن نواب نے بُلا بھیجا۔ جب پہنچے تو دیکھا کہ نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے۔ پانی میں لال سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میر صاحب کچھ فرمائیے۔ میر صاحب نے غزل سنانی شروع کی۔ نواب صاحب سنتے جاتے تھے اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں سے بھی کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب چیں بہ جبیں ہوتے اور ہر شعر پر ٹھہر جاتے تھے، نواب صاحب کہے جاتے تھے کہ ہاں پڑھیے، آخر چار شعر پڑھ کر میر صاحب ٹھہر گئے اور بولے کہ پڑھوں کیا، آپ تو مچھلیوں سے کھیلتے ہیں، متوجہ ہوں تو پڑھوں۔ نواب نے کہا جو شعر ہو گا، آپ متوجہ کر لے گا۔ میر صاحب کو یہ بات زیادہ ترنا گوار گزری، غزل جیب میں ڈال کر گھر کو چلے آئے اور پھر جانا چھوڑ دیا۔

چند روز کے بعد ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے، نواب کی سواری سامنے سے آ گئی۔ دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے کہ میر صاحب آپ نے بالکل ہی ہمیں چھوڑ دیا، کبھی تشریف بھی نہیں لاتے۔ میر صاحب نے کہا، بازار میں باتیں کرنا آداب شرفاء نہیں۔ یہ کیا گفتگو کا موقع ہے۔ غرض بدستور اپنے گھر میں بیٹھے اور فقر و فاقہ میں گذارتے رہے۔ آخر 1225ھ میں فوت ہوئے اور سو برس کی عمر پائی۔

11.3.3 خلاصہ:

"میر تقی میرؔ" پر یہ خاکہ مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے۔ یہ ان کی کتاب "آب حیات" میں شامل ہے۔ دراصل یہ خاکہ نہیں ہے بلکہ محمد حسین آزاد نے آب حیات میں میرؔ کے حالات زندگی اور شاعری پر جو مضمون لکھا ہے، اس کا ایک اقتباس ہے، لیکن اس میں ایک اچھے خاکے کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے اس کو صنف خاکہ کے تحت لیا گیا ہے۔ اس خاکے میں میر تقی میر کے مفصل حالات زندگی، تصنیفات و تالیفات کا بیان ہے۔ جگہ جگہ اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ میرؔ کی پیدائش، حسب ونسب، آگرہ چھوڑ کر دہلی میں آنا۔ خان آرزو کی مصاحبت اختیار کرنا سب کا آزاد نے ذکر کیا ہے۔

محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ میر تقی میرؔ کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ابتدا میں خان آرزو سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ میرؔ تخلص تھا۔ بلا کے ذہین اور صاحب اسلوب شاعر تھے۔ مسافر ان کی غزلوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر تحفے کے طور پر لے جاتے تھے۔

میر غضب کے نازک مزاج تھے کبھی کسی امیر یا رئیس کی خوشامد نہیں کی۔ زندگی تنگ دستی میں بسر کی۔ مگر کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔

جب دہلی ویران ہوئی تو دوسرے اہل کمال کی طرح میر نے بھی لکھنؤ کا رخ کیا۔ گاڑی کا کرایہ بھی پاس میں نہ تھا۔ لکھنؤ پہنچ کر ایک سرائے میں قیام کیا۔ اسی دن ایک مشاعرہ تھا۔ تازہ غزل کہی اور اس میں شرکت کی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ اردو کا عظیم شاعر لکھنؤ آیا ہے۔ نواب تک خبر پہنچی۔ آصف الدولہ کے دربار سے دو سو روپیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ زندگی تنگ دستی میں گذری۔ بالآخر اردو ادب کا یہ عظیم شاعر لکھنؤ میں انتقال کر جاتا ہے اور وہیں دفن ہوتا ہے۔

11.3.4 مشکل الفاظ:

خلف	جانشین	Successor / Descendant
گلزار ابراہیمی	تذکرہ کی ایک کتاب جس کو سراج الدین خاں آرزو نے لکھا ہے	Gulzar-e-Ibrahimi (Book title)
ہمشیرہ	بہن	Sister / Female companion
تذکرہ شورش	اردو شعرا کا تذکرہ جسے غلام حسین شورشؔ عظیم آبادی نے لکھا	Tazkira-e-Shorish (Book title)
کہن سال بزرگ	بہت زیادہ عمر والے	Elderly person / Aged
خواہ مخواہ	چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے	Unnecessarily / Needlessly
سیادت	سرداری	Nobility / Leadership

گنجفہ	ایک کھیل کا نام جو تاش کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ اس میں 94 پتّے اور آٹھ رنگ ہوتے ہیں	Traditional Plaing Cards
فلاکت	مفلسی، ناداری، غریبی	Misery / Wretchedness
فارغ البالی	خوش حالی	Carefree / Easy-going
روسیاہ	بدنام	Disgraced / Shamed
عفو قصور چاہنا	معافی کا طلب گار ہونا	To pardon a fault / To forgive
اطوار	طور، طریقے	Behavior / Conduct
بود و باش	رہن سہن	Existence / Lifestyle / Living
فرشتہ خصال	معصوم، نیک	Angel of virtues / Person of good qualities
شرفا	نہایت پاکیزہ و شریف	Nobles / Honorable persons
فوت ہونا	انتقال کرنا، مرنا	To pass away / To die
طالب	چاہنے والا	Seeker / Student
خطاب	تقریر	Address / Speech

11.3.5 مشقیں:

مشق 1: ذیل کے جملوں سے ماضی اور حال کی نشاندہی کیجیے۔

i. میر تخلص محمد تقی نام خلف میر عبداللہ شرفائے اکبر آباد سے تھے۔ ( )

ii. نحوست اور فلاکت قدیم سے ابن کمال کے سر پر سایہ کیے ہیں۔ ( )

iii. راقم رُوسیاہ ان کی روح پاک سے عفو قصور چاہتا ہے۔ ( )

iv. پانی میں لال سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ( )

v. مولانا محمد اکبر اپنے وقت کے جید عالم اور مجتہد تھے۔ ( )

مشق 2: نیچے دیے گئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. چند روز ....

ii. خطاب ....

iii. نحوست ....

iv. ناچار ....

v.　دستور　..

مشق 3: نیچے دیے گئے الفاظ سے موزوں لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

شعر، عفو تقصیر، کرایہ، سواری، دہلی

i. میر صاحب کو ابتدا سے .... کا شوق تھا۔

ii. جب لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا .... بھی پاس نہ تھا۔

iii. سب کو حال معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی اور میر صاحب سے .... چاہی۔

iv. چند روز کے بعد ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے، نواب کی .... سامنے سے آگئی۔

v. مولانا محمد حسین آزاد 10 جون 1830ء کو .... کے ایک معزز اور صاحب علم گھرانے میں پیدا ہوئے۔

11.4 نمونہ امتحانی سوالات

11.4.1 معروضی سوالات:

(1) تعلیم یافتہ کے کیا معنی ہیں؟

(a) ان پڑھ　(b) پڑھا لکھا　(c) جاہل　(d) گنوار

(2) نواب مہدی نواز جنگ کہاں کے رہنے والے تھے؟

(a) دہلی　(b) حیدرآباد　(c) گجرات　(d) مدراس

(3) "یادگارِ حالیؔ" کس کی تصنیف ہے؟

(a) حالیؔ　(b) شبلی　(c) غالبؔ　(d) صالحہ عابد حسین

(4) صالحہ عابد حسین کا بچپن کا نام کیا تھا؟

(a) مشتاق فاطمہ　(b) مصداق فاطمہ　(c) صالحہ فاطمہ　(d) عابدہ خاتون

(5) "مہدی نواز جنگ" کا تعلق کس صنف سے ہے؟

(a) خاکہ　(b) سوانح　(c) ناول　(d) افسانہ

(6) میر تقی میرؔ کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) میر نفیس　(b) محمد علی تقی　(c) میر حسن　(d) اسد اللہ

(7) میر تقی میر کا انتقال کس شہر میں ہوا؟

(a) فیض آباد　(b) دہلی　(c) لکھنؤ　(d) عظیم آباد

(8) میر تقی میرؔ کس بادشاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے؟

(a) آصف الدولہ (b) شجاع الدولہ (c) واجد علی شاہ (d) امجد علی شاہ

(9) آب حیات کے مصنف کا نام بتائیے؟

(a) حالیؔ (b) محمد حسین آزاد (c) نذیر احمد (d) سر سید

(10) ہمشیرہ کسے کہتے ہیں؟

(a) بہن (b) بھائی (c) ماں (d) باپ

11.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1. صالحہ عابد حسین کے بارے میں اختصار سے لکھیے۔
2. صالحہ عابد حسین نے نواب مہدی نواز جنگ کے گھر کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
3. آب حیات کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
4. نواز مہدی نواز جنگ کی کن خوبیوں کو صالحہ عابد حسین نے بیان کیا ہے۔
5. شعر "کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو" میر نے کس موقع پر کہا؟

11.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1. میر تقی میر کے سوانحی حالات پر روشنی ڈالیے۔
2. نواب مہدی نواز جنگ کی مہمان نوازی کا حال لکھیے
3. محمد حسین آزاد کے بارے میں اپنے خیالات قلم بند کیجیے۔

11.4.1 کے جوابات: 1-b 2-b 3-d 4-b 5-a

6-b 7-c 8-a 9-b 10-a

اکائی 12: سوانح

یادگار غالب (حالی) حیات جاوید (حالی) تلاش حق (مترجمہ: عابد حسین)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 سوانح: یادگارِ غالب

12.2.1 مولانا حالی کا تعارف

12.2.2 "یادگارِ غالب" : متن (اقتباس)

12.2.3 خلاصہ

12.2.4 مشکل الفاظ

12.2.5 مشقیں

12.3 سوانح "حیاتِ جاوید"

12.3.1 "حیات جاوید" کا متن (اقتباس)

12.3.2 خلاصہ

12.3.3 مشکل الفاظ

12.3.4 مشقیں

12.4 سوانح: تلاشِ حق (مترجم سید عابد حسین)

12.4.1 گاندھی جی اور عابد حسین کا تعارف

12.4.2 "تلاشِ حق": متن (اقتباس)

12.4.3 خلاصہ

12.4.4 مشکل الفاظ

12.4.5 مشقیں

12.5 نمونہ امتحانی سوالات

12.0 تمہید

سوانح نگاری اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ اس کا شمار ادب کی غیر افسانوی اصناف میں ہوتا ہے۔ سوانح نگاری سے مراد کسی شخص کی سوانح عمری، سرگزشت یا حالات زندگی تحریر کرنا ہے۔ سوانح عمری کا مطلب ہے واقعات حیات، حالات زندگی یا زندگی کی سرگزشت جس میں اچھے برے، نرم گرم، تلخ وشیریں ہر طرح کے واقعات شامل ہیں۔ سوانح نگاری کو انگریزی میں Biography کہتے ہیں۔ Bio کے معنی حیات اور Graphy کے معنی نگاری (لکھنا) کے ہیں۔ اس طرح Biography کا مطلب ہے۔ حیات نگاری یعنی روداد زندگی تحریر کرنا۔ اس اکائی میں اردو کی دو اہم سوانح "یادگار غالب" اور "حیات جاوید کے اقتباسات دیے جارہے ہیں، جن کے مصنف مولانا حالی ہیں۔ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی کے حالات زندگی جو خود گاندھی جی نے گجراتی زبان میں تحریر کیے جس کا اردو ترجمہ "تلاش حق" کے عنوان سے ڈاکٹر عابد حسین نے کیا ہے۔ اس کا اقتباس بھی دیا جارہا ہے، جس کے مطالعے سے طلبا سوانح کی زبان و بیان سے واقفیت حاصل کریں گے۔ اور نت نئے الفاظ و معانی سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سوانح عمری کے بارے میں جان سکیں۔
- سوانح کے متن کو پڑھ کر اردو الفاظ کے تلفظ صحیح طور پر ادا کر سکیں۔
- جملوں کی ادائیگی کا طریقہ متن کے پڑھنے سے سیکھ سکیں۔
- متن میں موجود بعض الفاظ کے معنی جان سکیں۔

12.2 سوانح: یادگارِ غالب از مولانا الطاف حسین حالیؔ

12.2.1 مولانا حالی کا تعارف:

مولانا الطاف حسین حالیؔ 1837 میں پانی پت کے محلہ انصار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش انصاری تھا۔ حالی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن پانی پت میں حاصل کی۔ مختلف شہروں میں ملازمت کرنے کے بعد حالی اپنے آبائی وطن پانی پت لوٹ آئے اور مستقل طور پر تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہوئے۔ 1914 کے آخر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور 31 دسمبر 1914 کو رحلت کی اور دوسرے دن درگاہ غوث علی شاہ قلندر کے صحن میں حوض کے کنارے دفن ہوئے۔ حالیؔ اردو کے پہلے جدید سوانح نگار ہیں۔ انہوں نے تین سوانح عمریاں لکھیں: (1) حیات سعدی (2) یادگارِ غالب (3) حیات جاوید۔

12.2.2 "یادگارِ غالب" : متن (اقتباس)

مرزا غالب کے اخلاق و عادات

مرزا کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے جاتا تھا بہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جو شخص ایک دفعہ

ان سے مل آتا تھا اس کو ہمیشہ ان سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جاتے تھے اور ان کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ اس لیے ان کے دوست ہر ملت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔

جو خطوط انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں ان کے ایک ایک حرف سے مہر و محبت و غم خواری و یگانگت ٹپکی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمے فرض عین سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سا وقت دوستوں کے خطوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی وہ خطوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ غزلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمائشیں ان کے بعض خالص و مخلص دوست کرتے تھے اور وہ ان کی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ ان کو اکثر بیرنگ خط بھیجتے تھے مگر ان کو کبھی ناگوار نہ گزرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لفافے میں ٹکٹ رکھ کر بھیجتا تھا تو سخت شکایت کرتے تھے۔

مروت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بدرجہ غایت تھا۔ باوجود یکہ اخیر عمر میں وہ اشعار کی اصلاح دینے سے بہت گھبرانے لگے تھے۔ بااین ہمہ کبھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے۔ ایک صاحب کو لکھتے ہیں "جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجالایا۔ اوراقِ اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا، اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔

کہتے ہیں کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسببِ کبرِ سن کے خدا نے فرض اور پیغمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمتِ اصلاحِ اشعار مجھ پر معاف کریں۔ ایک دفعہ کہیں مرزا تفتہ نے یہ لکھ دیا تھا کہا آپ نے بسببِ ذوقِ سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی اس کے جواب میں لکھتے ہیں "لا حول ولا قوۃ، کس ملعون نے بسبب ذوقِ شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار۔ میں نے تو بطریق قہرِ درویش بجانِ درویش لکھا تھا: جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے"

اگرچہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر حوصلہ فراخ تھا۔ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا۔ ان کے مکان کے آگے اندھے لنگڑے لولے اور اپاہج مرد و عورت ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ہو گئی تھی، اور کھانے پہننے کا خرچ بھی کچھ لمبا چوڑا نہ تھا مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے، اس لیے اکثر تنگ رہتے تھے۔

غدر کے بعد ایک بار میں نے خود دیکھا کہ نواب لفٹیننٹ گورنر کے دربار میں ان کو حسبِ معمول سات پارچہ کا خلعت مع تین رقومِ جواہر کے ملا تھا۔ لفٹنی کے چپراسی اور جمعدار قاعدے کے موافق انعام لینے کو آئے۔ مرزا صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہو گا اس لیے انہوں نے دربار سے آتے ہی خلعت اور رقومِ جواہر بازار میں فروخت کرنے کے لیے بھیج دی تھیں۔ چپراسیوں کو الگ مکان میں بٹھا دیا اور جب بازار سے خلعت کی قیمت آئی تب ان کو انعام دے کر رخصت کیا۔

وہ اپنے ان دوستوں کے ساتھ جو گردش روزگار سے بگڑ گئے تھے نہایت شریفانہ طور سے سلوک کرتے تھے۔ دلی کے عمائد میں سے ایک صاحب جو مرزا کے دلی دوست تھے اور غدر کے بعد ان کی حالت سقیم ہو گئی تھی۔ ایک روز چھینٹ کا فرغل پہنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے۔ مرزا نے کبھی ان کو مالیدہ یا جامہ وار وغیرہ کے چغوں کے سوا ایسا حقیر کپڑا پہنے نہیں دیکھا تھا۔ چھینٹ کا فرغل ان کے بدن پر دیکھ کر دل بھر آیا۔ ان سے پوچھا کہ یہ چھینٹ آپ نے کہاں سے لی؟ مجھے اس کی وضع بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ آپ مجھے بھی فرغل

کے لیے چھینٹ منگوادیں۔ انہوں نے کہا یہ فرغل آج ہی بن کر آیا ہے اور میں نے اسی وقت اس کو پہننا ہے۔ اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے۔ مرزا نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر پہن لوں مگر جاڑا شدت سے پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا پہن کر جائیں گے۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر کھونٹی پر سے اپنا مالیدہ کا نیا چغہ اتار کر انہیں پہنا دیا اور اس خوبصورتی کے ساتھ وہ چغہ ان کی نذر کیا۔

مرزا کی تقریر میں ان کی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے مگر جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوانِ ناطق کے حیوانِ ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔ حسنِ بیان، حاضر جوابی اور بات میں سے بات پیدا کرنا ان کی خصوصیات میں سے تھا۔ ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تم نے کتنے روزے رکھے ؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔

12.2.3 خلاصہ :

یہ اقتباس مولانا الطاف حسین حالیؔ کی تصنیف "یادگارِ غالب" سے لیا گیا ہے، جو مرزا غالب کی سوانح عمری ہے۔ حالی نے یہ کتاب 97-1896ء میں لکھی۔ اس تصنیف میں انہوں نے صرف ذاتی معلومات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسی سائنٹفک طریقہ کار سے کام لیا جو ایک اچھے سوانح نگار کے لیے ضروری ہے۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ لکھتے ہیں کہ مرزا غالب کے اخلاق بہت اچھے تھے۔ وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ اسی لیے لوگ ان سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے۔ غالبؔ دوستوں اور مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔ ہر ایک کے سکھ دکھ میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ اسی لیے ان کے چاہنے والوں میں ہر قوم، مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے۔

غالب اپنے دوستوں کے خط کا جواب دینا واجب سمجھتے تھے۔ بیماری کی حالت میں بھی خط کا جواب لکھتے۔ غزلوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ دوستوں کی خاطر مدارات میں انہوں نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔

مرزا غالب میں مروت و لحاظ کا جذبہ حد سے زیادہ پایا جاتا تھا۔ جب عمر بہت زیادہ ہو گئی تھی اور اشعار کی اصلاح دینے سے گھبرانے بھی لگے تھے۔ باوجود اس کے کبھی کسی کی غزل یا قصیدہ بغیر اصلاح کے واپس نہیں کیا۔

غالبؔ کی آمدنی قلیل تھی مگر کشادہ دل انسان تھے۔ ہر ایک کی مدد کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا کہ کوئی سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹا ہو۔ اپنی تنگ حالی کے باوجود ہر ایک کی مدد اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرتے تھے۔

وہ اپنے دوستوں کی مدد بھی ایسے کرتے تھے کہ ان کو اندازہ بھی نہ ہوتا اور ان کی مدد ہو جاتی۔ وہ اپنا پسندیدہ اور قیمتی لباس انہیں بہانے سے دے دیا کرتے تھے۔

مرزا غالب کو تحریر و تقریر اور نظم و نثر پر ملکہ حاصل تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوانِ ناطق کے حیوانِ ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔ حسنِ بیان، حاضر جوابی اور بات میں سے بات پیدا کرنا ان کی طبیعت کی خصوصیات تھیں۔

12.2.4 مشکل الفاظ:

وسیع	پھیلا ہوا، چوڑا	Vast / Wide
کشادہ پیشانی سے	خوش دلی سے	With a broad forehead / Generously
اشتیاق	خواہش، شوق	Eagerness / Enthusiasm
باغ باغ ہونا	بہت زیادہ خوش ہونا	To be delighted / Overjoyed
بے شمار	بہت زیادہ، جس کو گنا نہ جا سکے	Countless / Numerous
مہر و محبت	محبت و شفقت	Affection / Love
غم خواری	درد مندی، ہمدردی	Grief / Mourning
یگانگت	اتحاد، اتفاق، میل جول	Unity / Oneness
فرضِ عین	جس کا کرنا لازمی ہو	Personal duty / Obligation
صَرف ہونا	خرچ ہونا	To be spent / To be devoted
باز نہ آنا	کسی کام یا بات سے نہ رکنا	To not give up / To persist
تعمیل کرنا	بات ماننا، حکم بجا لانا	To implement / To enforce
غایت	حد درجہ، انتہائی	Extremity / Utmost
اوراق	ورق کی جمع	Pages / Leaves
سوجھنا	دکھائی دینا، سمجھ میں آنا	To realize / To understand
احباب	حبیب کی جمع، دوست	Friends / Loved ones
کبرِ سن	بڑھاپا، بڑی عمر ہونا	Old age / Advanced age
فراخ	کشادہ، وسیع	Spacious / Broad
بساط	حیثیت	Carpet / Mat / Arrangement
رقوم جواہر	جس طرح روپے سے پہلے ''مبلغ'' لکھتے ہیں اسی طرح جواہرات سے پہلے ''رقم'' لکھتے ہیں، جیسے سات رقم زمرد، پانچ رقم یاقت وغیرہ، رقم کی جمع رقوم ہے	Gems / Jewels
گردشِ روزگار	زمانے کی ستم ظریفی، وقت کی گردش کے ساتھ آنے والی مصیبتیں	Cycle of life / Fortune

سقیم	خراب، بیمار، عیب دار	Sick / Ailing
فرغل	ڈھیلے لباس کی ایک قسم جو عام لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے اور یہ ایک اوور کوٹ کے طور پر کام دیتا ہے	Distance / Interval
چھینٹ	ایک معمولی کپڑا	Splash / Spray
چغہ	اچھی قسم کی کڑھائی کیا ہوا لباس، شیروانی کے جیسا	Rooster / Cock
حیوانِ ناطق	بولنے والا جانور، انسان	Rational animal / Human being

12.2.5 مشقیں:

مشق 1: درج ذیل الفاظ کے ضد (Opposite) لکھیے۔

i. محبت ....

ii. جواب ....

iii. دوست ....

iv. خوشی ....

v. جزا ....

vi. شریف ....

مشق 2: ان الفاظ کے واحد تلاش کر کے لکھیں۔

vii. خطوط ....

viii. احباب ....

ix. اوراق ....

x. اشعار ....

xi. غریبوں ....

xii. محتاجوں ....

xiii. جواہر ....

xiv. سوانح عمریاں ....

مشق 3: خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

طبیعت، حوصلہ، سوانح نگار، فرض عین، فرغل

i. ہر ایک خط کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سمجھتے تھے۔

ii. مروت اور لحاظ مرزا کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں بدرجہ غایت تھا۔

iii. اگرچہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فراخ تھا۔

iv. حالیؔ اردو کے پہلے جدید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہیں۔

v. ایک روز چھینٹ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے۔

12.3 سوانح "حیاتِ جاوید"

12.3.1 "حیات جاوید" : متن (اقتباس)

1838ء میں جب کہ سر سید کے والد کا انتقال ہوا، ان کی عمر کچھ کم 22 سال کی تھی۔ قلعہ سے ان کے والد کو کئی جگہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ چونکہ ان کے والد اور راجہ سوہن لال میں ان بن تھی اور ان کی زندگی ہی میں ان کی تنخواہ میں کاٹ پھانس ہونے لگی تھی۔ اب انتقال کے بعد قلعہ کی آمدنی میں سے صرف کچھ قدرِ قلیل تو سر سید کی والدہ کے نام جاری رہا باقی سب تنخواہیں بند ہو گئیں اور چند ملکیں جو معافی کی تھیں وہ بھی بسبب حین حیات ہونے کے ضبط ہو گئیں۔

اس لیے سر سید کو گورنمنٹ کی نوکری کا خیال پیدا ہوا۔ ہر چند ان کے رشتہ دار قلعہ سے قطع تعلق کرنے پر راضی نہ تھے مگر انہوں نے قلعہ کا سہارا ایک قلم چھوڑ کر گورنمنٹ انگریزی کی نوکری اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اس وقت وہ عدالت کی کاروائیوں سے اور انگریزی قوانین سے محض ناواقف تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے عدالت کی کارروائی سے اطلاع حاصل کرنی چاہی۔ ان کے خالو مولوی خلیل اللہ خان اس وقت دہلی میں صدر امین تھے۔ ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی کچہری میں ان کو کام سیکھنے کی اجازت دیں۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور سر سید نے وہاں کام سیکھنا شروع کیا۔

چند مہینے ان کو کام سیکھتے گزرے تھے کہ مولوی خلیل اللہ نے ان کو فوجداری کے خفیف مقدمات کا جو کہ فیصلہ کے لیے صدر امینی میں آتے تھے اپنی کچہری میں سر رشتہ دار مقرر کر دیا۔

سر سید کو اس کام پر کچھ بہت دن نہ گزرے تھے کہ مسٹر رابرٹ ہملٹن (جو آخر کو سر رابرٹ ہملٹن ہوئے) دلی میں جج ہو کر آئے۔ سر سید کو وہ پہلے سے جانتے تھے اس لیے یہ ان سے ملنے کو گئے اور نوکری کی درخواست کی۔ انہوں نے ان کو عدالت سشن کا سر رشتہ دار مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے اس کام کو مشکل جان کر انکار کیا۔ ہر چند صاحب جج نے بہت اصرار اور دل دہی کی کہ کچھ تردد کی بات نہیں ہے ہم تم سے بہ سہولیت کام لیں گے اور ہر ایک بات بتاتے رہیں گے مگر سر سید نے کہا کہ جس کام کی میں اپنے میں لیاقت نہیں پاتا اس کو کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔

غرض کی بدستور صدر امینی میں کام کرتے رہے۔ اتفاق سے انہی دنوں میں مسٹر ہملٹن آگرہ کے کمشنر ہو گئے اور چلتے وقت سر سید کو ایک چھٹی کے ذریعہ سے اپنے جانشین مسٹر لینڈزی کے سپرد کر گئے۔ لیکن ابھی مسٹر لینڈزی سر سید کو کوئی عہدہ دینے نہیں پائے تھے کی

مسٹر رابرٹ ہملٹن نے ان کو آگرہ میں بلالیا اور فروری 1839 میں کمشنری کے دفتر میں جو عہدہ نائب منشی کا خالی ہوا اس پر مقرر کر دیا۔

یہاں سر سید نے بہت جلد قوانینِ مال سے واقفیت حاصل کر لی۔ اس وقت کمشنری آگرہ کے ماتحت چند ضلعوں میں بندوبست کا کام جاری تھا اور بندوبست ہی کے متعلق بہت سا کام کمشنری میں تھا۔ سر سید نے ترتیبِ دفتر کا ایک دستور العمل بنایا جس کے موافق تمام دفتر کمشنری کا مرتب کیا گیا۔

انہی دنوں میں انہوں نے فارسی زبان میں ایک فہرست بطور نقشہ کے مرتب کی تھی جس کا نام جامِ جم رکھا تھا اور جو 1840 میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں امیر تیمور صاحبقران سے لے کر ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ تک مختلف خاندانوں کے 43 بادشاہوں کا حال مختصر طور پر سترہ سترہ خانوں میں قلم بند کیا ہے۔

اسی زمانے میں انہوں نے قوانین دیوانی متعلقہ منصفی کا ایک خلاصہ اس غرض سے تیار کیا کہ وہ عہدہ منصفی ملنے کا ایک ذریعہ ہو۔ جب وہ خلاصہ تیار ہو چکا تو صاحب کمشنر اس کو گورنمنٹ میں پیش کیا اور سر سید کے لیے عہدہ منصفی کی سفارش کی۔ گورنمنٹ نے اس پر یہ حکم دیا کہ جہاں منصفی خالی ہو سید احمد خان کو اس پر مقرر کیا جائے۔ لیکن ابھی ان کو یہ عہدہ ملنے نہ پایا تھا کہ عہدہ منصفی کے لیے قواعد امتحان جاری ہو گئے۔

صاحب کمشنر نے ان کو امتحان دینے کی ہدایت کی۔ انہوں نے خود بھی امتحان کی تیاری کی اور اپنے بڑے بھائی سید محمد خان اور ماموں زاد بھائی حاتم علی خان کو بھی امتحان دینے پر آمادہ کیا۔ سید محمد خان نے پہلی دفعہ قانون کی طرف کم توجہ کی تھی اس لیے وہ دوسرے سال امتحان میں پاس ہوئے مگر سر سید اور حاتم علی خان نے پہلے ہی بار امتحان دے کر ڈپلوما حاصل کر لیا۔

12.3.2 خلاصہ:

یہ اقتباس مولانا الطاف حسین حالیؔ کی لکھی ہوئی کتاب "حیات جاوید" سے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حالیؔ نے سر سید احمد خاں کی مکمل سوانح ولادت سے لے کر وفات تک کا مفصل احوال بیان کیا ہے۔

"حیات جاوید" کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں سر سید کی زندگی جن میں ان کے خاندانی حالات، سر سید کے بچپن کے حالات، عنفوان شباب کا تذکرہ، تعلیم و تربیت شامل ہے۔ پہلے حصے ہی میں ان کی ملازمت، شاہی دربار سے خطاب کا ملنا، پہلی جنگ آزادی جسے غدر کا نام دیا جاتا ہے اس کا بیان بھی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی علمی، سیاسی اور مذہبی خدمات کا ذکر ہے۔

دوسرے حصے میں ان کے علمی و ادبی کارناموں پر مفصل تبصرے کیے گئے ہیں۔ ان کی ترقی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی بے غرضی، دیانت داری آزادی، بے تعصبی اور وفاداری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

"حیات جاوید" میں صرف سر سید کے حالات زندگی کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی ایک صدی کی تاریخ بھی ہے۔

سر سید نے ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے والد کو قلعہ سے کئی تنخواہیں ملتی تھی۔ انتقال کے بعد وہ سب بند ہو گئیں۔ صرف تھوڑی بہت ان کی والدہ کے نام باقی رہی بقیہ زمین و جائیداد بھی ضبط ہو گئیں۔

آمدنی بند ہونے کے سبب زندگی تنگ دستی میں گزرنے لگی۔ لہٰذا سرسید کو گورنمنٹ کی نوکری کا خیال پیدا ہوا۔ ہر چند ان کے رشتہ دار قلعہ سے قطع تعلق کرنے پر راضی نہ تھے مگر انہوں نے انگریزی گورنمنٹ کی نوکری اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

سب سے پہلے سرسید اپنے خالو مولوی خلیل اللہ خان سے کچہری کے کام سیکھنے لگے جو اس وقت دہلی میں صدر امین تھے۔ چند مہینے ان کو کام سیکھتے گزرے تھے کہ مولوی خلیل اللہ نے ان کو فوجداری کے خفیف مقدمات کا جو کہ فیصلہ کے لیے صدر امینی میں آتے تھے اپنی کچہری میں سررشتہ دار مقرر کر دیا۔

ابھی سرسید کو کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مسٹر رابرٹ ہملٹن (جو آخر کو سر رابرٹ ہملٹن ہوئے) دلی میں جج ہو کر آئے۔ پہلے سے جان پہچان ہونے کے سبب انہوں نے سرسید کو نوکری پر رکھ لیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد مسٹر رابرٹ ہملٹن نے ان کو آگرہ میں بلالیا اور فروری 1839 میں کمشنری کے دفتر میں جو نائب منشی کے عہدہ پر تقرر کیا۔

اسی زمانے میں سرسید نے "جام جم" کے نام سے فارسی زبان میں مع نقشہ کے ایک فہرست مرتب کی۔ جس میں امیر تیمور صاحب قران سے لے کر ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ تک مختلف خاندانوں کے 43 بادشاہوں کا حال مختصر طور پر سترہ سترہ خانوں میں لکھا ہے۔

سرسید نے قوانین دیوانی متعلقہ منصفی کا ایک خلاصہ بھی تیار کیا تاکہ وہ عہدہ منصفی ملنے کا ایک ذریعہ ہو۔ وہ خلاصہ حکومت میں پیش کیا گیا۔ جسے پسند کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جہاں بھی منصفی کی جگہ خالی ہو سرسید کا تقرر کر دیا جائے۔

مختصر یہ کہ سرسید نے مختلف عہدوں پر کام کرتے ہوئے آخر میں بنارس سے جج کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے اور پوری زندگی علی گڑھ کالج اور قوم وملت کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔

12.3.3 مشکل الفاظ:

ان بن	لڑائی جھگڑا	Standoff / Deadlock / Mutual disagreement
کاٹ پھانس	کمی کرنا	Toreduce
قدرِ قلیل	تھوڑی مقدار میں	Low value / Insignificance
مِلک	ذاتی چیز جس پر مالکانہ حق ہو	Kingdom / Property / Assefs
حینِ حیات	جب تک زندہ رہے	During lifetime / While living
قطع تعلق	میل جول ختم کرلینا	To sever relations / To break off
مصمّم	پکّا، مضبوط	Determined / Resolute
ناواقف	لاعلم، نہیں جاننے والا	Unaware / Ignorant/ Unfamiliar
کچہری	عدالت	Court / Office / Administrative office
خفیف	ہلکا، چھوٹا	Light / Slight / Mild
سررشتہ دار	پیش کار، میر منشی	Close relative/ Clerk

تردّد	شک وشبہ، ہچکچاہٹ	Hesitation / Doubt
لیاقت	قابلیت،صلاحیت	Merit / Capability
دستورالعمل	کام کرنے کا طریقہ یا اس کے اصول	Guidelines / Instructions/ Manual
مفصل	تفصیل سے	Detailed / Elaborate

12.3.4 مشقیں:

مشق 1: پیراگراف پڑھ کر سوالوں کے جواب دیجیے۔

1838ء میں جب کہ سرسید کے والد کا انتقال ہوا، ان کی عمر کچھ کم 22 سال کی تھی۔ قلعہ سے ان کے والد کو کوئی جگہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ چونکہ ان کے والد اور راجہ سوہن لال میں ان بن تھی اور ان کی زندگی ہی میں ان کی تنخواہ میں کاٹ پھانس ہونے لگی تھی۔ اب انتقال کے بعد قلعہ کی آمدنی میں سے صرف کچھ قدرِ قلیل تو سرسید کی والدہ کے نام جاری رہا باقی سب تنخواہیں بند ہو گئیں اور چند ملکیں جو معافی کی تھیں وہ بھی بسبب حینِ حیات ہونے کے ضبط ہو گئیں۔

i. سرسید کے والد کا جب انتقال ہوا تو ان کی عمر کتنے سال کی تھی؟ (   )

ii. سرسید کے والد کی کس سے ان بن تھی؟ (   )

iii. کتنی تنخواہ سرسید کی والدہ کے نام باقی رہی؟ (   )

iv. ملکیں جو معافی میں ملی تھیں وہ کب ضبط ہوئیں؟ (   )

مشق 2: ذیل میں دیے گئے الفاظ کی جوڑیوں کو استعمال کرتے ہوئے جملے بنائیے۔

i. انتقال - سال ....

ii. تنخواہ - زندگی ....

iii. عدالت - کارروائی ....

iv. امتحان - آمادہ ....

v. جج - فیصلہ ....

مشق 3: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

i. ان بن ....

ii. آمدنی ....

iii. قدرِ قلیل ....

iv. حینِ حیات ....

v. مصمّم ....

vi. دستورالعمل ....

12.4 سوانح: تلاشِ حق (مترجم سید عابد حسین)

12.4.1 گاندھی جی اور عابد حسین کا تعارف:

مہاتما گاندھی جنہیں ہم احترام سے گاندھی جی کہتے ہیں۔ ان کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔ وہ گجرات کے پور بندر شہر میں 1869 میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے حالات زندگی گجراتی زبان میں لکھے تھے، جس کو سید عابد حسین نے "تلاشِ حق" نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔

سید عابد حسین 25 جولائی 1896 میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن قصبہ داعی پور ضلع قنوج تھا۔ بچپن ننہال موہان لکھنؤ میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم کچھ عرصہ تک اپنے آبائی گاؤں داعی پور میں حاصل کی۔ 1910ء میں ان کے دادا سید مہدی حسن نے بھوپال بلالیا تاکہ آگے کی تعلیم بہتر ڈھنگ سے ہو سکے۔ بھوپال میں ان کا داخلہ جہانگیریہ ہائی اسکول کے ساتویں درجہ میں ہوا۔

1916ء میں سید عابد حسین نے الہ آباد یونیورسٹی سے دسویں درجہ کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد میور سینٹرل کالج میں انٹر میں داخلہ لیا۔ سائنس اور ریاضی مضامین سے انٹر پاس کیا لیکن سائنس سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے بی۔اے انہوں نے فارسی، انگریزی اور فلسفہ سے کیا۔ 1920ء میں بی۔اے امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے لندن کا سفر کیا اور آکسفورڈ میں داخلہ لیا اور کچھ مدت تک برلن میں بھی قیام کیا۔

جرمنی میں سید عابد حسین کی ملاقات ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب سے ہوئی جو تعلیم کے سلسلے میں وہاں موجود تھے۔ سید عابد حسین نے 1925 میں برلن یونیورسٹی سے پروفیسر اشپرنگر کے زیر نگرانی، پی ایچ ڈی مکمل کی۔ مقالے کا عنوان تھا "ہربرٹ اسپنسر کا نظریہ تعلیم، اس کے فلسفے کی روشنی میں"۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن واپس ہوئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اردو اور انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ چند سال تک جامعہ کالج کے پرنسپل بھی رہے۔

رسالہ "جامعہ" کے مدیر اور بچوں کے رسالے "پیام تعلیم" کے بانی اور مدیر تھے۔ بچوں کے لئے اس میں لکھتے بھی تھے۔ انھوں نے جون 1948 میں ہفت روزہ اخبار "نئی روشنی" نکالا جو کئی سالوں تک جاری رہا۔ اس میں وہ ایک مزاحیہ کالم خود بھی لکھتے تھے جو بہت مشہور ہوا۔ ان کو جامعہ کے وائس چانسلر کے عہدے کی پیش کش ہوئی جس کو انھوں نے اپنی مصروفیت اور علمی کاموں کے پیش نظر قبول نہیں کیا، چند سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں گذارے اور جنرل ایجوکیشن کا شعبہ قائم کیا۔ 1976 میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرپرستی میں اسلام اینڈ ماڈرن ایج سوسائٹی قائم کی۔ اور دو سال بعد اس کے تحت "اسلام اور عصر جدید" کے نام سے اردو رسالہ جاری کیا اور پھر اس نام سے انگریزی میں بھی شائع کیا۔ جو 1974 تک جاری رہا۔

سید عابد حسین کی اہم تصانیف میں قومی تہذیب کا مسئلہ۔' پردۂ غفلت ' (ڈرامہ)۔'مسلمانوں کی تعلیم اور جامعہ ملیہ ' ۔' ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب ' (۳جلد)تلاش ہند (دو جلد)۔ مکالمات افلاطون۔(جرمن) Goethe's foust فاؤسٹ (جلد اول گوئٹے) جرمن)۔ولہیم مائسٹر (دو جلد) گوئٹے (جرمن)۔کلموہی:رابندرناتھ ٹیگور(انگریزی) تلاش حق:مہاتما گاندھی کی آپ بیتی، دو جلد (انگریزی سے ترجمہ)وغیرہ شامل ہیں۔

12.4.2 "تلاشِ حق": متن (اقتباس)

"گاندھی جی کا بچپن"

میری عمر سات برس کی ہوگی کہ میرے والد راجستھانی عدالت کے رکن ہو کر پور بندر سے راجکوٹ گئے۔ وہاں میں ایک ابتدائی مدرسے میں داخل کیا گیا۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں اور استادوں کے نام اور ان کی بہت سی باتیں بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ پور بندر کی طرح یہاں بھی میری پڑھائی کے متعلق کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ میں معمولی سا طالب علم تھا۔ اس مدرسے سے میں مضافات کے ایک اسکول اور وہاں سے بارہ برس کی عمر میں ہائی اسکول گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس قلیل عرصے میں میں نے کبھی اپنے استادوں سے اپنے ہم مکتبوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ میں بہت شرمیلا تھا اور کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔ سوائے میری کتابوں اور میرے کام کے کوئی میرا رفیق نہ تھا۔ گھنٹہ بجتے ہی اسکول پہنچ جانا اور چھٹی ہوتے ہی گھر بھاگنا میرا روزمرہ کا معمول تھا۔ میں سچ مچ بھاگتا ہوا جاتا تھا کیونکہ مجھے کسی سے بات کرنے کی تاب نہ تھی۔ یہ بھی خوف رہتا تھا کہ کوئی میری ہنسی نہ اڑائے۔

ہائی اسکول میں پہلے سال امتحان کے موقعہ پر ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے۔ مسٹر جائیس انسپکٹر اسکول معائنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں ہجے کی مشق کے لیے پانچ لفظ لکھوائے ان میں سے ایک لفظ Kettle تھا۔ میں نے اس کے ہجے غلط لکھے۔ استاد نے مجھے اپنے بوٹ کی نوک سے ٹھکرا کر آگاہ کرنا چاہا مگر میں باخبر نہ ہوا۔ یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی کہ وہ چاہتے ہیں میں اپنے ساتھی کی سلیٹ سے ہجے نقل کرلوں کیوں کہ میرے خیال میں استاد وہاں تھے ہی اس لیے کہ ہمیں نقل نہ کرنے دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے سوا سب لڑکوں کے یہاں ہر لفظ کے ہجے صحیح لکھے ہوئے تھے۔ ایک میں ہی بیوقوف ثابت ہوا۔ بعد میں استاد نے مجھے میری یہ بیوقوفی سمجھانا چاہی مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مجھے نقل کرنے کا فن کبھی نہ آیا۔

تاہم استاد کی جو عزت میرے دل میں تھی اس میں اس واقعے سے کوئی فرق نہ آیا۔ مجھ میں یہ قدرتی بات تھی کہ بڑوں کی برائی نظر نہ آتی تھی۔ آگے چل کر مجھے ان استاد کی اور کمزوریاں بھی معلوم ہوئیں مگر میں اسی طرح ان کا ادب کرتا رہا کیونکہ میں نے بڑوں کی فرماں برداری سیکھی تھی۔ ان کے کاموں پر نکتہ چینی کرنا نہیں سیکھا تھا۔

اس زمانے کے دو اور واقعات میرے حافظے میں ہمیشہ نقش رہے۔ عام طور سے سوائے اسکول کی کتابوں کے اور کسی کتاب میں میرا جی نہ لگتا تھا۔ مجھے اپنا روزانہ سبق چار و ناچار یاد کرنا پڑتا تھا۔ مجھے استاد کی خفگی بری لگتی تھی اور انہیں دھوکا دینا بھی پسند نہ تھا اس لئے میں سبق یاد تو کرلیتا تھا لیکن بے دلی سے۔ غرض جب سبق ہی جیسا چاہیئے یاد نہ ہوتا تھا تو اور کتابوں کے پڑھنے کا ذکر کیا ہے مگر خدا جانے کیوں کر میری نظر ایک کتاب پر پڑی جو میرے والد نے خریدی تھی۔

یہ شرون پتری بھگتی ناٹک (شرون کے محترم والدین کا ناٹک) تھا، میں نے اسے بے حد شوق سے پڑھا۔ اس زمانے میں ہمارے یہاں سفری ناٹک والے آئے۔ میں نے جو سین دیکھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ شرون اپنے کندھوں پر ایک بہنگی رکھے اپنے اندھے ماں باپ کو جاترا کے لیے لے جارہا ہے۔

یہ کتاب اور یہ منظر میرے دل پر ایسے نقش ہوگئے کہ مٹائے نہ مٹے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: "دیکھ یہ مثال ہے جس کی تجھے تقلید کرنا چاہیئے۔" شرون کے مرنے پر اس کے والدین نے جو دردناک بین کیے تھے ان کی یاد بھی میرے دل میں اب تک تازہ ہے اس دلگداز لے نے مجھے تڑپا دیا اور میں اسے اپنے ارگن باجے پر جو مجھے میرے والد نے خرید دیا تھا بجایا کرتا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور ناٹک کا ہے۔ اسی زمانے میں اپنے والد کی اجازت سے میں ایک ناٹک کی کمپنی کا تماشا دیکھنے گیا۔ اس تماشے "ہریش چندر" نے میرے دل کو موہ لیا۔ میں اسے بار بار دیکھتا تھا اور نہ تھکتا تھا۔ مگر آخر مجھے کہاں تک جانے کی اجازت ملا کرتی؟ یہ تماشا میرے جی میں بس گیا تھا اور خدا جانے کتنی بار میں نے دل ہی دل میں ہریش چندر کا پارٹ کیا ہوگا۔ "سب لوگ ہریش چندر کی طرح سچے کیوں نہ ہو جائیں؟"

یہ سوال میں اپنے دل میں دن رات کیا کرتا۔ حق کی پیروی کرنا اور وہ سب کچھ سہنا جو ہریش چندر نے سہا تھا۔ بس یہی ایک نصب العین تھا جس کی لگن اس تماشے نے میرے دل کو لگا دی تھی۔ میں ہریش چندر کے قصے کو لفظ بہ لفظ سچ سمجھتا تھا۔ اس کا خیال کر کے میں رونے لگتا تھا۔ آج میری عقل مجھ سے کہتی ہے کہ ہریش چندر کوئی تاریخی شخص نہیں ہو سکتا۔ مگر میرے لیے ہریش چندر اور شرون دونوں جیتی جاگتی حقیقت ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں ناٹکوں کو پھر پڑھوں تو مجھ پر اتنا ہی اثر ہو جتنا پہلے ہوا تھا۔

12.4.3 کا خلاصہ:

یہ اقتباس مہاتما گاندھی کی خود نوشت سوانح "تلاش حق" سے لیا گیا ہے۔ گاندھی جی نے اپنی خود نوشت سوانح گجراتی زبان میں لکھی تھی۔ انگریزی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ "The Story of My Experiments with Truth" نام سے ان کے سکریٹری مہادیو دیسائی نے کیا۔ اس کا اردو زبان میں ترجمہ "تلاش حق" کے عنوان سے سید عابد حسین نے کیا ہے۔ جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ جس میں گاندھی جی نے اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر حصول تعلیم کے مرحلے اور عملی زندگی کے تمام تر تجربات پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں گاندھی جی نے اپنی پیدائش اور نسب، بچپن اور بچپنے کی شادی کا ذکر کیا ہے۔ جو چیزیں ان کے اندر تبدیلی لانے کا سبب بنیں ان کو بھی لکھا ہے۔ گاندھی جی نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا تھا جس کا اثر ان کی تحریر اور تقریر دونوں میں نظر آتا ہے۔ انہیں نے ستیہ گرہ اور عدم تشدد کے اصولوں کو اپنی زندگی کا ناگزیر حصہ بنایا اور تزکیہ نفس کے عمل کو اپنایا۔ غرض یہ کہ اس کتاب سے گاندھی جی کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

گاندھی جی اپنے بچپن کا واقعہ لکھتے ہیں کہ جب ان کی عمر سات سال کی تھی تو ان کے والد کا تبادلہ راجکوٹ ہو گیا۔ گاندھی جی کو وہاں کے ایک مدرسے میں داخل کیا گیا۔ اس مدرسے میں انہوں نے ہائی اسکول تک کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے کبھی اپنے اساتذہ اور

ساتھیوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ بہت زیادہ شرمیلے ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ کتابیں ان کی دوست اور لکھنا پڑھنا ان کے ساتھی تھے۔

ہائی اسکول کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ مجھے نقل کرنا بالکل نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹیچر کے اشاروں کو بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نقل نہ کرنے کے سبب ان کی Kettle کی Spelling بھی غلط ہو گئی تھی۔ باوجود اس کے انہوں نے کبھی اپنے استاد کی بے ادبی نہیں کی۔

دوران طالب علمی ایک چیز نے گاندھی جی کو بہت متاثر کیا۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک کتاب جو ان کے والد نے خریدی تھی۔ جس کا نام "شرون پتری بھگتی ناٹک "(شرون کے محترم والدین کا ناٹک) تھا، انہوں نے اسے بے حد شوق سے پڑھا۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ

"اس زمانے میں ہمارے یہاں سفری ناٹک والے آئے۔ میں نے جو سین دیکھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ شرون اپنے کندھوں پر ایک بہنگی رکھے اپنے اندھے ماں باپ کو جاترا کے لیے لے جا رہا ہے۔ یہ کتاب اور یہ منظر میرے دل پر ایسے نقش ہو گئے کہ مٹائے نہ مٹے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: " دیکھ یہ مثال ہے جس کی تجھے تقلید کرنا چاہیئے۔ " شرون کے مرنے پر اس کے والدین نے جو دردناک بین کئے تھے ان کی یاد بھی میرے دل میں اب تک تازہ ہے اس دلگداز لے نے مجھے تڑپا دیا اور میں اسے اپنے ارگن باجے پر جو مجھے میرے والد نے خرید دیا تھا بجایا کرتا تھا۔"

اس واقعہ اور "ہریش چندر" ناٹک نے گاندھی جی کی زندگی میں بہت اثر کیا اور انہوں نے ان سے سیکھا کہ انسان کو ہمیشہ سچ بولنا اور حق کی پیروی کرنا چاہیئے۔ اور اسی کو انہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ان کے عدم تشدد اور اہنسا کے اصولوں کے طور پر آیا اور ہمارے ملک ہندوستان کو غلامی سے نجات ملی۔

12.4.4 مشکل الفاظ:

رکن	ممبر	Member / Part
قابلِ ذکر	بیان کے قابل	Notable / Worth mentioning
مضافات	کسی شہر یا بڑی بستی یا علاقے کے آس کا علاقہ یا چھوٹی بستیاں	Annexes / Appendices / Surrounding out of the City
عرصہ	مدت، وقت، زمانہ	Period / Duration
ہم مکتب	ایک مدرسے میں پڑھنے والے	Classmate / Same schoolmate
رفیق	دوست	Companion / Friend
روزمرہ	ہر دن	Daily / Everyday
خفگی	ناراضگی	Embarrassment / Distress
بہنگی	موٹا بانس جس کے سرے پر سامان کو لادلے جانے کے	Confusion / Dizziness

لیے رسی کے دو چھینکے لٹکے ہوتے ہیں اور کہار اسے
کندھے پر اٹھا کر لے جاتے ہیں

تقلید کرنا	کسی کی بتائی ہوئی بات پر عمل کرنا	To imitate / To emulate
نصب العین	مقصد	Motto،goal, object, aim, objective

12.4.5 مشقیں:

مشق 1: حسب ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

i. رکن ....

ii. ہجے ....

iii. ہم مکتب ....

iv. کہار ....

مشق 2: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

i. خود نوشت سوانح ....

ii. منظر ....

iii. استاد ....

iv. چار وناچار ....

مشق 3: ذیل کا پیراگراف پڑھ کر صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

میں معمولی سا طالب علم تھا۔ اس مدرسے سے میں مضافات کے ایک اسکول اور وہاں سے بارہ برس کی عمر میں ہائی اسکول گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس قلیل عرصے میں میں نے کبھی اپنے استادوں سے اپنے ہم مکتبوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ میں بہت شرمیلا تھا اور کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔ سوا میری کتابوں اور میرے کام کے کوئی میرا رفیق نہ تھا۔ گھنٹہ بجتے ہی اسکول پہنچ جانا اور چھٹی ہوتے ہی گھر بھاگنا میرا روزمرہ کا معمول تھا۔ میں سچ مچ بھاگتا ہوا جاتا تھا کیونکہ مجھے کسی سے بات کرنے کی تاب نہ تھی۔ یہ بھی خوف رہتا تھا کہ کوئی میری ہنسی نہ اڑائے۔

i. میں غیر معمولی سا طالب علم تھا۔ (   )

ii. میں کبھی کبھی اپنے استادوں اور دوستوں سے جھوت بولتا تھا۔ (   )

iii. میں بہت شرمیلا تھا اور ہر ایک سے ملتا جلتا تھا۔ (   )

iv. گھنٹہ بجتے ہی اسکول نہ پہنچ جانا اور چھٹی ہوتے ہی گھر بھاگنا میرا روزمرہ کا معمول نہ تھا۔ (   )

12.5 نمونہ امتحانی سوالات

12.5.1 معروضی سوالات:

(1) مرزا کے.................نہایت وسیع تھے؟

(a) تعلقات (b) اخلاق (c) مراسم (d) مرتبے

(2) کشادہ کے کیا معنی ہیں؟

(a) پتلا (b) چوڑا (c) لمبا (d) موٹا

(3) "یادگار غالب" کے مصنف کون ہیں؟

(a) حالیؔ (b) شبلی (c) سرسید (d) صالحہ عابد حسین

(4) مولانا الطاف حسین حالیؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) پانی پت (c) پنجاب (d) حیدرآباد

(5) ذیل میں سے کون سی سوانح حالی کی ہے؟

(a) حیات جاوید (b) جو یاد رہا (c) تلاش حق (d) یادگار حالی

(6) جب سرسید کے والد کا انتقال ہوا تو ان کی عمر کتنے سال تھی؟

(a) 18سال (b) 22سال (c) 20سال (d) 24سال

(7) "حیات جاوید" کو حالیؔ نے کتنے حصوں میں تقسیم کیا ہے؟

(a) تین (b) چار (c) دو (d) ایک

(8) گاندھی جی کتنی سال کی عمر میں راجکوٹ گئے؟

(a) سات (b) پانچ (c) نو (d) دس

(9) گاندھی جی کی سوانح کو اردو میں کس نے ترجمہ کیا؟

(a) عابد حسین (b) ذاکر حسین (c) نذیر احمد (d) سرسید

(10) رفیق کسے کہتے ہیں؟

(a) دوست (b) بھائی (c) ماں (d) باپ

12.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1. غالب اپنے دوستوں کی مدد کس طرح کرتے تھے۔ مختصر ابیان کیجیے۔

2. الطاف حسین حالیؔ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

3. درج ذیل محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

(الف) باغ باغ ہونا (ب) خوشی سے پھولے نہ سمانا

4. نیچے دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

مشق، روزمرہ، رفیق، عرصہ، ہم مکتب، بوٹ

5. تلاش حق کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے؟

12.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1. مرزا غالب کے اخلاق وعادات پر مفصل نوٹ لکھیے۔
2. تلاش حق اقتباس کی روشنی میں گاندھی جی کے ابتدائی حالات قلم بند کیجیے۔
3. سرسید کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

12.5.1 کے جوابات: b-1 b-2 a-3 b-4 a-5

b-6 c-7 a-8 a-9 a-10

بلاک IV

اکائی 13: سفر نامہ

سندباد جہازی (الف لیلہ)، ہندوستان جنت نشاں (صالحہ عابد حسین)

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 سفر نامہ کیا ہے؟

13.3 سندباد جہازی کا دوسرا سفر (الف لیلہ)

13.3.1 الف لیلہ کا تعارف

13.3.2 سفر نامہ "سندباد جہازی کا دوسرا سفر": متن

13.3.3 خلاصہ

13.3.4 مشکل الفاظ

13.3.5 مشقیں

13.4 ہندوستان جنت نشاں

13.4.1 صالحہ عابد حسین کا تعارف

13.4.2 سفر نامہ "ہندوستان جنت نشاں": متن

13.4.3 خلاصہ

13.4.4 مشکل الفاظ

13.4.5 مشقیں

13.5 اکتسابی نتائج

13.6 نمونہ امتحانی سوالات

13.0 تمہید

تبدیلی فطرت کا قانون ہے اور انسان فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی جگہ پر مسلسل رہنے سے یا کام کرنے سے طبیعت میں بیزاری آجاتی ہے اور انسان کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس اکتاہٹ سے آزاد رہنے کے لیے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرتا ہے۔ سفر کے دوران وہ الگ الگ طبقے کے لوگوں کو دیکھتا ہے، مختلف موسم اور آب و ہوا کو محسوس کرتا ہے۔ مختلف طرح کے کھانے کھاتا ہے اور رنگا رنگ تہذیب و ثقافت کا تجربہ کرتا ہے۔ یہ تمام باتیں جب وہ تحریر کی شکل میں لکھ دیتا ہے تو اسے سفر نامہ کہتے ہیں۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سفر نامہ کی تعریف کو سمجھ سکیں۔
- اردو کے اہم سفر ناموں کا نام جان سکیں۔
- الف لیلہ سے ماخوذ سند باد جہازی کے دوسرے سفر کا مطالعہ کر سکیں۔
- صالحہ عابد حسین کے سفر نامہ کا مطالعہ کر سکیں۔

13.2 سفر نامہ کیا ہے؟

سفر نامہ ایک نثری صنف ہے لیکن کچھ لوگوں نے منظوم سفر نامے بھی لکھے ہیں۔ اصل میں سفر نامہ بیانیہ میں تحریر کیا جاتا ہے۔ جب کوئی مسافر (سیاح) اپنے سفر کی روداد، تاریخی مقامات، جغرافیائی محل وقوع، رسم و رواج، تہذیب و تمدن، سماجی اور سیاسی حالات اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کو تحریر کرتا ہے تو سفر نامہ وجود میں آتا ہے۔ سفر نامہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سفر کی روداد کو ایمانداری کے ساتھ دلچسپ انداز میں لکھے تاکہ پڑھنے والا اس سے لطف اندوز ہو سکے۔ غیر ضروری تفصیل سفر نامے کو بوجھل بنا دیتی ہے ۔ اس لیے سفر نامہ نگار کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اردو میں سفر نامہ نگاری کا آغاز یوسف کمبل پوش کے سفر نامہ "عجائبات فرنگ" سے ہوا۔ یہ سفر نامہ 1847 میں لکھا گیا۔ اسے اردو کا پہلا سفر نامہ بھی کہا جاتا ہے۔ اردو کے دوسرے سفر ناموں میں سر سید احمد خاں کا 'مسافران لندن'، شبلی نعمانی کا 'سفر نامہ روم و مصر و شام'، محمد حسین آزاد کا 'سیر ایران'، مولانا عبدالحیٔ کا 'دہلی اور اس کے اطراف' قابل ذکر ہیں۔ بیسویں صدی میں جب آمد و رفت کے ذرائع میں اضافہ ہوا تو سفر نامہ لکھنا اور آسان ہو گیا۔ اس دور میں کافی سفر نامے لکھے گئے۔

13.3 سند باد جہازی کا دوسرا سفر (الف لیلہ)

13.3.1 الف لیلہ کا تعارف:

دنیا کے ہر علاقے میں قصے اور داستانیں الگ الگ طریقوں سے رائج ہیں۔ ہندوستان میں جس طرح پنچ تنتر ساگر کا قصہ مشہور ہے اسی طرح عرب کی دنیا میں الف لیلہ کا مقام بہت بلند ہے۔ الف کے معنی 'ایک ہزار' اور لیل کے معنی رات کے ہیں۔ اس طرح 'الف لیلہ

'کے معنی ہوئے ایک ہزار راتیں۔ یہ داستان قصہ در قصہ چلتی ہے اور اسے 'شہرزاد' نامی ایک لڑکی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ شہرزاد کو قصے کو طول دینے میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ ہر رات وہ اپنی کہانی کو ایک ایسے مرحلے پر لا کر چھوڑ دیتی تھی جہاں سننے والے کی تجسس کی کیفیت بڑھ جاتی۔ اگلی رات قصہ وہیں سے آگے بڑھتا اور کہانی میں ایک نیا موڑ آ جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے شہرزاد کی زندگی کی شرط یہی رکھی تھی کہ داستان کبھی ختم نہ ہو۔ شہرزاد اس آزمائش میں کامیاب رہی۔ اسی لیے دنیا بھر کے بیانیہ ادب میں شہرزاد کا نام ایک مثال بن چکا ہے۔ مشرق و مغرب کی تقریباً تمام بڑی زبانوں میں "الف لیلہ" کا ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ داستان بچوں کی پسندیدہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

13.3.2 سفر نامہ "سندباد جہازی کا دوسرا سفر": متن:

پہلے سفر کے بعد میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب کبھی سفر کا نام نہ لوں گا اور آرام سے بغداد میں زندگی گزاروں گا۔ کچھ مہینے اسی طرح گزر گئے۔ پھر میں آرام کی زندگی سے اُکتا گیا۔ میرا دل مجھ سے بار بار کہتا کہ سفر کرو، سفر میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ نئے نئے شہر دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر کسی شہر میں کوئی نایاب چیز مل گئی تو آدمی اسے دوسرے شہر میں بیچ کر لاکھوں کما سکتا ہے۔ آخر میں نے سفر کا ارادہ کر ہی لیا اور ایک دن شہر سے اچھی اچھی چیزیں خرید کر جہاز پر سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ دوسرے سوداگر بھی تھے۔

ہم کئی دن تک سمندر میں سفر کرتے رہے۔ کبھی کسی بندرگاہ پر جہاز ٹھہر جاتا تو ہم اُتر جاتے۔ اپنے ساتھ لایا ہوا سامان مہنگے داموں بیچتے۔ اسی طرح وہاں اگر کوئی عجیب و غریب چیز مل جاتی تو اسے سستے داموں خریدتے اور دوسرے شہر میں اس کی بھاری قیمت وصول کرتے۔ اس طرح مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس سفر میں بہت منافع ہوا۔

ایک دن ہمارا جہاز ایک جزیرے کے کنارے آ کر رکا۔ یہ جزیرہ بہت ہرا بھرا تھا۔ جگہ جگہ پھل دار درخت دکھائی دے رہے تھے۔ ہم سب اتر پڑے اور جزیرے کی سیر کرنے لگے۔ جزیرہ ویران پڑا تھا۔ وہاں کوئی آدم تھا نہ آدم زاد لیکن درختوں میں طرح طرح کے پھل لگے ہوئے تھے۔ ہم سب مل کر درختوں سے پھل توڑ کر کھانے لگے۔ بڑا مزا آیا۔ پاس ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ہم سبھوں نے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیا اور ادھر اُدھر سیر کو نکل گئے۔ جہاز کے کپتان نے اعلان کیا تھا کہ جہاز ایک گھنٹے کے بعد روانہ ہو جائے گا لیکن میں اپنی دھن میں اکیلا بہت دور نکل گیا۔ ایک گھنے، سایہ دار درخت کو دیکھا تو اس کے نیچے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گیا۔ لیکن بد قسمتی سے آنکھ لگ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو آس پاس کسی ساتھی کو نہیں پایا۔ میں گھبرا کر جہاز کی طرف دوڑا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس طرح میں جزیرے پر اکیلا ہی رہ گیا۔ میں اپنے کیے پر بہت پچھتایا لیکن پچھتانے سے کیا ہوتا ہے؟ میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگا کہ میں نے دل کی بات کیوں مانی؟ کیا پہلے سفر کی مصیبتیں کم تھیں جو بیٹھے بٹھائے پھر آفت مول لی۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ آس پاس پانی، آسمان اور ہرے بھرے درختوں کے سوائے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں جزیرے میں ادھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ میں دعا مانگتا تھا کہ " یا خدا مجھے اس مصیبت سے بچا۔ اچانک میری نظر ایک سفید چیز پر پڑی۔ میں اس کی طرف لپکا۔ نزدیک پہنچا تو مجھے وہ چیز ایک سفید گنبد کی طرح نظر آئی۔ سوچا کہ اس کے اندر جا کر دیکھنا چاہیے۔ چھونے پر گنبد کی دیوار بہت چکنی محسوس ہوئی۔ میں اس گنبد کے ارد گرد گھومنے لگا کہ کہیں دروازہ نظر آ جائے۔ مگر یہ تو چاروں طرف سے بند تھا۔ اتنے میں ایکا ایک چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ میں سمجھا کہ شام ہو چلی ہے۔ سورج

ڈوب گیا۔ آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہاں بادل کا ایک بڑا کالا ٹکڑا نظر آیا جو بڑی تیزی سے میری طرف چلا آ رہا تھا۔ میں سمجھا کہ اب زور دار بارش ہو گی لیکن بادل کا وہ ٹکڑا میرے قریب آ کر نیچے اترنے لگا۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹکڑا گنبد پر اس طرح آ کر گرا کہ گنبد نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ میرے ساتھی اکثر ایک بہت بڑے پرندے کا ذکر کیا کرتے تھے جس کا نام سیمرغ' ہے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ بادل کا ٹکڑا نہیں سیمرغ ہے اور جسے میں سفید گنبد سمجھ رہا تھا وہ تو اس سیمرغ کا انڈا ہے۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس جزیرے سے کیسے نکلا جائے۔ سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ میں اپنے آپ کو سیمرغ کے پنجے سے باندھ لوں تو کل صبح سیمرغ جہاں اڑ کر جائے گا میں بھی اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ کہیں بھی۔ اس جگہ سے تو چھٹکارا ملے گا۔ آگے اللہ مالک ہے۔ میں سیمرغ کا پنجہ تلاش کرنے لگا۔ مجھے اس کے پنجے کے بڑے بڑے ناخن نظر آئے۔ ہر ناخن درخت کی موٹی جڑ کی طرح تھا۔ میں نے پگڑی کھولی اور خود کو ایک ناخن کے ساتھ باندھ لیا اور رات بھر خدا سے دعا مانگتا رہا۔

صبح ہوئی۔ سیمرغ اڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ اُڑنے لگا۔ میں بہت گھبرا رہا تھا مگر کر بھی کیا سکتا تھا۔ اڑتے اڑتے سیمرغ نیچے اترنے لگا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ نیچے ایک وادی ہے۔ جیسے ہی وہ زمین کے قریب آیا میں نے پگڑی کا سرا کھول دیا اور دھم سے زمین پر آ گرا۔ میں نے دیکھا کہ سیمرغ ایک بڑے اژدہے کی طرف جھپٹا اور اژدہے کو اپنی چونچ میں دبا کر تیزی سے اُڑ گیا۔

اب میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ تھے اور باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یکایک میری نظر زمین پر پڑی تو مجھے چاروں طرف ہیرے ہی ہیرے نظر آئے۔ اتنے بڑے اور اتنے سارے ہیرے میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جھٹ سے میں نے ہیروں کو اٹھا اٹھا کر اپنی پگڑی میں جمع کرنا شروع کیا اور افسوس کرنے لگا کہ چمڑے کی تھیلی کیوں جہاز پر بھول آیا۔ اگر وہ ہوتی تو اور بھی ہیرے اکٹھا کر لیتا۔ اچانک مجھے اژدہے کی پھنکار سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو کئی اژدہے اپنے اپنے بلوں کی طرف دوڑ رہے تھے۔

اچانک اوپر سے ایک گوشت کا ٹکڑا میرے پاس آ کر گرا۔ اس کے بعد تو پھر گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے وادی میں گرنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ ان ٹکڑوں سے ہیرے لپٹ جاتے تھے۔ یہ دیکھتے ہی مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ کسی جزیرے کی ایک وادی میں ہیرے کی کان ہے۔ سوداگر اس وادی میں گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پھینکتے ہیں۔ ان سے ہیرے چپک جاتے ہیں۔ بڑے بڑے گدھ وادی میں آ کر ان ٹکڑوں کو اپنے پنجوں سے اٹھا کر اُڑ جاتے ہیں اور انھیں اپنے گھونسلوں میں لا کر خود کھاتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی کھلاتے ہیں۔ اس سے پہلے سوداگر گدھ کو اڑا کر گوشت سے چپکے ہوئے ہیرے نکال لے جاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہی وہ ہیرے کی کان ہے۔ میں نے ہیروں سے بھری پگڑی اپنی کمر سے کس کر باندھ لی اور گوشت کے ایک بڑے ٹکڑے کو پگڑی کے ایک سرے سے اپنی پیٹھ پر باندھ لیا اور زمین پر اوندھا لیٹ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وادی میں گدھ ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ ایک بہت بڑا گدھ اس گوشت کے ٹکڑے کی طرف جھپٹا جو میری پیٹھ پر بندھا ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے پنجوں سے لے کر اڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔ جب گدھ اپنے گھونسلے میں پہنچا تو جھٹ سے میں نے اپنے آپ کو گوشت کے ٹکڑے سے الگ کر لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں وہاں ایک سوداگر آیا اور ڈنڈا دکھا کر گدھ کو اڑا دیا۔ اس نے

مجھے دیکھا تو حیران ہوا۔ سمجھا کہ میں کوئی چور ہوں اور ہیرے چرانے آیا ہوں۔ میں نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ گوشت سے لپٹے ہوئے ہیرے تمھارے ہیں۔ میں اور بھی ہیرے سمیٹ کر لایا ہوں۔ پھر میں نے پگڑی میں بندھے ہوئے ہیرے اسے دکھائے اور کہا "جتنے چاہو لے لو مگر پہلے مجھے پانی پلاؤ، کھانا کھلاؤ ورنہ میں مر جاؤں گا۔ "

یہ سن کر سوداگر بہت خوش ہوا اور مجھے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ میری خوب خاطر تواضع کی اور میرے پاس سے ایک بھی ہیرا نہیں لیا۔ پھر اس نے میرے بغداد جانے کا انتظام کر دیا۔ اس سوداگر کی مہربانی سے میں جہاز پر سوار ہوا اور اس طرح میں اپنے سفر سے مالا مال ہو کر لوٹا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

13.3.3 خلاصہ:

سندباد جہازی ایک بہادر اور سمجھدار سیاح تھا۔ وہ آرام کی زندگی سے اُکتا گیا تھا۔ اسے سفر کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ نئی جگہیں دیکھنے اور نایاب چیزیں تلاش کرنے سے بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اس نے ایک دن سامان خریدا اور ایک جہاز پر سوار ہو کر سفر پر نکل پڑا۔ جہاز میں اس کے ساتھ اور بھی کئی لوگ تھے۔ سب مل کر خوب تجارت کرتے اور منافع کماتے تھے۔

ایک دن جہاز ایک خوبصورت جزیرے کے کنارے رکا۔ سندباد سیر کرنے جزیرے پر اتر گیا۔ مگر جب وہ سیر سے تھک کر ایک جگہ سو گیا تو ، جہاز روانہ ہو گیا اور سندباد جزیرے میں اکیلا رہ گیا۔ جزیرے پر ہر طرف پھل دار درخت تھے اور ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ لیکن جزیرہ بالکل سنسان تھا۔ سندباد نے ایک عجیب سا بڑا سا سفید گنبد دیکھا۔ یہ کوئی عمارت نہیں بلکہ سیمرغ نامی بہت بڑے پرندے کا انڈا تھا!

سندباد نے سوچا کہ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نکالنا ہو گا۔ اس نے ہوشیاری سے خود کو سیمرغ کے پاؤں سے باندھ لیا۔ جب سیمرغ اڑا، تو سندباد بھی اس کے ساتھ ہوا میں اڑ گیا اور ایک وادی میں پہنچا۔ یہ وادی ہیروں سے بھری ہوئی تھی! ہر طرف چمچماتے قیمتی ہیرے بکھرے پڑے تھے۔ سندباد نے جلدی سے بہت سے ہیرے اپنی چادر میں باندھ لیے۔

اچانک اسے اژدہوں کی خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ اسی وقت اوپر سے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا گرا۔ سندباد کو یاد آیا کہ لوگ گوشت کے ٹکڑے وادی میں پھینک دیتے ہیں تا کہ پرندے انہیں لے کر باہر جائیں اور وہ ان سے چپکے سے ہیرے حاصل کریں۔ چالاکی سے اس نے بھی ایک بڑا گوشت کا ٹکڑا اپنی کمر سے باندھ لیا۔ ایک پرندہ آیا اور وہ سندباد کو گوشت سمیت اٹھا کر باہر لے گیا۔

باہر آ کر سندباد نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک سوداگر اس کے پاس آیا اور سندباد کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے سندباد کو کھانا کھلایا اور بغیر کوئی ہیرا لیے اسے جہاز پر سوار کرا دیا۔

یوں سندباد خوشی خوشی اپنے وطن بغداد لوٹ آیا۔ اس کے پاس اب بے شمار ہیرے تھے اور وہ خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ سفر نے اسے اتنی دولت دی۔

13.3.4 مشکل الفاظ:

سفر نامہ نویس	سفر کی روداد لکھنے والی / والا	Travelogue Writer

الف لیلہ	ایک ہزار راتیں	One Thousand Nights
قصہ در قصہ	کہانی کے اندر کہانی	Story within a story
تجسس	جستجو، کھوج	Curiosity
بیانیہ ادب	روداد کہنے والا ادب	Narrative literature
سوداگر	تاجر	Merchant
نایاب	بہت کم ملنے والی چیز	Rare
منافع	فائدہ	Profit
چشمہ	پانی کا قدرتی جھرنا	Spring
لعنت ملامت	کوسنا، برا بھلا کہنا	Curse / Malediction
سیمرغ	فرضی، بہت بڑا پرندہ	Mythical giant bird
وادی	پہاڑوں کے درمیان میدان	Valley
اژدہا	ایک قسم کا سانپ	Python
پھنکار	سانپ کی آواز	Hissing
خاطر تواضع	مہمان نوازی	Hospitality
جزیرہ	خشکی کا وہ حصہ جس کے اطرف مندر ہو	Island

13.3.5 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ تجسس ....
2۔ منافع ....
3۔ وطن ....
4۔ دولت ....
5۔ جزیرہ ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ سندباد نے ________ کے پاؤں سے خود کو باندھ لیا تا کہ جزیرے سے نکل سکے۔
2۔ سندباد نے جزیرے پر ایک سفید ________ دیکھا جو دراصل ایک انڈا تھا۔

3۔ سندباد کے ساتھ جہاز پر دوسرے ________ بھی سفر کر رہے تھے۔

4۔ جب سندباد جزیرے پر سیر کر رہا تھا تو جہاز ________ ہو گیا۔

5۔ سوداگر نے سندباد کی مہمان نوازی کی اور بغیر کوئی ________ لیے اسے جہاز پر سوار کرا دیا۔

مشق 3: ذیل میں دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ سفر ....

2۔ سوداگر ....

3۔ درخت ....

4۔ چشمہ ....

5۔ پھل ....

مشق 4: ذیل میں دیے گئے جملوں کی ترتیب درست کیجیے۔

1۔ ہوشیاری سے سندباد نے سیمرغ کے پاؤں خود کو باندھ لیا۔

2۔ اژدہوں کی آوازیں خوفناک اچانک اسے سنائی دیں۔

3۔ سندباد کو پرندہ آیا گوشت سمیت اٹھا کر ایک لے گیا۔

4۔ جلدی سے سندباد نے ہیرے چادر میں اپنی بہت سے باندھ لیے۔

5۔ سندباد کو سوداگر نے مدد کی اور کھانا کھلایا۔

13.4 ہندوستان جنت نشاں

13.4.1 صالحہ عابد حسین کا تعارف:

صالحہ عابد حسین اردو کی نامور ادیبہ، مضمون نگار اور سفر نامہ نویس تھیں۔ ان کی پیدائش 18 اگست 1913ء کو پانی پت میں ہوئی۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاتون تھیں۔ ان کی شادی معروف عالم اور ادیب عابد حسین سے ہوئی، جن کے علمی شوق اور سیاحت پسندی نے صالحہ عابد حسین کی شخصیت کو مزید نکھارا۔ سادگی، شائستگی اور گہرے مشاہدے کی خوبی صالحہ عابد حسین کی طبیعت میں رچی بسی تھی۔ انہوں نے اپنے سفر کے تجربات اور مشاہدات کو بڑی مہارت اور خوبصورتی کے ساتھ اپنی تحریروں میں ڈھالا۔ ان کی تحریریں سادہ، دلکش اور دل میں اتر جانے والے انداز میں لکھی گئی ہیں، جن میں تہذیب، تاریخ، جغرافیہ اور قدرتی مناظر کی حسین تصویریں ابھرتی ہیں۔ 18 جنوری 1988ء کو ان کا انتقال ہوا۔

13.4.2 سفر نامہ ''ہندوستان جنت نشاں'' : متن:

شادی کے بعد میں نے اپنے شوہر سے ایک ہی فرمائش کی تھی کہ مجھے سیاحت کا بہت شوق ہے۔ اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم

دونوں انشاء اللہ ہندوستان دیکھیں گے بلکہ باہر کے ملکوں کی بھی سیاحت کریں گے۔ گزشتہ اڑتیس چالیس سال کے عرصے میں میں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جتنی سیاحت کی وہ میرے طبقے اور میری حیثیت کی عورتوں کے نصیب میں بہت کم آتی ہے۔

میری صحت کی کمزوری کی وجہ سے عابد صاحب گرمی میں دلی سے باہر کسی پہاڑی مقام پر جانے کا پروگرام بنایا کرتے تھے۔ زمانہ سستا تھا۔ کرائے کم تھے۔ پہاڑ پر ٹھہرنے کا انتظام کسی دوست کی وساطت سے مفت یا بہت کم پیسوں میں ہو جاتا تھا۔ وہاں جاکر ہم دونوں لکھنے کا کام بھی کرتے تھے اور سیر بھی۔ اسی طرح میں نے ہندوستان کے پہاڑی مقامات دیکھے۔ شملہ نینی تال اور رانی کھیت کی بھی سیر کی۔ مہابلیشور تین دن جاکر رہے۔ یہ بڑا ہی سرسبز پر فضا اور دل کش مقام ہے۔ لیکن سب سے زیادہ سیر میں نے کشمیر کی کی ہے۔ سری نگر اور آس پاس کے علاقے تو چھان ہی ڈالے۔ اس کے علاوہ پام پور، سون مرگ، یوس مرگ، مانس بن جھیل جس کے چاروں طرف کنول کے پھولوں کے تختے اسے عجیب حسن بخشتے ہیں۔ اچھابل، ککر ناگ، اننت ناگ کے آب حیات کے سے چشمے دیکھے۔ ان کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا۔ اور ان کے حُسن سے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔ وائل کا جھولتا پل خود ایک عجیب چیز ہے اور پھر دریا کا حُسن اور اُس کے رنگ برنگے پتھر جو جواہرات کو مات کرتے ہیں۔ اننت ناگ کی جھیل مقدس مانی جاتی ہے۔

جموں کے راستے سری نگر آتے جاتے کئی بار ویری ناگ جھیل کو دیکھا۔ حسب دستور مغلوں نے اس کے گرد بھی ایک وسیع اور حسین باغ بنوا دیا تھا۔ اس جھیل کی گہرائی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس سے دریائے جہلم نکلتا ہے۔ ہزاروں برس سے کروڑوں ٹن پانی اس میں بہتا رہتا ہے۔ اور دریائے جہلم میں کبھی پانی کی کمی نہیں ہوتی۔

یوں تو کشمیر کا چپہ چپہ جنت ارضی معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے پہلگام سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس کی سیر سے جی کبھی نہیں بھرتا۔ پہاڑوں کی شان وشوکت و سرسبزی اور درختوں اور پھولوں کی شادابی، دریائے لدر کا بے مثال حسن، جس کے شفاف پانی نے اس چھوٹی سی وادی کو سچ مچ وادی مینو اساس بنا دیا ہے۔ پہلگام سے اوپر اونچی پہاڑیوں پر جایئے اور شاندار اور خوبصورت مناظر ملتے ہیں۔ آڑو اور چندن واڑی کی بلندیوں پر تو ہم سب گئے ہیں اور راستے میں تڑپتا ہوا چشموں کا سیماب اور بہتی ہوئی چاندنی کی سی آبشاریں، اونچی اونچی برف پوش چوٹیاں اور گہری سرسبز وادیاں ایک طرف نظروں کو اسیر کر لیتی ہیں تو دوسری طرف گھوڑوں کے پھسل جانے کے ڈر سے خوف بھی معلوم ہوتا ہے۔ چندن واڑی پہنچ کر دور تک چشمے پر جمی ہوئی برف سڑک کے مانند دیکھی۔ اس پر چلے برف توڑ کر کھائی اور سردی سے جم جم سے گئے۔

گل مرگ کتنی بار گئے۔ زمردیں پیالے کی سی نو ہزار فیٹ کی بلندی پر یہ وادی، حسن و شادابی کا بڑا ہی دلکش منظر پیش کرتی ہے۔ اس سے تین میل نیچے تنگ مرگ کی وادی ہے جس کا چشمہ دریا کے برابر چوڑا ہے اور ایسے ایسے رنگ اور منظر دکھاتا ہے کہ سبحان تیری قدرت بے اختیار منہ سے نکلتا ہے۔ دریا، چشمے، سمندر، بہتا پانی میری کمزوری ہے۔ اس کا حُسن مجھے مسحور کر دیتا ہے۔ گل مرگ سے تین میل پتلی پگڈنڈیوں پر پیدل یا ٹھو پر سوار ہو کر کھلن مرگ جاتے ہیں۔ یہاں برف بھی ملتی ہے اور ایک طرف دور سری نگر کی وادی؛ اور دوسری طرف ہمالیہ کی سر بہ فلک برف کا تاج پہنے مشہور چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ یہاں کی ہوا ہلکی ہے میرا سانس رکتا محسوس ہوتا تھا مگر اس وقت ان باتوں کی پروا کسے تھی۔

پہاڑوں کے علاوہ میدانی علاقوں کی سیر بھی میں نے خوب خوب کی۔ دیہات اور گاؤں نسبتاً کم دیکھے اور شہروں میں زیادہ گئی۔ پونا ایک بار تو چند دن کے لیے سیر کو گئی تھی۔ مغربی گھاٹ پر تھی پہاڑیوں پر بسا یہ شہر آس پاس کا سرسبز علاقہ دیکھنے کے قابل ہے۔ بمبئی تو بیسیوں بار گئی ہوں۔ شروع میں پورے بمبئی اور آس پاس کی سیریں خوب کیں مگر چند دن سے زیادہ وہاں جی نہ لگتا تھا۔ وہاں کا شور وغل میری برداشت سے باہر تھا۔ لیکن بمبئی کا سمندر، گیٹ وے آف انڈیا، جوہو، چوپاٹی، میرین ڈرائیو، ہینگنگ گارڈن مجھے بہت پسند ہیں اور سمندر میں ڈوبتے اور طلوع ہوتے ہوئے سورج کا نظارہ، اور شام کی کرنوں سے چمکتے مچھیروں کی کشتیوں کے بادبان، میری نظروں کو باندھ لیتے تھے۔ جوہو اپر سمندر کا جوار بھاٹا، تاڑ کے درختوں میں سے جھانکتا پورا چاند، اور سمندر پر جوار بھاٹے کا نظارہ، یہ سب میری دلچسپی کی چیزیں تھیں اور ہیں۔

بھوپال عابد صاحب کا وطن ثانی تھا۔ وہاں تین بار گئی اور صرف بھوپال ہی کی نہیں آس پاس کی سیر بھی کی۔ بھوپال سے واپسی پر آگرے کی سیر بھی کی، تاج کو دن میں بھی دیکھا اور چاندنی رات میں بھی۔ پہلی بار تاج کو دیکھ کر جو اثر ہوتا ہے، جس طرح انسان مسحور ہو جاتا ہے، محبت اور عقیدت کا یہ شاہکار جس طرح دل میں بس جاتا ہے، اسے محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں۔ اس پر کندہ کلام پاک کی سورتیں پڑھی ہیں اور ان فن کاروں کو خراج عقیدت پیش کیا جنھوں نے یہ کمال دکھایا ہے۔ تاج کی جالیوں کی نفاست اور باریکیوں پر سر دھنا ہے۔ اس کے گنبد اور میناروں غرض ہر ہر چیز کو دیکھا ہے اور سوچا ہے کہ انسان کی حُسن کاری، نفاست اور محنت کا اس سے بڑھ کر شاہکار شاید کوئی اور نہیں ہوگا۔ یہ عمارت نہیں آرزو مجسم ہو گئی ہے۔

آگرے اور تاج کے ساتھ مجھے اجنتا اور ایلورا کی سیر یاد آگئی۔ ہم نے اورنگ آباد کی تاریخی عمارتوں اور حیرت انگیز چیزوں کی سیر کی۔ بی بی کا روضہ، چھوٹا سا تاج محل کہا جا سکتا ہے۔ اجنتا کے آس پاس کا قدرتی منظر بہت ہی دلکش ہے۔ میں نے یہ بات محسوس کی کہ ہمارے ہندوستانی رشیوں منیوں نے جہاں بھی عبادت گاہیں یا خانقاہیں بنوائیں تو سرسبز اور قدرتی حسن سے مالا مال علاقے چنے ہیں۔ دنیا کی سب لذتیں ترک کر دیتے تھے۔ مگر حُسن قدرت سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیتیں ان میں غیر معمولی تھیں۔

حیدر آباد بھی ان مقامات میں سے ہے جن کو دیکھنے کی بچپن سے آرزو تھی۔ ایک گرمی میں ہم نے وہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ حیدر آباد اور اس کے آس پاس کے سارے علاقے کی خوب سیر کی۔ اتنا ہی نہیں یہاں کے ہر طبقے کی زندگی تقریبات اور رہن سہن کو دیکھا۔ یہاں کے لوگوں کے خلوص اور ادب نوازی سے متاثر ہوئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کئی بار جا کر دیکھی۔ اس کی قدیم مرکزی عمارت اتنی خوبصورت شاندار و نفیس ہے کہ بے اختیار منہ سے نکلا کہ علم کا یہ مندر حیدر آباد کی سب سے خوبصورت چیز ہے۔ حیدر آباد کے آس پاس کے سارے ساگر دیکھے۔ گولکنڈہ قلعہ کو خوب گھوم پھر کر دیکھا اور مرعوب ہوئی۔ سالار جنگ میوزیم کی دوبارہ زیارت کی مگر تشنگی باقی رہی۔ ایک شخص نے ہزاروں نوادرات، جن میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے کس طرح جمع کر ڈالے، یہ خود ایک حیرت ناک چیز ہے۔ وہاں کی مساجد اور امام باڑے بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ نوبت پہاڑ سے سارا شہر نظر آتا ہے۔

13.4.3 خلاصہ:

سفر نامہ ''ہندوستان جنت نشاں'' صالحہ عابد حسین کے سفر ناموں کے مجموعے ''سفر کے لیے سوز و ساز'' میں شامل ہے۔ اس اکائی

میں ہم نے اس کے انتخاب کا مطالعہ کیا۔

" ہندوستان جنت نشان" میں صالحہ عابد حسین نے ہندوستان کے مختلف خوبصورت مقامات کی سیر کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ شادی کے بعد، مصنفہ نے اپنے شوہر عابد حسین سے سیر و سیاحت کی خواہش ظاہر کی۔ ان کی صحت کی نازکی کے سبب، عابد حسین گرمیوں میں میدانوں کی بجائے انہیں پہاڑی علاقوں کی سیر کرانے لے جاتے۔ وہاں وہ فضا کی تازگی سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا کام بھی کرتیں۔

انہوں نے ہندوستان کے کئی پہاڑی مقامات جیسے شملہ، نینی تال اور رانی کھیت کی سیر کی۔ مہابلیشور میں بھی تین دن قیام کیا۔ تاہم، سب سے زیادہ کشمیر کی خوبصورتی نے انہیں متاثر کیا۔ مصنفہ نے سری نگر اور اس کے گردونواح کے تمام علاقوں کی سیر کی۔ پام پور، سون مرگ، یوس مرگ، اور مانس بل جھیل کی سیر کی، جس کے چاروں طرف کنول کے پھولوں نے قدرت کا عجیب منظر پیش کیا۔ انہوں نے اچھہ بل، ککر ناگ، اور اننت ناگ کے آب حیات جیسے چشموں کا ٹھنڈا، میٹھا پانی پیا اور ان کے حسین مناظر سے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔ وائل کا جھولتا پل اور دریا کے رنگین پتھر، جو جواہرات کو شرما دیں، انہیں بے حد پسند آئے۔

اننت ناگ کی جھیل کو مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ مصنفہ نے جموں سے سری نگر آتے جاتے ویری ناگ جھیل کی بھی کئی بار سیر کی۔ حسب روایت، مغلوں نے یہاں بھی خوبصورت باغات تعمیر کیے تھے۔ کشمیر کا چپہ چپہ جنت کا منظر پیش کرتا ہے۔ انہوں نے پہلگام، آڑو اور چندن واڑی تک سفر کیا۔ یہاں کی برف پوش چوٹیاں، چشموں کی چاندی جیسی آبشاریں اور سرسبز وادیاں ان کی نظروں کو مسحور کر دیتیں۔ وہ کئی بار گل مرگ بھی گئیں اور قدرتی مناظر دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ کہہ اٹھتیں۔

پہاڑی علاقوں کے ساتھ ساتھ مصنفہ نے میدانی علاقوں کی بھی سیر کی۔ وہ کئی بار پونا اور ممبئی گئیں۔ ممبئی کے گردونواح کی سیر کرتے ہوئے میرین ڈرائیو، گیٹ وے آف انڈیا اور جوہو چوپاٹی کے سمندری مناظر، خصوصاً غروبِ آفتاب کا دلکش نظارہ انہیں بہت پسند آیا۔ بھوپال، جو عابد حسین کا دوسرا وطن تھا، اور آگرہ کی سیر بھی ان کے سفر کا حصہ رہی۔ آگرہ میں پہلی بار تاج محل دیکھ کر وہ سحر زدہ ہو گئیں۔ دن اور چاندنی رات دونوں میں تاج محل کی خوبصورتی نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ تاج محل کی جالیوں اور نفیس نقش و نگار دیکھ کر انہیں انسان کی محنت، حسنِ کاری اور نفاست کی عظمت کا احساس ہوا۔

مصنفہ نے حیدرآباد دکن کا بھی سفر کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی مرکزی بلند و بالا اور شاندار عمارت نے انہیں بہت متاثر کیا۔ گولکنڈہ قلعہ کی سیر کر کے وہ اس کی شان و شوکت سے مرعوب ہوئیں۔ سالار جنگ میوزیم کے نادر نوادرات، امام باڑے اور مساجد نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا۔

13.4.4 مشکل الفاظ:

سفر نامہ نویس	سفر کی روداد لکھنے والی	Travelogue Writer
روشن خیال	ترقی پسند، وسیع سوچ رکھنے والی	Broad-Minded, Liberal
سیاحت پسندی	سفر کرنے کا شوق	Fondness for Travel

شائستگی	خوش اخلاقی، نرمی	Politeness, Civility
مشاہدہ	بغور دیکھنا، جائزہ لینا	Observation
نمایاں	ممتاز	Prominent, Distinguished
ثقافت	رسم ورواج، تمدن	Culture
رواں	بہنے والا، جاری، چلنے والا	Fluent, Smooth
شفاف	بالکل صاف، شیشے کی طرح	Transparent, Clear
وسیع	بڑا، کشادہ	Vast, Wide
چشمہ	پانی کا قدرتی جھرنا	Spring, Fountain
جواہرات	قیمتی پتھر	Jewels, Gemstones
مقدس	پاک، متبرک	Sacred, Holy
جنت ارضی	زمین پر جنت جیسا منظر	Earthly Paradise
سرسبز	ہرا بھرا	Greenery, Lushness
شادابی	تازگی، رونق	Freshness, Vitality
زمردیں	زمرد جیسا سبز	Emeralds
مسحور	حیران وششدر	Enchanted, Spellbound
خراج عقیدت	عزت واحترام کا اظہار	Tribute
نوادرات	نایاب چیزیں	Antiques, Artifacts
مرعوب	متاثر، دبا ہوا	Impressed, Overwhelmed
شادابی	تازگی اور ہریالی	Lushness, Liveliness
آبشاریں	آب شار کی جمع	Waterfalls
سربلندی :	بلندی اور عظمت	Height, Grandeur

13.4.5 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ وسیع ....

2۔ سرسبز ....

3۔ مقدس ....

4۔ مرعوب ....

5۔ نفیس ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ پہاڑ ....

2۔ دریا ....

3۔ گلاب ....

4۔ شہر ....

5۔ کتاب ....

مشق 3: ذیل میں دیے گئے جملوں کی ترتیب ٹھیک کیجیے۔

1۔ کی تھی فرمائش ایک ہی اپنی شوہر سے کے شادی کے بعد میں کہ سیاحت شوق کا بہت مجھے ہے۔

2۔ کے مقامات پہاڑی ہندوستان کے کئی انہوں نے شملہ، نینی تال اور رانی کھیت جیسے سیر کی۔

3۔ جنت کا کشمیر چپہ چپہ منظر پیش کرتا ہے۔

4۔ کی جالیوں اور نقش و نگار تاج محل نفیس ہم نے دیکھ کر انسان کی محنت، حسنِ کاری اور نفاست کا احساس ہوا۔

13.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- سفر نامہ ایک نثری صنف ہے لیکن کچھ لوگوں نے منظوم سفر نامے بھی لکھے ہیں۔ جب کوئی مسافر (سیاح) اپنے سفر کی روداد، تاریخی مقامات، جغرافیائی محل وقوع، رسم و رواج، تہذیب و تمدن، سماجی اور سیاسی حالات اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کو تحریر کرتا ہے تو سفر نامہ وجود میں آتا ہے۔
- اردو میں سفر نامہ نگاری کا آغاز یوسف کمبل پوش کے سفر نامہ "عجائبات فرنگ" سے ہوا۔ یہ سفر نامہ 1847 میں لکھا گیا۔ اسے اردو کا پہلا سفر نامہ بھی کہا جاتا ہے۔
- ہندوستان میں جس طرح کتھا سرت ساگر کا قصہ معروف ہے اسی طرح عرب کی دنیا میں الف لیلہ کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ داستان قصہ در قصہ چلتی ہے اور اسے 'شہرزاد' نامی ایک لڑکی سے منسوب کیا جاتا ہے۔
- صالحہ عابد حسین اردو کی نامور ادیبہ اور سفر نامہ نویس تھیں۔ ان کی پیدائش 18 اگست 1913ء کو پانی پت میں ہوئی۔
- شادی کے بعد، مصنفہ نے اپنے شوہر عابد حسین سے سیر و سیاحت کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے ہندوستان کے کئی پہاڑی مقامات جیسے شملہ، نینی تال اور رانی کھیت کی سیر کی۔ مہابلیشور میں بھی تین دن قیام کیا۔ تاہم، سب سے زیادہ کشمیر کی خوبصورتی نے انہیں

متاثر کیا۔

- مصنفہ نے حیدرآباد دکن کا بھی کئی بار سفر کیا۔ گولکنڈہ قلعہ کی سیر کر کے وہ اس کی شان وشوکت سے مرعوب ہوئیں۔ سالار سالار جنگ میوزیم کے نادر نوادرات، امام باڑے اور مساجد نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا۔

13.6 نمونہ امتحانی سوالات

13.6.1 معروضی سوالات:

1۔ اردو کا پہلا سفر نامہ کون سا ہے؟

(a) دنیا گول ہے (b) مصر وروم وشام (c) عجائبات فرنگ (d) مسافران لندن

2۔ ان میں سے کون سا سفر نامہ ابن انشا کا نہیں ہے؟

(a) دجلہ (b) دنیا گول ہے (c) چلتے ہو تو چین کو چلیے (d) ابن بطوطہ کے تعاقب میں

3۔ الف لیلہ کے کیا معنی ہیں؟

(a) لیلی کی داستان (b) ایک ہزار راتیں (c) دو ہزار راتیں (d) ایک سو راتیں

4۔ الف لیلہ کا قصہ کس کے نام منسوب ہے؟

(a) گل بکاؤلی (b) نجم النسا (c) شہرزاد (d) دلبری

5۔ سندباد کو کس پرندے کا انڈا نظر آیا؟

(a) الو (b) عقاب (c) شاہین (d) سیمرغ

6۔ سندباد کو کس نے کھانا کھلایا اور بغداد واپس بھیجا؟

(a) تاجر (b) شہزادہ (c) سوداگر (d) صیاد

7۔ حیدرآباد کے مشہور قلعے گولکنڈہ سے کون متاثر ہوا؟

(a) غالب (b) صالحہ عابد حسین (c) لیلیٰ (d) شہرزاد

8۔ تاج محل کہاں واقع ہے؟

(a) آگرہ (b) دہلی (c) لندن (d) حیدرآباد

9۔ کشمیر کا سب سے مشہور شہر کون سا ہے؟

(a) اننت ناگ (b) سون مرگ (c) سری نگر (d) جمو

10۔ کشمیر میں صالحہ عابد حسین کو سب سے زیادہ کون سا مقام پسند ہے؟

(a) پہلگام (b) سری نگر (c) بڈگام (d) جمو

13.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سفر نامہ کسے کہتے ہیں؟ بیان کیجیے،

2۔ سندباد جہازی نے دوسرا سفر کیوں شروع کیا؟

3۔ سوداگر نے سندباد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

4۔ شادی کے بعد صالحہ عابد حسین نے اپنے شوہر سے کیا خواہش کی؟

5۔ تاج محل کو دیکھ کر صالحہ عابد حسین نے کیا محسوس کیا؟

13.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سفر نامہ "ہندوستان جنت نشاں" کا خلاصہ لکھیے۔

2۔ الف لیلہ کا تعارف پیش کیجیے۔

3۔ سفر نامہ "سندباد جہازی" کا قصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

13.6.1 کے جوابات:

1۔c	2۔a	3۔b	4۔c	5۔d
6۔c	7۔b	8۔a	9۔c	10۔a

اکائی 14: طنز و مزاح

ہوائی قلعے (شوکت تھانوی)، زیرو ناٹ آؤٹ (یوسفی)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 طنز و مزاح

14.3 ہوائی قلعے

14.3.1 شوکت تھانوی کا تعارف

14.3.2 "ہوائی قلعے": متن

14.3.3 خلاصہ

14.3.4 مشکل الفاظ

14.3.5 مشقیں

14.4 زیرو ناٹ آؤٹ

14.4.1 مشتاق احمد یوسفی کا تعارف

14.4.2 " زیرو ناٹ آؤٹ ": متن

14.4.3 خلاصہ

14.4.4 مشکل الفاظ

14.4.5 مشقیں

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.0 تمہید

'طنز' اور 'مزاح' دو الگ الگ لفظ ہیں جنہیں عام طور پر اردو ادب میں ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کے الگ الگ معنی اور حدود ہیں۔ طنز کا مطلب ہے تمسخر، طعنہ یا ٹھٹھہ ہے، جب کہ مزاح سے ظرافت، مذاق یا خوش طبعی مراد ہے۔ جب ہم طنز و مزاح

کو ایک ساتھ کہتے ہیں تو اس سے مراد ایک ایسا اسلوب ہوتا ہے جو زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورت حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہو۔ مزاح کے بغیر طنز نشتریت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا ہے جب کہ مزاح کی آمیزش اس کی تلخی میں کمی پیدا کرتی ہے۔ اگر مصنف صرف طنز سے کام لیتا ہے تو تحریر غیر دلچسپ ہو جاتی ہے اور صرف مزاح ہو تو تحریر ٹھٹھول بن کر رہ جاتی ہے اس لیے مزاح نگار اپنی تحریر میں دونوں سے یکساں کام لیتے ہیں۔ طنز و مزاح کا مقصد خوش طبعی کے ساتھ ساتھ اصلاح بھی ہوتا ہے۔ اردو میں طنز و مزاح کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں عام طور پر سماج کے کھوکھلے رویوں، معاشرتی اور سماجی برائیوں اور فرسودہ روایات کو ہی نشانہ بنایا گیا ہے۔ مزاح نگار شعرا نے اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات اور تہذیبی زوال پر مزاح کے پیرائے میں اشعار کہے ہیں۔

اردو کے مشہور مزاح نگاروں میں پطرس بخاری، شوکت تھانوی، مرزا فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، رشید احمد صدیقی، کنہیا لال کپور کے علاوہ مشتاق احمد یوسفی اور مجتبیٰ حسین کا نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس سبق میں ہم شوکت تھانوی اور مشتاق احمد یوسفی کی مزاحیہ تحریروں کا مطالعہ کریں گے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- طنز و مزاح کی تعریف کو سمجھ سکیں۔
- مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری سے واقف ہو سکیں۔
- مشتاق یوسفی کی مزاحیہ تحریر کا مطالعہ کر سکیں۔
- شوکت تھانوی کی مزاح نگاری سے واقف ہو سکیں۔
- شوکت تھانوی کی مزاحیہ تحریر کا مطالعہ کر سکیں۔

14.2 طنز و مزاح

ہنسنا ہنسانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کے لیے ہر زمانے میں مختلف طریقے ایجاد کیے گئے۔ آج کل لوگ ویڈیو میں کامیڈی شو اور اسٹینڈ اپ کامیڈی کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ پیسہ بھی خرچ کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہنسنا زندگی کے لیے کتنا ضروری ہے۔ ہنسی کے مختلف ذرائع ہیں، لیکن جب ہنسنے کے لیے ادب کا سہارا لیا جائے تو اسے ظرافت کہا جاتا ہے۔ بہترین ظرافت وہ ہوتی ہے جو نہ آپ کو ہنسائے، نہ مسکرانے پر مجبور کرے بلکہ آپ کے ذہن کو گدگدائے۔ اس فرحت و انبساط کے علاوہ اردو طنز و مزاح کا مقصد سماج کی برائیوں کو منظر عام پر لانا بھی ہے۔

طنز اور مزاح میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مزاح زندگی کے مضحکہ خیر پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے اور طنز کا مقصد اس پہلو کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ اردو میں طنز و مزاح کا باقاعدہ آغاز غالب کے خطوط سے ہوتا ہے۔ ان کے خطوط میں ظرافت کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ غالب صرف دوسروں کو طنز و تمسخر کا نشانہ نہیں بناتے بلکہ خود پر بھی ہنستے ہیں۔ غالب کے بعد 'اودھ پنچ' اخبار نے ظرافت کے میدان میں ایک نئے

دور کا آغاز کیا۔ اس کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین تھے۔ اس اخبار نے لوگوں میں ظرافت کے ذوق کو عام کیا۔ اس کے لکھنے والوں میں رتن ناتھ سرشار، مچھو بیگ ستم ظریف، تربھون ناتھ ہجر، جوالا پرشاد برق، احمد علی شوق اور نواب سید آزاد کا نام قابل ذکر ہے۔

14.3 ہوائی قلعے

14.3.1 شوکت تھانوی کا تعارف:

شوکت تھانوی اردو کے مشہور مزاح نگار، افسانہ نویس، صحافی اور ریڈیو براڈکاسٹر تھے۔ وہ 1904ء میں تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر، یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے بعد انہوں نے لکھنؤ کے اخبارات اور رسائل میں کام کیا، پھر آل انڈیا ریڈیو اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی تحریروں میں شگفتگی، سادگی اور سماجی شعور نظر آتا ہے۔ وہ ہنسی مذاق کے ذریعے معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ ان کی مزاحیہ تحریریں نہ صرف دلچسپ ہوتیں بلکہ قاری کو سوچنے پر بھی مجبور کر دیتی تھیں۔ شوکت تھانوی نے کئی کتابیں لکھیں جو اردو طنز و مزاح کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کا انتقال 1963 میں ہوا۔

شوکت تھانوی کے ڈرامے یک بابی ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلق نشری یک بابی ڈراموں سے ہوتا ہے۔ ریڈیو کے لیے انہوں نے اپنا پہلا ڈراما "خدا حافظ" کے عنوان سے لکھا۔ جو لکھنؤ ریڈیو کے لیے لکھا گیا۔ ان کے ڈراموں کا مجموعہ "سنی سنائی" کے عنوان سے 1943 میں منظر عام پر آیا۔ اس میں کل گیارہ ڈرامے شامل ہیں جن کے عنوان "عذر گناہ، نہیں مگر ہاں، برلن کا اسپتال، لاٹری کا ٹکٹ، سچ، لاڈلا بیٹا تھا اک ماں باپ کا، زندگی بنام زندہ دلی، خدا حافظ، جھوٹا خواب، پارٹی کے بعد، ملازمہ کی تلاش، انتیس کا چاند، سالگرہ" ہیں۔ شوکت تھانوی نے ریڈیو سے نشر کرنے کے لیے کئی یک بابی ڈرامے لکھیے۔ شامل نصاب ڈراما "ہوائی قلعے" کا اصل عنوان "لاٹری کا ٹکٹ" ہے جو ایک ریڈیو ڈراما ہے۔

14.3.2 "ہوائی قلعے": متن

[منشی جی کی بیوی چولہا پھونک رہی تھی]

بیوی: گیلی لکڑیاں اٹھا کر دے دیں۔ جیسے خیرات ہی میں تو دی ہیں۔

[دروازہ کھلتا ہے اور منشی جی آتے ہیں]

منشی جی: ارے بھئی کہاں گئیں ؟ لاحول ولا قوۃ او ہی ہانڈی چولہا۔ چھوڑ دبھی اسے، میں پوچھتا ہوں، کوئی تار تو نہیں آیا؟

بیوی: تار کیا تار ؟

منشی جی : یعنی معلوم بھی ہے، آج سات تاریخ ہے آج ہی تو تار آئے گا اس لاٹری کا۔ وہ ٹکٹ بھی رکھ لیا ہے سنبھال کے ؟ پہلے تو وہ مجھے نکال کر دے دو۔

بیوی: ٹکٹ نکالے دیتی ہوں۔ مگر ہانڈی میں دیر ہو جائے گی اور نسیم اسکول سے آکر میرا سر کھائے گا۔

منشی جی: جاؤ جاؤ تم ٹکٹ نکالو۔

منشی جی: جیتے رہو، کہو خیریت ہے؟ وطن اور بچے سب اچھے ہیں؟

سلیم: جی ہاں، سب اچھے ہیں۔ بیوی کو نزلہ ہے، بڑا بچہ بخار میں مبتلا ہے اور چھوٹے کے چیچک نکل آئی ہے۔

منشی جی: (بات کاٹ کر) خیر، خیر بہر حال خیریت ہے۔ راستہ میں تار گھر کا کوئی آدمی تو لال بائیسکل پر نظر نہیں آیا؟

سلیم: نہیں تو، کیوں خیریت تو ہے؟

منشی جی :ایک تار کا انتظار ہے۔ میاں یہ تم نے زرد باغ کے چوراہے کے قریب لال رنگ کی دو منزلہ کوٹھی دیکھی ہے جس کے سامنے ذرا باغ وغیرہ لگا ہوا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چمن۔

سلیم :.جی ہاں، وہ کوٹھی جو آج کل بک رہی ہے۔

منشی جی: ہاں اور کیا، میرا خیال ہے۔ لے لوں، پڑی رہے گی۔

(بیوی آتی ہے)

سلیم: آداب عرض بھابی۔

بیوی: جیتے رہو، اچھے تو ہو، (منشی جی سے) لو یہ ٹکٹ سنبھالو۔

منشی جی: ہاں یہی ہے۔ تو میاں سلیم ویسے تو بری نہیں ہے۔ وہ اس کے چالیس ہزار مانگتے ہیں اور خیال ہے کہ پینتیس تک دے دیں گے۔

بیوی :کیا چیز؟

منشی جی: بھئی آج ایک کوٹھی دیکھی ہے۔ اچھی خاصی ہے۔ بجائے اس کے کہ زمین خریدی جائے پھر اس پر عمارت بنے چمن لگایا جائے اور اس قسم کے بہت سے دردسر مول لیے جائیں، میرے خیال میں تو اگر یہ کوٹھی مل جائے تو سب سے اچھا۔ ابھی نئی ہے۔ شاید دس برس کی ہو۔

بیوی: تو کون لے رہا ہے وہ کوٹھی؟

منشی جی: پھر وہی، ارے صاحب! میرا ہی ارادہ ہے اور کون لیتا، اور میاں سلیم موٹر رکھنے کی جگہ ہے۔

بیوی بات کاٹ کر مجھے یہ شیخ چلیوں کی سی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

منشی جی: شیخ چلیوں کی سی باتیں؟ تم بیوقوف ہو جب اس کوٹھی میں جاکر بیٹھو گی رانی بن کر تو اُس وقت پوچھوں گا مزاج شریف؟

سلیم: آخر معلوم تو ہو کہ قصہ کیا ہے یعنی کیا آپ واقعی خرید رہے ہیں کوٹھی؟

بیوی: سلیم، ذرا ان سے پہلے یہ پوچھو کہ روپیہ کہاں ہے؟

منشی جی: تم پھر وہی، ارے روپیہ کی کیا بات ہے یہاں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس وقت ایک دم سے چھپّر پھٹ جائے تو آخر کیا ہو گا؟ ہم تو اپنا انتظام پہلے سے کر رکھیں۔

سلیم: آخر یہ معما کیا ہے؟ میں تو خود حیران ہوں۔

بیوی: اچھا تم خیالی پلاؤ پکاتے جاؤ مگر میں تو ہانڈی دیکھوں۔

منشی جی : جاؤ میرا کیا ہے۔ مگر بعد میں تم ہی کہو گی کہ کسی صلاح مشورہ میں شریک نہیں کیا۔ میں تو کہتا تھا کہ تم بھی چل کر کوٹھی دیکھ لیتیں۔ مگر خیر اب کل پرسوں تک موٹر میں چل کر دیکھ لینا۔

بیوی: موٹر پر نہیں۔ ہوائی جہاز پر۔

منشی جی: کیا معنی؟ یعنی تم ہر بات غلط سمجھتی ہو۔ آخر میں کیا گھاس کھا گیا ہوں جو موٹر کمپنیوں کی فہرست بٹورتا پھروں۔ میاں سلیم میرے نزدیک تو موٹر کی خوبی یہ ہے کہ تیل کم خرچ ہو اور اس کا ہر پرزہ آسانی سے مل سکے۔ مگر میں نے طے کیا ہے کہ میں ایک چھوٹی سی گاڑی رکھوں گا۔ روز مرہ کے لیے اور ایک ذرا قیمتی اور بڑی بھی ہونی چاہیے۔

سلیم : یعنی یہ بیچ بیچ کی سڑکوں پر چلنے والی موٹر؟

منشی جی بھی عجیب احمق ہو تم بھی۔ اور نہیں تو کیا کوک دار بچوں کا کھلونا؟

سلیم: مگر میری عقل حیران ہے کہ آج یہاں یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں۔ آخر قصہ کیا ہے کچھ معلوم بھی تو ہو؟

بیوی: تمھارے بھیا کہیں ڈاکہ ڈالنے والے ہیں شاید۔

منشی جی: پھر وہی۔ ارے صاحب میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیا ناممکن ہے؟

سلیم: مگر آج آپ کو یہ خیال کیسے آیا۔ بیٹھے بٹھائے آخر یہ بڑے آدمیوں کی باتیں بلاوجہ تو نہیں ہو سکتیں۔

منشی جی: بھئی بات یہ ہے کہ اب کی بار میں نے بھی لاٹری کا ٹکٹ لیا ہے۔

سلیم: لاٹری کا ٹکٹ (قہقہہ لگاتا ہے)

منشی جی: یعنی تم بھی ہنس رہے ہو خدا کرے ابھی تھوڑی دیر میں مجھ کو تم دیور بھابی پر ہنسنا پڑے۔ یعنی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں ہنسنے اور مذاق کرنے کی کون سی بات ہے۔

سلیم: بھائی صاحب ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ سب کچھ ہوائی منصوبے ہیں گویا۔

منشی جی: میاں دنیا اُمید پر قائم ہے۔ تم چلے ہو وہاں سے ہوائی منصوبے لے کر اور جو اسی بہانے سے میری قسمت میں دولت لکھی ہو تو؟

سلیم: بھائی صاحب خدا کرے اب کے آپ کو ہی انعام ملے۔ مگر لاٹری کے انعام کی اُمید پر اس طرح کا انتظام کرتے ہوئے میں نے آپ کو ہی دیکھا ہے۔

منشی جی: انتظام، تو آخر میں نے کون سا انتظام کیا ہے، یہی نا کہ کوٹھی اپنی نظر میں ہے اور موٹر کے لیے فیصلہ کر لیا ہے۔ تا کہ عین وقت پر کم سے کم یہ نہ ہو کہ کوٹھی کی جگہ جلدی میں زمین خرید لی جائے اور موٹر کی جگہ پانی چھڑکنے کی گاڑی۔

سلیم: خدا کرے انعام مل جائے۔ سبھی کے دن پھر جائیں گے۔

منشی جی: (بات کاٹ کر) دن پھر جائیں گے؟ یقین جانو کہ میں تو تمھاری طرف سے استعفیٰ لکھ چکا ہوں۔ یہ دیکھو بستے میں (بستہ ٹٹولتا ہے) میرا

اور تمہارا استعفیٰ لکھ رکھا ہے۔ دیکھو یہ رہا۔

سلیم: آپ کا استعفیٰ تو ٹھیک ہے۔ مگر میرا؟

منشی جی: (بات کاٹ کر) کیا خوب یعنی اب دنیا کو مجھ پر ہنسواؤ گے بھی کہ لکھ پتی کا بھائی چالیس روپتی کی نوکری کرے۔ تم جائداد کا کام دیکھنا۔ دو گاؤں اور ایک باغ پہلے سے تجویز کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور جائداد بھی تو آخر خریدی جائے گی۔

سلیم: تو بھابی کو بلا لیجیے نا۔ ان کو تو شاید کسی بات کی خبر نہیں۔

منشی جی: (آواز دے کر) ارے صاحب، میں نے کہا سنتی ہو۔

بیوی: ہاں ہاں سُن رہی ہوں۔ نسیم کو کھانا کھلا رہی تھی (قریب آکر) کہو کیا کہتے ہو۔ وہی موئی زمیں اُڑ رہی ہوں گی۔

منشی جی دیکھا میاں سلیم تم نے۔ اسی لیے نہیں بلاتا تھا۔

سلیم: بھابی بیٹھ جائیے نا۔ بھائی جان نے تو دو گاؤں اور باغ بھی تجویز کر رکھا ہے اور ہم دونوں کے استعفی تیار ہیں۔

بیوی: تو پھر ان کے پاس تار آچکا ہوگا۔ یہ بن رہے ہیں۔

سلیم: تار آچکا ہوتا تو میں اس کباڑ خانے میں اس طرح بیٹھا ہوتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ ہر چیز عجیب ہے اس گھر کی۔ یہ گھر و نچی ملاحظہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرانی وضع کا ہل رکھا ہوا ہے۔ یہ چارپائیاں ہیں جن پر ہم لوگ سوتے ہیں۔ میں تو باغ کے مالی کے لیے بھی اس قسم کی چارپائیاں مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ دیکھیے میاں سلیم ! یہ بیگم صاحبہ کے کپڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے گھوسن۔

بیوی: اے خوب یاد دلایا۔ وہ گھوسن موئی میری ناک میں دم کیے ہوئے ہے۔ کہہ گئی ہے کہ جب تک پچھلے مہینے کا حساب پورا نہیں ہو جائے گا۔ ایک قطرہ بھی دودھ کا نہ دے گی۔

منشی جی : یہی سب تقاضا کرنے والے کل اس بات پر فخر کریں گے کہ ایک لکھ پتی بھی ان کا مقروض تھا۔

بیوی: تو اب تم ہی ان کو آکر سمجھانا۔ روز آکر میرا دماغ خالی کرتے ہیں۔

(کنڈی کھڑ کھڑانے کی آواز۔ تار والا آواز دیتا ہے)

تار والا: تار لے جائیے۔

منشی جی (گڑبڑا کر) تار سنتی ہو تار میاں سلیم تار (دوڑ کر باہر جاتے ہیں)

سلیم : یہ تو واقعی تار ہے۔ تار یعنی. واقعی تار

بیوی: واہ رے تیری شان تو نے دن پلٹ دیے۔

منشی جی: (ڈرتے ہوئے آتے ہیں) بھائی ایک روپیہ ہے۔ مگر تمھارے پاس کہاں۔ میاں سلیم ایک روپیہ ہو تو تار والے کو دے دو۔

منشی جی: بھئی تمھارے ہاتھ مبارک ہیں تم ہی کھولو۔ میرے تو ہاتھ اس وقت کانپ رہے ہیں۔ دستخط کرنے کی جگہ لکھ گیا تھا لکھ پتی۔

سلیم: کیا کہا؟ لکھ پتی لکھ گئے تھے۔ تو بھائی صاحب غلط ہی کیا لکھا؟

منشی جی: ارے بھئی تو اسے کھولو نا۔ جلدی۔

بیوی: اے تو تم خود ہی کیوں نہیں کھولتے۔

منشی جی: نہیں تم کھولو۔ بسم اللہ کر کے۔ مجھے تو کچھ اختلاج سا ہو رہا ہے۔

بیوی: لو پڑھو۔

منشی جی: لینا سلیم میاں، دیکھوں رقم کتنی ہے۔ کدھر گیا میرا چشمہ۔

سلیم: ارے!

منشی جی: کیوں کیا بات ہے؟

سلیم: محمود بھائی کا تار ہے۔ بھابی جان کل شام کی ٹرین سے آ رہی ہیں۔

منشی جی: لو گو، اب میں اپنے دل کو کیسے سنبھالوں۔ ارے مجھے پکڑو۔ (گر پڑتا ہے)

14.3.3 خلاصہ:

سبق "ہوائی قلعے" ایک مزاحیہ ڈراما ہے جو منشی جی، ان کی بیوی اور ان کے بھائی سلیم کے گرد گھومتا ہے۔ کہانی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب منشی جی لاٹری کا ٹکٹ خریدتے ہیں اور انہیں پوری امید ہوتی ہے کہ اس بار ان کی لاٹری ضرور نکلے گی۔ وہ بار بار اپنی بیوی سے ٹکٹ منگواتے رہتے ہیں اور مسلسل دروازے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کب ڈاکیہ لاٹری کا نتیجہ لے کر آئے گا۔

اسی دوران ان کا بھائی سلیم آتا ہے۔ منشی جی اس سے زرد باغ کے چوراہے پر موجود ایک لال دو منزلہ کوٹھی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ سلیم بتاتا ہے کہ وہ کوٹھی اس نے دیکھی ہے۔ منشی جی خوش ہو کر کہتے ہیں کہ بہت جلد وہ کوٹھی خریدنے والے ہیں۔ وہ ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ دو نئی گاڑیاں بھی خریدیں گے—ایک روزمرہ کے استعمال کے لیے اور ایک بڑی اور مہنگی گاڑی۔

ان کی بیوی ان کی باتوں کو مذاق سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ خواب نہ دیکھیں۔ سلیم کو بھی تعجب ہوتا ہے کہ آخر اتنی دولت کہاں سے آ رہی ہے؟ اس پر منشی جی بتاتے ہیں کہ انہوں نے لاٹری کا ٹکٹ خریدا ہے اور وہ بس نکلنے ہی والی ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے نوکری سے استعفیٰ تک لکھ رکھا ہے تاکہ بعد میں سب کچھ جلدی جلدی نہ کرنا پڑے۔

آخر کار دروازے پر دستک ہوتی ہے اور ڈاکیہ ایک تار (ٹیلیگرام) لاتا ہے۔ منشی جی گھبرا جاتے ہیں اور تار کھولنے سے ڈرتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ یہ خوشی برداشت نہیں ہو سکے گی۔ وہ دستخط کی جگہ "لکھ پتی" لکھ دیتے ہیں۔

جب تار کھولا جاتا ہے تو سلیم پڑھتا ہے کہ یہ تار محمود بھائی نے بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ "بھابھی جان کل شام کی ٹرین سے آ رہی ہیں"۔ یہ سن کر منشی جی زمین پر گر پڑتے ہیں، اور یہیں ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔

14.3.4 مشکل الفاظ:

دستک	دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز	Knock
شیخ چلی	خیالی منصوبے بنانے والا شخص	Daydreamer / Impractical planner

معما	الجھی ہوئی بات، حل طلب سوال	Puzzle / Mystery
کوک دار کھلونا	چابی سے چلنے والا کھلونا	Wind-up toy
منصوبہ	ارادہ، سوچا ہوا کام	Plan / Scheme
عین وقت پر	بالکل صحیح وقت پر	Exactly on time
استعفیٰ	عہدے سے علیحدگی کا اعلان	Resignation
تجویز	مشورہ، رائے، پیش کش	Suggestion / Proposal
گھڑونچی	پرانی طرز کا اونچا پلنگ	Traditional high wooden cot
وضع	طریقہ، انداز، طرز	Style / Manner
مقروض	قرض دار، جس پر قرض ہو	Debtor / Indebted
اختلاج ہونا	بے چینی یا دل کی دھڑکن تیز ہو جانا	Palpitation / Uneasiness
طنز	چھپی ہوئی تنقید، نرمی سے کیا گیا مذاق	Sarcasm, Satire
مزاح	خوش طبعی، ہنسی مذاق، خوش دلی	Humor, Comedy
ظرافت	نفیس اور نازک مزاح، شائستہ ہنسی مذاق	Wit, Subtle humor, Graceful jest
مضحکہ خیز	جو ہنسی دلائے، مضحکہ انگیز	Ridiculous, Laughable, Absurd
تمسخر	کسی کا مذاق اُڑانا، حقارت سے ہنسنا	Mockery, Ridicule
اسلوب	اندازِ بیان، طرزِ تحریر یا گفتگو	Style, Manner of expression
طعنہ	طنزیہ جملہ، ذلیل کرنے کے لیے کہا گیا فقرہ	Taunt, Jibe, Sneer
ٹھٹھہ	قہقہہ، مذاق اڑانا، ہنسی مذاق	Laughter, Mocking laughter, Jest
فرسودہ	پرانا، بوسیدہ، بے کار	Obsolete, Outdated, Worn out
فرحت و انبساط	خوشی، دل کی بشاشت، مسرت	Pleasure, Cheerfulness

14.3.5 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ منشی جی نے دو لاٹری ٹکٹ خرید رکھے تھے۔ ( )

2۔ منشی جی نے ایک نئی کوٹھی خرید لی تھی۔ ( )

3۔ سلیم کے مطابق ان کی بیوی نزلے میں مبتلا ہے۔ ( )

4۔ منشی جی نے استعفیٰ لکھ کر رکھ دیا تھا۔ (   )

5۔ آخر میں جو تار آیا وہ لاٹری کا نتیجہ تھا۔ (   )

مشق 2: ذیل میں دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ منشی جی نے کہا کہ دنیا __________ پر قائم ہے۔

2۔ بیوی نے منشی جی کی باتوں کو __________ قرار دیا۔

3۔ سلیم نے کہا کہ ان کی بیوی کو __________ ہے۔

4۔ منشی جی کے مطابق کوٹھی کے سامنے ایک چھوٹا سا __________ لگا ہوا ہے۔

5۔ منشی جی نے تار کھولنے کی ہمت نہ کی کیونکہ اُنہیں __________ ہو رہا تھا۔

مشق 3: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ منصوبہ ....

2۔ معمہ ....

3۔ وضع ....

4۔ مقروض ....

5۔ تجویز ....

مشق 4: اوپر دیے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ خیالی پلاؤ پکانا ....

2۔ ناک میں دم کرنا ....

3۔ دن پھر جانا ....

4۔ سر کھانا ....

5۔ ہاتھ کانپنا ....

14.4 زیرونات آؤٹ

14.4.1 مشتاق احمد یوسفی کا تعارف:

مشتاق احمد یوسفی اردو کے ممتاز مزاح نگار اور طنز نگار تھے، جنہوں نے اپنی شگفتہ نثر اور منفرد اسلوب سے اردو طنز و مزاح کو نئی بلندی عطا کی۔ وہ 4 ستمبر 1923 کو ٹونک، راجستھان میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے اور ایل ایل بی کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے اور بینک کے شعبے میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے اردو ادب میں چند مگر معیاری کتابیں لکھیں،

جن میں مشاہدے کی گہرائی اور زبان کی لطافت نمایاں ہے۔ مشتاق احمد یوسفی 20 جون 2018 کو کراچی میں انتقال کر گئے، ان کی عمر 94 برس تھی۔ ان کی تصانیف میں ' چراغ تلے (1961)'، ' خاکم بدہن (1969) '، 'زرگزشت (1976) '، 'آبِ گم (1989) '، ' شامِ شعر یاراں (2014)' شامل ہیں۔

14.4.2 "زیرو ناٹ آوٹ": متن

پروگرام کے مطابق کھیل ٹھیک دس بجے شروع ہونا چاہئے تھا مگر امپائر کا سفید کوٹ استری ہو کر دیر سے آیا۔ اس لیے چھپے ہوئے پروگرام کے بجائے ساڑھے گیارہ بجے تک کھلاڑی مونگ پھلی کھاتے رہے۔ پندرہ منٹ کی ردوکد کے بعد طے پایا کہ جو ٹیم "ٹاس" ہارے وہی بیٹنگ کرے۔ پھر کلدار روپیہ کھنکا، تالیاں بجیں۔ معطر رومال ہوا میں لہرائے اور مرزا کسے بندھے بیٹنگ کرنے نکلے۔

ہم نے دعا دی، "خدا کرے تم واپس نہ آؤ۔"

مرزا نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور چلتے چلتے پھر تاکید کی، "کرکٹ مت دیکھو۔ کرکٹ کی اسپرٹ دیکھو۔"

ہم یہ بتانا بھول ہی گئے کہ روانہ ہونے سے قبل مرزا نے اپنے بیٹ پر جملہ تماشائیوں کے دستخط لیے۔ ایک خاتون نے (جو کسی طرح سے ان پڑھ معلوم نہیں ہوتی تھیں) دستخط کی جگہ بیٹ پر اپنے ترشے ترشائے سرخ سرخ ہونٹ ثبت کر دیئے اور مرزا پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے وکٹ تک پہنچے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سارا سارا رستہ اُلٹے قدموں طے کیا اور بیچ میں وکٹ سے ٹکر نہ ہوتی تو شاید ساری فیلڈ اسی طرح پار کر جاتے۔

مرزا نے کرکٹ میں بھی وہی تیہا اور تیور دکھائے جو ہم ان کے مچیٹوں اور معاشقوں میں دیکھتے چلے آئے تھے۔ یعنی تکنیک کم اور جوش زیادہ! روانگی سے چند منٹ پہلے پیڈ کے تسمے باندھتے ہوئے انہوں نے ایک مرکھنے سے کلرک کو یہ ہتھکنڈا بتایا کہ چھکا لگانے کی سہل ترکیب یہ ہے کہ خوب کس کے ہٹ لگاؤ۔

کلرک نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا، "یہ تو سبھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زور کا ہٹ کس طرح لگایا جائے۔"

مرزا اپنی بڑی بڑی آنکھیں لال کر کے بولے، "میں تو یہ کرتا ہوں کہ ہٹ لگاتے وقت آنکھ میچ کر اپنے افسر کا تصور کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! ایسے زور کا ہٹ لگتا ہے کہ گیند تارا ہو جاتی ہے۔"

مرزا کے کھیلنے بلکہ نہ کھیلنے کا انداز دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ افسر کا ایک فوٹو نہیں، بلکہ پورا کا پورا البم ان کی آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ اس لیے وہ بیٹ کو پوری طاقت کے ساتھ گو پھن کی طرح گھمائے جا رہے تھے۔ تین اوور اسی طرح خالی گئے اور گیند کو ایک دفعہ بیٹ سے ہم کنار ہونے کا موقع نہیں ملا۔ مرزا کے مسکرانے کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ اس صورت حال کو بولر کی نالائقی سے زیادہ اپنے استادانہ ہتھکنڈوں پر محمول کر رہے ہیں۔ مگر اتفاق سے چوتھے اوور میں ایک گیند سیدھوں سیدھ بیٹ پر جا لگی۔ مرزا پوری طاقت سے بیٹ دور پھینک کر چیخے۔

"ہاؤز دیٹ؟"

امپائر دوڑا دوڑا آیا۔ بیٹ اٹھا کر انہیں پکڑایا اور بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر دوبارہ کھیلنے پر رضامند کیا۔

مصیبت اصل میں یہ تھی کہ مخالف ٹیم کا لمبا تڑنگا بولر، خدا جھوٹ نہ بلوائے، پورے ایک فرلانگ سے ٹہلتا ہوا آتا۔ ایک بارگی جھٹکے کے ساتھ رک کر کھنکارتا، پھر خلاف توقع نہایت تیزی سے گیند پھینکتا۔ اس کے علاوہ حالانکہ صرف دائیں آنکھ سے دیکھ سکتا تھا مگر گیند بائیں ہاتھ سے پھینکتا تھا۔ مرزا کا خیال تھا کہ اس بے ایمان نے یہ چکرا دینے والی صورت انتظاماً بنا رکھی ہے۔ لیکن ایک مرزا ہی پر موقوف نہیں کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ گیند کیسے اور کہاں پھینکے گا بلکہ اس کی صورت دیکھ کر کبھی تو یہ شبہ ہوتا تھا کہ اللہ جانے پھینکے گا بھی یا نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نے گیند سے اتنے وکٹ نہیں لیے جتنے گیند پھینکنے کے انداز سے۔ بقول مرزا، "مشاق بولر سے کوئی خائف نہیں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ وکٹ ہی تو لے سکتا ہے۔ جان تو اناڑی سے نکلتی ہے۔" سبھی کے چھکے چھوٹ گئے۔ گیند پھینکنے سے پہلے جب وہ اپنی ڈھائی گھڑ کی چال سے لہریا بناتا ہوا آتا تو اچھے اچھوں کے بیٹ ہاتھ کے ہاتھ میں رہ جاتے۔

آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
سکتے میں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا

ہر مرتبہ ظالم کچھ ایسے غیر پیشہ ورانہ جذبے اور جوش کے ساتھ کچکچا کے گیند پھینکتا گویا یہ وہ پہلا پتھر ہے جس سے ایک گنہگار دوسرے گنہگار کو سنگسار کرنے جا رہا ہے۔ اس کے باوجود مرزا انتہائی دنداں شکن حالات میں ڈنڈے گاڑے کھڑے تھے۔

لیکن یہ درست ہے کہ رن نہ بننے کی بڑی وجہ مرزا کے اپنے پینترے تھے۔ وہ اپنا وکٹ ہتھیلی پر لیے پھر رہے تھے۔ وہ کرتے یہ تھے کہ اگر گیند اپنی طرف آتی ہوتی تو صاف ٹل جاتے۔ لیکن اگر ٹیڑھی آتی دکھائی دیتی تو اس کے پیچھے بیٹ لے کر نہایت جوش و خروش سے دوڑتے (کپتان نے بہتیرا اشاروں سے منع کیا مگر وہ دو دفعہ گیند کو باؤنڈری لائن تک چھوڑنے گئے) البتہ ایک دفعہ جب وہ اپنے بیٹ پر لپ اسٹک سے بنے ہوئے ہونٹوں کو محویت سے دیکھ رہے تھے تو گیند اچانک بیٹ سے آ لگی اور وہ چمک کر ہوا میں گیند سے زیادہ اچھلے۔ وکٹ کیپر اگر بڑھ کے بیچ میں نہ پکڑ لیتا تو ایسے اوندھے منہ گرتے کہ ہفتوں اپنی شکل آپ نہ پہچان پاتے۔

یوں بھی بعض کھلاڑی گیند کو دیکھتے نہیں، سنتے ہیں یعنی ان کو اپنے قرب وجوار میں گیند کی موجودگی کا احساس پہلے پہل اس آواز سے ہوتا ہے جو گیند اور وکٹ کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔

چند اوور کے بعد کھیل کا رنگ بدلتا نظر آیا اور یوں محسوس ہونے لگا گویا وکٹ گیند کو اپنی جانب اس طرح کھینچ رہا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو۔ ہم نے دیکھا کہ ساتویں اوور کی تیسری گیند پر مرزا نے اپنی مسلح و مسلم ران درمیان میں حائل کر دی۔ سب یک زبان ہو کر چیخ اٹھے، "ہاؤز دیٹ۔"

"مرزا نے دانستہ اپنی ٹانگ اس جگہ رکھی جہاں میں ہمیشہ گیند پھینکتا ہوں۔" بولر نے الزام لگایا۔

"بکواس ہے۔ بات یوں ہے کہ اس نے جان بوجھ کر اس جگہ گیند پھینکی جہاں میں ہمیشہ اپنی ٹانگ رکھتا ہوں۔" مرزا نے جواب دیا۔

"اگر میرا نشانہ ایسا ہی ہوتا تو مرزا جی کبھی کے پویلین میں براجمان ہوتے۔" بولر بولا۔

"تو یوں کہو کہ تمہاری گیند وکٹ سے الرجک ہے۔" مرزا نے کہا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مرزا نے عمداً ٹانگ آگے کی۔" یک چشم بولر نے حلفیہ کہا۔

امپائر نے دونوں کو سمجھایا کہ بحثا بحثی کرکٹ کی اسپرٹ کے خلاف ہے۔ پھر یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ بیٹس مین کے کھیل کے محتاط اسٹائل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اسے ذرا بھی احتمال ہوتا کہ گیند اس کی ٹانگ کی طرف آرہی ہے تو وہ کھٹاک سے وکٹ کو اپنی ٹانگ کے آگے کر دیتا۔

اس فیصلہ پر مرزا نے اپنی ٹوپی اچھالی اور جب وہ اپنے مرکز کی طرف واپس آگئی تو پھر کھیل شروع ہوا۔ لیکن دوسرے ہی اوور میں بولر نے گیند ایسی کھینچ کے ماری کہ مرزا کے سر سے ایک آواز (اور منہ سے کئی!) نکلی اور ٹوپی اڑ کر وکٹ کیپر کے قدموں پر جاپڑی۔

جب امپائر نے مرزا کو ٹوپی پہنانے کی کوشش کی تو وہ ایک انچ تنگ ہو چکی تھی! اس کے باوجود مرزا خوب جم کر کھیلے اور ایسا جم کے کھیلے کہ ان کی اپنی ٹیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس اجمال پر ملال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسے ہی ان کا ساتھی گیند پر ہٹ لگاتا ویسے ہی مرزا اسے رن بنانے کی پرزور دعوت دیتے اور جب وہ کشاں کشاں تین چوتھائی پچ طے کر لیتا تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر، بلکہ دھکیل کر، اپنے وکٹ کی جانب واپس بھیج دیتے۔ مگر اکثر یہی ہوا کہ گیند اس غریب سے پہلے وہاں پہنچ گئی اور وہ مفت میں رن آؤٹ ہو گیا۔ جب مرزا نے یکے بعد دیگرے اپنی ٹیم کے پانچ کھلاڑیوں کا بشمول کپتان ذی شان، اس طرح جلوس نکال دیا تو کپتان نے پس ماندگان کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ خبردار! مرزا کے علاوہ کوئی رن نہ بنائے۔

لیکن مرزا آخری وکٹ تک اپنی وضع احتیاط پر ثابت قدمی سے قائم رہے اور ایک رن بنا کے نہیں دیا۔ اس کے باوجود ان کا اسکور اپنی ٹیم میں سب سے اچھا رہا۔ اس لئے کہ رن تو کسی اور نے بھی نہیں بنائے مگر وہ سب آؤٹ ہو گئے۔ اس کے برعکس مرزا خود کو بڑے فخر کے ساتھ "زیرو ناٹ آؤٹ" بتاتے تھے۔ ناٹ آؤٹ! اور یہ بڑی بات ہے۔

14.4.3 خلاصہ:

'زیرو ناٹ آؤٹ' میں ایک دیسی کرکٹ میچ کا حال بیان کیا گیا ہے جس میں وقت کی پابندی، کھلاڑیوں کی تیاری، اور کھیل کا انداز سب کچھ غیر معمولی اور مضحکہ خیز دلچسپ ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار 'مرزا' ہے جو کرکٹ کے کھیل میں نہایت جذباتی اور بے اصول انداز میں حصہ لیتے ہیں۔

مرزا کا کھیلنے کا طریقہ تکنیک سے خالی مگر جوش سے بھرپور ہوتا ہے۔ وہ لاٹھی گھمانے کی طرح بیٹنگ کرتے ہیں، اپنی چالوں سے ساتھی کھلاڑیوں کو رن آؤٹ کرواتے ہیں، اور خود ایک رن بھی نہیں بناتے۔ تاہم، چونکہ وہ آخر تک آؤٹ نہیں ہوتے، اس لیے فخر سے خود کو "زیرو ناٹ آؤٹ" کہتے ہیں۔

کہانی میں امپائر کی دیر سے آمد، مرزا کے لطیفے، عجیب و غریب بولر کی حرکات، اور مرزا کی بلند بانگ دعوے کہانی کو مزاح سے بھر دیتے ہیں۔ آخر میں یہی پیغام ملتا ہے کہ چاہے کچھ نہ کرو، لیکن اگر "ناٹ آؤٹ" رہو تو دنیا تمہیں کامیاب سمجھتی ہے۔

14.4.4 مشکل الفاظ:

دستک	دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز	Knock

شگفتہ	خوشگوار، ہنسی مذاق سے بھرپور	Amusing, Cheerful
منفرد	جدا، خاص، سب سے الگ	Unique, Distinctive
لطافت	نرمی، باریکی	Delicacy, Softness
معیاری	معیار کے مطابق، اعلیٰ درجے کا	Standard, Quality
مٹھی بھر	تھوڑا سا، معمولی	A Handful, Small Quantity
تکنیک	کسی کام کے کرنے کا طریقہ	Technique, Method
مرکھنا	بے وقوف، کم عقل	Foolish, Silly
ہتھکنڈا	چالاکی، تدبیر	Trick, Maneuver
تڑنگا	لمبا اور مضبوط	Tall And Sturdy
چکرا دینا	الجھانا، گمراہ کرنا	Confuse, Bewilder
مشاق	ماہر	Skilled, Expert
بشمول	سمیت	Including
جلوہ	منظر، خوبصورتی	Vision, Display
ردوکد	انکار اور ٹال مٹول، ٹالنے کا عمل	Evasion, Delay, Procrastination

14.4.5 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

1۔ مشتاق احمد یوسفی نے اپنی __________ نثر سے اردو طنز و مزاح کو نئی بلندی عطا کی۔

2۔ مشتاق احمد یوسفی کی اہم تصانیف میں " _______ " اور " _______ " شامل ہیں۔

3۔ مرزا کا کھیلنے کا انداز __________ سے خالی مگر __________ سے بھرپور تھا۔

4۔ مرزا نے اپنی ٹیم کے پانچ کھلاڑیوں کو __________ بنا دیا۔

5۔ مرزا نے کرکٹ میں " __________ " کی تکہ بازی کی۔

مشق 2: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مشتاق احمد یوسفی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزارا۔

2۔ مرزا نے گیند کو اپنے افسر کے تصور سے ہٹ کر مارنے کی کوشش کی۔

3۔ مرزا نے ایک رن بھی نہیں بنایا۔

4۔ مرزا کی کرکٹ کھیلنے کی تکنیک بہت مکمل اور پیشہ ورانہ تھی۔

5۔ مرزا کو ان کی ٹیم نے بہترین کھلاڑی قرار دیا۔

مشق 3: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے مترادف (ہم معنی) لکھیے۔

1۔ شگفتہ ....

2۔ لطافت ....

3۔ جوش ....

4۔ مشاق ....

5۔ جلوہ ....

مشق 4: ذیل میں دیے گئے محاوروں کا مطلب بیان کیجیے۔

1۔ "کرکٹ کی اسپرٹ دیکھنا" کا کیا مطلب ہے؟

2۔ "زیرو ناٹ آؤٹ" ہونے کا کیا پیغام دیا گیا ہے؟

3۔ "پہلا پتھر" کا استعمال کس لیے کیا گیا ہے؟

4۔ "مقناطیسی لوہا" کے ساتھ وکٹ کا تعلق کیسے دکھایا گیا؟

5۔ "کھلاڑیوں کے پاؤں اکھڑنا" کا کیا مفہوم ہے؟

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- طنز و مزاح غیر افسانوی ادب کے زمرے میں ہوتے ہوئے بھی افسانوی ادب سے یکسر علاحدہ نہیں ہے۔ افسانوی ادب کی تمام اصناف میں طنز و مزاح کے نمونے ملتے ہیں۔
- 'طنز' اور 'مزاح' دو الگ الگ لفظ ہیں جنہیں عام طور پر اردو ادب میں ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔
- اردو کے مشہور مزاح نگاروں میں پطرس بخاری، مرزا فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، رشید احمد صدیقی، کنہیالال کپور کے علاوہ مشتاق احمد یوسفی اور شوکت تھانوی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔
- شوکت تھانوی اردو کے مشہور مزاح نگار، افسانہ نویس، صحافی اور ریڈیو براڈکاسٹر تھے۔ وہ 1904ء میں تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر، یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال 1963 میں ہوا۔
- شامل نصاب ڈراما "ہوائی قلعے" کا اصل عنوان "لاٹری کا ٹکٹ" ہے جو ایک ریڈیو ڈراما ہے۔ اس ڈراما کے کردار منشی جی، ان کی بیوی اور سلیم ہیں۔

- مشتاق احمد یوسفی اردو کے ممتاز مزاح نگار اور طنز نگار تھے، جنہوں نے اپنی شگفتہ نثر اور منفرد اسلوب سے اردو طنز و مزاح کو نئی بلندی عطا کی۔ وہ 4 ستمبر 1923 کو ٹونک، راجستھان میں پیدا ہوئے۔
- ان کی اہم تصانیف میں 'چراغ تلے (1961)'، ' خاکم بدہن (1969) '، 'زرگزشت (1976) '، 'آبِ گم (1989)'، ' شامِ شعر یاراں (2014)' کے نام قابل ذکر ہیں۔ 'زیرو ناٹ آؤٹ' مشتاق احمد یوسفی کا ایک مزاحیہ مضمون ہے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی سوالات:

1۔ 'لاٹری کا ٹکٹ" کس ڈرامے کا عنوان ہے؟

(a) انار کلی (b) ہوائی قلعے (c) خانہ جنگی (d) اندر سبھا

2۔ منشی جی نے دستخط کرنے کی جگہ کیا لکھ دیا تھا؟

(a) لاٹری کا ٹکٹ (b) کروڑپتی (c) بیوی کا نام (d) لکھ پتی

3۔ ان میں سے کون سا کردار ہوائی قلعے کا نہیں ہے؟

(a) مرزا (b) سلیم (c) بیوی (d) منشی جی

4۔ ہوائی قلعے کس کا ڈراما ہے؟

(a) فرقت کاکوروی (b) فرحت اللہ بیگ (c) شوکت تھانوی (d) رتن ناتھ سرشار

5۔ ڈراما 'ہوائی قلعے' میں کنڈی کون کھٹکھٹاتا ہے؟

(a) منشی جی (b) ڈاکیہ (c) منشی کی بیوی (d) سلیم

6۔ 'زیرو ناٹ آؤٹ' کا مصنف کون ہے؟

(a) شوکت تھانوی (b) پطرس بخاری (c) رشید احمد صدیقی (d) مشتاق احمد یوسفی

7۔ مشتاق احمد یوسفی کی کہاں پیدا ہوئے؟

(a) راجستھان (b) علی گڑھ (c) کراچی (d) لاہور

8۔ پروگرام کے مطابق کھیل کتنے بجے شروع ہونا تھا؟

(a) نو بجے (b) سات بجے (c) دس بجے (d) چار بجے

9۔ مرزا کی مصیبت اصل میں کیا تھی؟

(a) اپنی ٹیم کے کھلاڑی (b) امپائر (c) اپنی ٹیم کے بالر (d) مخالف ٹیم کا بولر

10۔ کھیل میں کون زیرو ناٹ آؤٹ رہا؟

(a) پہلا کھلاڑی (b) آخری کھلاڑی (c) مرزا (d) ان میں سے کوئی نہیں

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ 'ہوائی قلعے' میں منشی جی تار کا انتظار کیوں کر رہے تھے؟

2۔ لاٹری کا ٹکٹ خرید نے کے بعد منشی جی نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے؟

3۔ منشی جی کی بیوی ان کا مذاق کیوں اُڑا رہی تھیں؟

4۔ کپتان نے کھلاڑیوں سے کیوں کہا کہ مرزا کے علاوہ کوئی رن نہ بنائے؟

5۔ مشتاق احمد یوسفی کے 'زیرو ناٹ آؤٹ' میں مرزا کی اصل کیا تھی اور کیوں؟

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مشتاق احمد یوسفی کا تعارف کروایئے۔

2۔ 'ہوائی قلعے' کی کہانی اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ 'زیرو ناٹ آؤٹ' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

14.6.1 کے جوابات: 1۔b 2۔d 3۔a 4۔c 5۔b

6۔d 7۔a 8۔c 9۔d 10۔c

اکائی 15: خطوط

(غالب، مولانا آزاد، نہرو)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید
15.1 مقاصد
15.2 خطوط کی تعریف اور اس کا مقصد
15.3 خطوط غالب
15.3.1 خط کا متن
15.3.2 مشکل الفاظ
15.3.3 مشقیں
15.4 مولانا ابو الکلام آزاد
15.4.1 خط کا متن
15.4.2 خلاصہ
15.4.3 مشکل الفاظ
15.4.4 مشقیں
15.5 جواہر لعل نہرو
15.5.1 خط کا متن
15.5.2 خلاصہ
15.5.3 مشکل الفاظ
15.5.4 مشقیں
15.6 اکتسابی نتائج
15.7 نمونہ امتحانی سوالات

15.0 تمہید

خط عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سطر، لکیر، تحریر، نشان وغیرہ کے ہیں۔ کوئی شخص جب کاغذ کی شکل میں اپنا پیغام لکھ کر دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے خطوط نویسی یا مکتوب نگاری کہتے ہیں۔ خط کو مکتوب، خط لکھنے والے کو مکتوب نگار، خط موصول کرنے والے کو مکتوب الیہ اور خط لکھنے کے فن کو مکتوب نگاری یا خطوط نگاری کہا جاتا ہے۔

آج کا دور جدید تکنیک کا دور ہے۔ ہم ایک جگہ پر بیٹھے بیٹھے دور دراز کے علاقوں میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے بات کر سکتے ہیں بلکہ انہیں ویڈیو کال کے ذریعے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ نقل و حمل کے ذرائع محدود تھے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لیے بھی کئی کئی روز کا وقت لگتا تھا۔ ایسے میں خط ہی اپنے عزیز و اقربا تک اپنا پیغام پہنچانے اور جذبات کا اظہار کرنے کا واحد ذریعہ ہوتا تھا۔ لوگ خطوط کے ذریعے ہی ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔ اس اکائی میں آپ اردو کے کچھ اہم خطوط کا نمونہ ملاحظہ کریں گے۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- خط کی تعریف کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر روشنی ڈال سکیں۔
- غالب کے خطوط کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور ان کے خطوط کا مطالعہ کر سکیں۔
- مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات حاصل کر سکیں۔
- مولانا آزاد کے "غبار خاطر" میں شامل خط "چڑیا چڑے کی کہانی" کا خلاصہ پیش کر سکیں۔
- جواہر لعل نہرو کے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کو لکھے ہوئے خطوط کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

15.2 خطوط کی تعریف اور اس کا مقصد

خط تحریری ترسیل کی ایک مؤثر شکل ہے۔ خط لکھنے والا صرف خط نہیں لکھتا بلکہ اس میں اطراف اور زمان و مکان کو بھی منعکس کرتا ہے۔ اردو ادب میں خطوط نویسی باقاعدہ ایک ایسی صنف ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے الگ شناخت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جسے "نصف ملاقات" کا درجہ حاصل ہے بلکہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے تو اسے پوری ملاقات مانا ہے اور وہ اسے ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ مانتے ہیں۔ خطوط نگاری کے لیے کسی طرح کے اصول اور موضوع کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس میں انسان اپنی زندگی کے حالات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی، سیاسی، مذہبی اور معاشرتی مسائل کا بھی اظہار کر سکتا ہے۔

خط شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خط کے ذریعے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کی شخصیت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اس میں ان کی زندگی کے چھوٹے بڑے تقریباً تمام واقعات، عقائد و نظریات، مذہبی، سیاسی و سماجی خیالات موجود ہوتے ہیں جو آنے والے لوگوں کے لیے حوالہ جات کا کام کرتے ہیں۔ سوانح نگاری کے لیے بھی خطوط سے استفادہ کیا جاتا ہے اور کسی بھی شخص کے خطوط

اس کے لیے بنیادی حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خط کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ مثلاً سرکاری خط، ادبی خط، نجی یا ذاتی خط۔ اس اکائی میں ہم چند اہم شخصیتوں کے خطوط کا مطالعہ کریں گے۔

15.3 خطوط غالب

مرزا اسد اللہ خاں غالب کا شمار اردو کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی خطوط کے ذریعے ایک نئی طرز کی ایجاد کی۔ ادب میں خطوط کو جو مرتبہ حاصل ہوا ہے اس کا سہرا مرزا غالب کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے مکتوب نگاری کی روایت کو ایک نیا رنگ عطا کیا اور مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ خطوط نگاری کے میدان میں انہوں نے کسی کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنا راستہ خود بنایا۔ ان سے پہلے لوگ اپنے خطوط میں مشکل الفاظ استعمال کرنا فخر سمجھتے تھے۔ غالب نے اس روایت کو توڑا اور سادہ اور عام فہم الفاظ کو خط کی زبان بنایا۔ ان کے خطوط میں شوخی اور ظرافت کے ساتھ ساتھ بہت سے مقامات پر محاورے اور کہاوتیں بھی مل جاتی ہیں جو انہیں مزید دلچسپ بناتی ہیں۔ ان کے خطوط کے ذریعے دہلی کی سیاسی، سماجی، معاشرتی زندگی، زوال پذیر تہذیب، مغلیہ سلطنت کا زوال، انگریزوں کے ظلم و ستم کی تاریخ ہم تک پہنچتی ہے۔ غالبؔ کے خطوط کے مجموعے عود ہندی، اردوئے معلیٰ، نادرات غالب کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ آیئے اب غالب کے کچھ خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ آپ ان کے نمونوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

15.3.1 خط کا متن:

کیوں صاحب!

مجھ سے کیوں خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہو گا یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو، کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بال مکند اُس کا بیٹا، یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنو اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ اُن دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کے خط آنے کی توقع، اُس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ'ہاں ایک تم کہ ہر مہینے میں ایک دوبار مہربانی کرتے ہو۔

سنو صاحب! اپنے پر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا۔ اگر کچھ کام آ پڑا، دو خط، تین خط؛ ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیج دی۔

بھائی صاحب کا بھی خط دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا، اُس کا جواب بھیج دیا گیا۔ مولوی قمر الدین خاں' یقین ہے کہ الہ آباد گئے ہوں، کس واسطے کہ مجھ کو مئی میں لکھا تھا کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔

بہر حال، اگر آپ آزردہ نہیں، تو جس دن میرا خط پہنچے، اُس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھیے، اپنی خیر و عافیت، منشی صاحب کی خیر و عافیت، مولوی صاحب کا احوال۔ اس سے سوا، گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجا جو وہاں آیا ہوا ہے، اُس کی حقیقت دھول پور کا رنگ، صاحبانِ عالی شان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پر ہے؟ اگرے کا حال کیا ہے؟ وہاں

کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں؟ (نگاشتہ شنبہ 19 جون 1858)

(خط نمبر 12، بنام مرزا ہر گوپال تفتہ، مشمولہ انتخاب خطوط غالب، مرتبہ خلیق انجم (1989)، مونو مینٹل پبلشرز، دہلی، ص 133-134)

بنام میر مہدی حسین مجروح:

اہاہاہا میرا پیارا میر مہدی آیا آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے۔ بیٹھو یہ رامپور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں بھی ہے تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہو گا۔ تمہارا خط پہنچا تر ددعبث۔ میر امکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میر ادوست نہ عرف لکھنے کی حاجت نہ محلے کی حاجت۔ بے وسواس خط بھیج دیا کیجئے۔ اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے اس وقت مہمان ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

15.3.2 مشکل الفاظ:

کثیر الاحباب	جس کے بہت سے دوست ہوں، بہت زیادہ دوست رکھنے والا	Having Many friends / Well-liked
گاہ گاہ	کبھی کبھار، وقتاً فوقتاً	Occasionally / From time to time
موقوف	رکا ہوا، بند، موقّت طور پر ختم کیا گیا	Suspended / Halted
توقع	اُمید، آس	Expectation / Hope
خیر وعافیت	خیریت، سلامتی، سکون	Well-being / Safety
اوائل	ابتدائی دن، شروع کے اوقات	Beginnings / Early
آزردہ	دکھی، رنجیدہ، دل گرفتہ	Hurt / Distressed
احوال	حالات، کیفیتیں (واحد: حال)	Conditions / Circumstances
فتنہ	فساد، شر، بگاڑ پیدا کرنے والی چیز یا شخص	Mischief / Sedition
بندوبست	انتظام، ترتیب	Arrangement / Organization
خائف	ڈرا ہوا، خوف زدہ	Fearful / Afraid
مزاج	طبیعت، ذہنی یا جسمانی حالت	Temperament / Mood
دارالسرور	خوشی یا راحت کی جگہ، جنت	Place of happiness / Joyful place
لطف	مہربانی، خوشی، کرم	Pleasure / Delight
بے شبہ	بلاشک، یقینی طور پر	Certainly / Without doubt

چشمہ	پانی کا قدرتی منبع، یا عینک	Spring / Fountain
آب حیات	وہ پانی جس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو، (استعارۃً) زندگی بخش چیز	Elixir of life / Water of life
سوت	پانی نکلنے کی جگہ، کنویں میں پانی آنے کا ذریعہ، پانی کی چھوٹی لکیر یا رَو	Thread / Strand
شیریں	میٹھا، خوش مزہ، دلکش	Sweet / Pleasant
تردد عبث	بے فائدہ پریشانی یا سوچ بچار	Futile hesitation / Pointless delay
عرف	رواج، دستور، کسی معاشرے میں رائج طریقہ	Custom / Convention
حاجت	ضرورت	Need / Requirement
صحبت	ساتھ، سنگت، ہم نشینی	Company / Companionship
مرغوب	پسندیدہ، دل کو بھانے والا	Preferred / Desired
تعظیم و توقیر	عزت و احترام	Respect and honor
دقیقہ	باریک نکتہ، پیچیدہ بات	Minute / Small portion
فروگذاشت	چھوڑ دینا، ترک کرنا، نظر انداز کرنا	Forgiveness / Pardon

15.3.3 مشقیں :

مشق 1: درج ذیل جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو.................. دوست نہ ہوتے ہوں۔

2۔ سنو صاحب! اپنے پر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک .... مجھ کو لکھنا۔

3۔ اگر آپ آزردہ نہیں، تو جس دن میرا خط پہنچے، اُس کے دوسرے دن اس کا.................. لکھیے

4۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور...................... ہے۔

5۔ یہاں کا حال سب طرح...................... ہے اور صحبت مرغوب ہے۔

مشق 2: ذیل میں دیے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

1۔ دوست ....

2۔ خطوط ....

3۔ وقت ....

4۔ مہمان ....

5۔ ڈاک ....

15.4 مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد ایک کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت ایک مفکر، مصنف، سیاست دان، مجاہد آزادی ہونے کے علاوہ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم (ایجوکیشن منسٹر) بھی تھے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں بھارت سرکار ان کے یوم پیدائش 11 نومبر کو National Education Day یا قومی یوم تعلیم کے طور پر مناتی ہے۔

"غبار خاطر" مولانا آزاد کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا آزاد نے 1942-1945 کے دوران احمد نگر قلعے میں قید کے زمانے میں نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے نام لکھے۔ یہ خطوط کبھی بھی ارسال نہیں کیے گئے بلکہ بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ یہ خطوط محض ذاتی گفتگو نہیں بلکہ فکری و علمی موتی ہیں، جن میں مولانا آزاد نے مذہب اور فلسفہ، سائنس اور تاریخ، تصوف، موسیقی، ادب، تہذیب و تمدن، پر اظہار خیال کیا ہے اور ذاتی خیالات و مشاہدات تحریر کیے ہیں۔

خطوط کی زبان بلند پایہ، شگفتہ اور علامتی ہے۔ اس کا اسلوب علمی اور فکری، اور انداز خود کلامی ہے۔ ان میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ خطوط کے مجموعے کا عنوان "غبارِ خاطر" کا مطلب ہے دل کا گرد و غبار، یعنی وہ خیالات و احساسات جو دل میں جمع ہو گئے ہوں، جنہیں تحریر کے ذریعے نکالا جا رہا ہو۔ آیئے اب مولانا آزاد کے ذریعے لکھے گئے خط کا مطالعہ کرتے ہیں، جس کا عنوان 'چڑیا چڑے کی کہانی' رکھا گیا ہے۔

15.4.1 خط کا متن (چڑیا چڑے کی کہانی)

قلعۂ احمد نگر

17 مارچ 1943ء

صدیق مکرم

زندگی میں بہت سی کہانیاں بنائیں۔ خود زندگی ایسی گزری جیسے ایک کہانی ہو۔ آیئے آج آپ کو چڑیا چڑے کی کہانی سناؤں۔

یہاں کمرے جو ہمیں رہنے کو ملے ہیں، پچھلی صدی کی تعمیرات کا نمونہ ہیں۔ چھت لکڑی کے شہتیروں کی ہے اور شہتیروں کے سہارے کے لیے محرابیں ڈال دی ہیں نتیجہ یہ ہے کہ جابجا گھونسلہ بنانے کے قدرتی گوشے نکل آئے اور گوریّاؤں کی بستیاں آباد ہو گئیں۔ اب یہ فکر ہوئی کہ ایسی رسم و راہِ اختیار کرنی چاہیے کہ ان ناخواندہ مہمانوں کے ساتھ ایک گھر میں گزارہ ہو سکے۔

میں نے باورچی خانے سے تھوڑا سا کچا چاول منگوایا، اور جس صوفے پر بیٹھا کرتا ہوں، اس کے سامنے کی دری پر چند دانے چھٹک دیے۔ پہلے ایک چڑیا آئی اور ادھر ادھر کودنے لگی۔ بظاہر چہچہانے میں مشغول تھی مگر نظر دانوں پر تھی۔ پھر دوسری آئی اور پہلی کے ساتھ مل کر دری کا طواف کرنے لگی۔ پھر تیسری اور چوتھی بھی پہنچ گئی۔ کبھی دانوں پر نظر پڑتی، کبھی دانہ ڈالنے والے پر۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ

جیسے آپس میں کچھ مشورہ ہو رہا ہے۔ کبھی معلوم ہوتا ہر فرد غور و فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔

پھر کچھ دیر کے بعد آہستہ آہستہ قدم بڑھنے لگے۔ لیکن براہِ راست دانوں کی طرف نہیں۔ آڑے ترچھے ہو کر بڑھتے اور کترا کر نکل جاتے۔ گویا یہ بات دکھائی جارہی تھی کہ خدانخواستہ ہم دانوں کی طرف نہیں بڑھ رہے۔ جونہی ان کے قدموں کا رخ دانوں کی طرف پھرا، میں نے دم سادھ لیا، نگاہیں دُوسری طرف کر لیں، اور سارا جسم پتھر کی طرح بے حس و حرکت بنالیا۔ گویا آدمی کی جگہ پتھر کی ایک مورتی دھری ہے۔

ناگہاں ایک تنومند چڑے نے بے باکانہ اقدام اٹھادیا۔ بہ یک دفعہ دانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اِس ایک قدم کا اٹھنا تھا کہ معلوم ہوا، جیسے اچانک تمام رُکے ہوئے قدموں کے بندھن کھل پڑے۔ اب نہ کسی قدم میں جھجک تھی، نہ کسی نگاہ میں تذبذب، مجمع کا مجمع بہ یک دفعہ دانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اِس چڑے کا یہ بے باکانہ اقدام کچھ ایسا دل پسند واقع ہوا، کہ میں نے اس کا نام قلندر رکھ دیا۔ دو تین دن تک اسی طرح ان کی خاطر تواضع ہوتی رہی۔ دِن میں دو تین مرتبہ دانے دری پر ڈال دیتا۔ ایک ایک کر کے آتے، اور ایک ایک دانہ چن لیتے کبھی دانہ ڈالنے میں دیر ہو جاتی تو قلندر آکر چوں چوں کرنا شروع کر دیتا کہ وقت گزر رہا ہے۔ چند دنوں کے بعد میں نے اس معاملہ کا دوسرا قدم اٹھایا۔ سگریٹ کے خالی ٹین کا ایک ڈھکنا لیا۔ اِس میں چاول کے دانے ڈالے، اور ڈھکنا دری کے کنارے رکھ دیا۔ فوراً مہمانوں کی نظر پڑی۔ کوئی ڈھکنے کے پاس آکر منہ مارنے لگا۔ کوئی ڈھکنے کے کنارے پر چڑھ کر زیادہ جمعیتِ خاطر کے ساتھ چگنے میں مشغول ہو گیا۔ دوسرے دن ڈھکنا دری کے کنارے سے کچھ ہٹا کر رکھا۔ تیسرے دن اور زیادہ ہٹا دیا۔ اور بالکل اپنے سامنے رکھ دیا۔ اتنا قریب دیکھ کر پہلے تو مہمانوں کو کچھ تامل ہوا۔ دری کے پاس آگئے مگر قدموں میں جھجک تھی اور نگاہوں میں تذبذب بول رہا تھا۔ لیکن اتنے میں قلندر اپنے قلندرانہ نعرے لگاتا ہوا آ پہنچا۔ جہاں اس کا قدم اٹھا، سب کے اٹھ گئے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا، تو پھر ایک قدم اور اُٹھایا گیا اور دانوں کا برتن دری سے اٹھا کے تپائی پر رکھ دیا۔ یہ تپائی میرے بائیں جانب صوفے سے لگی رہتی ہے اور پوری طرح میرے ہاتھ کی زد میں ہے۔ اس تبدیلی سے خوگر ہونے میں کچھ دیر لگی، بار بار آتے اور تپائی کا چکر لگا کر چلے جاتے۔ بالآخر یہاں بھی قلندر ہی کو پہلا قدم بڑھانا پڑا اور اس کا بڑھنا تھا کہ یہ منزل بھی پچھلی منزل کی طرح سب پر کھل گئی۔

جب اس قدر نزدیک آجانے کے خوگر ہو گئے تو میں نے خیال کیا، اب معاملہ کچھ اور آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ ایک دن صبح یہ کیا کہ چاول کا برتن صوفے پر ٹھیک اپنی بغل میں رکھ دیا اور پھر لکھنے میں اس طرح مشغول ہو گیا کہ گویا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد کیا سنتا ہوں کہ زور زور سے چونچ مارنے کی آواز آرہی ہے۔ کنکھیوں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا پرانا دوست قلندر پہنچ گیا ہے اور بے تکان چونچ مار رہا ہے۔ ڈھکنا چونکہ بالکل پاس دھرا تھا، اس لیے اس کی دم میرے گھٹنے کو چھو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرے یارانِ تیز گام بھی پہنچ گئے؛ اور پھر تو یہ حال ہو گیا کہ ہر وقت دو تین دوستوں کا حلقہ بے تکلف میری بغل میں اچھل کود کرتا رہتا۔ کبھی کوئی صوفے کی پشت پر چڑھ جاتا، کبھی کوئی جست لگا کر کتابوں پر کھڑا ہو جاتا، کبھی نیچے اُتر آتا اور چوں چوں کر کے واپس آجاتا۔

بار ہا ایسا ہوا کہ میں اپنے خیالات میں محو، لکھنے میں مشغول ہوں، اتنے میں کوئی دل نشیں بات نوکِ قلم پر آگئی یا عبارت کی مناسبت نے اچانک کوئی پر کیف شعر یاد دلا دیا، اور بے اختیار اس کی کیفیت کی خود رفتگی میں میرا سر و شانہ ہلنے لگا، یا منہ سے "ہا" نکل گیا،

اور یکا یک زور سے پروں کے اڑنے کی ایک پھر سی آواز سنائی دی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو معلوم ہوا کہ ان یارانِ بے تکلف کا ایک طائفہ میری بغل میں بیٹھا بے تامل اپنی اچھل کود میں مشغول تھا۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ یہ پتھر اب ہلنے لگا ہے، تو گھبرا کر اڑ گئے۔ عجب نہیں، اپنے جی میں کہتے ہوں، یہاں صوفے پر ایک پتھر پڑا رہتا ہے، لیکن کبھی کبھی آدمی بن جاتا ہے۔

15.4.2 خلاصہ:

اس خط میں مصنف نے چڑیا چڑے کی کہانی کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ مولانا آزاد کو جیل میں رہنے کے لیے جو کمرہ دیا گیا اس کی حالت پچھلی صدی کے مکانوں کی طرح تھی، چھت لکڑی کے شہتیروں کی بنی تھی اور ان شہتیروں کے سہارے کے لیے محرابیں ڈالی گئی تھیں۔ یوں ان کے درمیان میں جا بجا چڑیوں نے گھونسلے بنائے ہوئے تھے۔

کمرے میں جا بجا چڑیاں چڑے اپنے گھونسلے بنانے میں مصروف تھے۔ اس عمل کے دوران وہ تنکے گرا گرا کر ذرا دیر میں کمرے کا نقشہ بگاڑ ڈالتے تھے۔ پہلے پہل تو مصنف نے ان سے مقابلے کی ٹھانی۔ جالے اتارنے کے ایک ڈنڈے کے ذریعے ان کو بھگایا۔ اس ڈنڈے کی ان پرندوں پر خاصی دھاک بھی بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کی محنت کے بعد وہ چرند پرند وہاں سے چلے گئے۔ مگر کچھ دیر بعد مصنف نے کیا دیکھا کہ جس ڈنڈے سے پرندوں پر دھاک جمائی تھی اسے ہی وہ اب بطور سیڑھی استعمال کرنے لگے۔

آخر مصنف نے ان کے ساتھ ہی نباہ کرنے کا سوچا۔ اپنا بستر دیوار سے ہٹا کر درمیان میں کر لیا۔ اور کمرے میں دن میں کئی مرتبہ جھاڑو لگانے لگے۔ منہ دھونے کا میز چونکہ جگہ سے کھسکانا ممکن نہیں تھا اس لیے اس کو ڈھکا جانے لگا۔ جب یہ تدبیر کچھ کارگر ثابت ہوئی تو مصنف نے سوچا کہ اگر ان کے ساتھ نباہ ہی کرنا ہے تو کیوں نہ دوستی بھی کی جائے۔

اپنے حریفوں سے صلح کرنے کے لیے مصنف نے اول تو ان کے گھونسلے توڑنے یا ان کو بھگانے کا کام ترک کر دیا۔ اس کے بعد مصنف نے اپنے کمرے میں ایک جانب دری پر ان کے لیے دانا ڈالنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ اس عمل میں قربت لانے کے لیے دانا برتن میں اور اپنے قریب تر رکھنے لگے۔

ایک دن یہ دانا دری کے کونے پر آیا تو اگلے دن مصنف نے کھسکا کر اسے اپنے بستر کے قریب کر لیا۔ یوں ہوتے ہوتے یہ تپائی اور پھر لکھنے کی کرسی کے پاس آ گیا۔ پھر تو مصنف اور ان میں اتنی قربت ہو گئی کہ مصنف گویا ان کے لیے ایک پتھر کا آدمی تھا جس میں کبھی کبھی جان آتی تھی۔ اس قربت کا سارا سہرا مصنف نے ایک چڑے کے سر ڈالا ہے۔

مصنف نے چڑے کو قلندر کہا ہے اور اس کو قلندر کہنے کی وجہ اس کی بے باکی، بے دماغی اور رندانہ جرات ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ بے نیازی سے ہر جانب اپنا پہلا قدم بے دھڑک طریقے سے بڑھا دیتا ہے۔ اس نے دری پر کھانے کی طرف بڑھنے میں پہل کی وہی پہلے برتن تک آیا اور یہاں تک کہ تپائی اور کرسی کے پاس بھی وہ ہی پہلے آیا مصنف کو چڑے کی یہ دلیری بہت بھائی اور اس نے چڑے کو قلندرانہ صفات کا حامل قرار دیا۔ چڑیا چڑے مصنف کے یوں پاس آنے لگے کہ جیسے انھیں معلوم ہو کہ وہ آدمی ہو کر بھی آدمیوں سا خطرناک نہیں۔

15.4.3 مشکل الفاظ:

تعمیرات	عمارتیں بنانے کا عمل	Constructions / Buildings
شہتیر	لکڑی یا لوہے کا بڑا شہتیرا جو چھت یا عمارت کو سہارا دیتا ہے	Beam / Girder
محراب	مسجد یا عمارت میں کافی دار حصہ	Arch / Vault
گوشہ	کونا، کنارے کی جگہ	Corner / Nook
ناخواندہ	جو پڑھا لکھا نہ ہو، ان پڑھ	Illiterate / Uneducated
مشغول	کسی کام میں مصروف	Busy / Engaged
طواف	چکر لگانا، خاص طور پر خانہ کعبہ کا سات بار چکر لگانا	Circumambulation / Tawaf
فرد	ایک شخص	Individual / Person
براہِ راست	سیدھے طور پر، بلاواسطہ	Direct / Straight
خدانخواستہ	اللہ نہ کرے، کسی ناپسندیدہ واقعے کے لیے احتیاطی اظہار	God forbid / Heaven forbid
رخ	چہرہ، سمت	Face / Countenance
بے حس و حرکت	جو نہ ہلے اور نہ کوئی احساس ظاہر کرے	Insensible / Motionless
ناگہاں	اچانک، غیر متوقع طور پر	Suddenly / Unexpectedly
تنومند	مضبوط جسم والا، قوی ہیکل	Sturdy / Strong-built
تذبذب	الجھن، فیصلہ نہ کر سکنے کی حالت	Hesitation / Indecision
مجمع	لوگوں کا ہجوم یا اجتماع	Gathering / Assembly
بے باکانہ	بے خوف انداز میں، نڈر ہو کر	Shameless / Bold
قلندر	صوفی منش، دنیا سے بے نیاز شخص	Mystic / Ascetic
خاطر تواضع	مہمان کی عزت و خدمت، مہمان نوازی	Humility / Respectful consideration
جمعیتِ خاطر	دل کا سکون، اطمینان	Concentration / Attention
مشغول	کسی کام میں لگا ہوا، مصروف، محو	Occupied / Engaged
تامل	رکنا، سوچنا، جھجکنا	Deliberation

حلقہ	دائرہ، گروہ	Circle / Ring
پشت	پیٹھ، کمر	Back / Rear
جست	چھلانگ، کودنا	Leap / Jump
بارہا	کئی بار، بار بار	Repeatedly / Many times
محو	پوری توجہ کے ساتھ مشغول، غرق	Absorbed / Engrossed
پُرکیف	خوشگوار، لذت بخش	Pleasurable / Enjoyable
خودرفتگی	خود میں گم ہونا، استغراق	Self-effacement / Humility
یکایک	اچانک، دفعتاً	All at once / Suddenly
طائفہ	گروہ، جماعت، طبقہ	Group / Sect
کنکھیوں	آنکھ کے کنارے سے دیکھنا، بغیر پوری نظر ڈالے، چھپ کر یا چپکے سے دیکھنا	Glances / Sidelong looks
خوگر	عادی، کسی چیز کی عادت لگنا	Familiar / Skilled

15.4.4 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ دم سادھنا ....

2۔ طواف کرنا ....

3۔ جسم پتھر کی طرح ہونا ....

4۔ زد میں آنا ....

5۔ قدموں کے بندھن کھلنا ....

مشق 2: ذیل کے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ یہاں کمرے جو ہمیں..................کو ملے ہیں، پچھلی صدی کی تعمیرات کا نمونہ ہیں۔

2۔ پھر دوسری آئی اور................کے ساتھ مل کر دری کا طواف کرنے لگی۔

3۔ پھر کچھ دیر کے بعد آہستہ.................قدم بڑھنے لگے۔

4۔ ایک ایک کر کے آتے، اور ایک.................دانہ چن لیتے

5۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ یہ پتھر اب ملنے لگا ہے، تو گھبرا کر.............گئے۔

15.5 جواہر لعل نہرو

"Letters from a Father to His Daughter" (بیٹی کے نام باپ کے خطوط) خطوں کا ایک مجموعہ ہے جو **جواہر لال نہرو** نے اپنی بیٹی **اندرا گاندھی** کو 1928 میں اُس وقت لکھے جب وہ صرف دس سال کی تھیں۔ اُس وقت نہرو الہ آباد میں تھے اور اندرا گاندھی مسوری میں رہ رہی تھیں۔

ان خطوط کے ذریعے نہرو نے اندرا گاندھی کو دنیا، فطرت، تاریخ اور تہذیب جیسے موضوعات پر آسان اور دلچسپ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان 30 خطوں میں وہ پیچیدہ باتوں کو بچوں کی زبان میں بیان کرتے ہیں تا کہ تجسس اور سائنسی سوچ پیدا ہو۔
یہ کتاب نہ صرف ایک باپ کی اپنی بیٹی سے محبت کا اظہار ہے بلکہ تعلیم و تربیت کے بارے میں نہرو کے نظریے کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ یہ تحریریں آج بھی بچوں کے لیے علم کو بامعنی بنانے کی بہترین مثال سمجھی جاتی ہیں۔ آیئے اب اس مجموعے سے ایک خط ملاحظہ کیجیے جس کا عنوان ہے، 'یہ دنیا بنی کیسے!'

15.5.1 خط کا متن (یہ دنیا بنی کیسے!):

یہ تو تم جانتی ہو کہ دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند دنیا کے گرد۔ شاید یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ زمین کی طرح اور بھی آسمانی گولے، یا اجرام فلکی، ہیں جو سورج کے گرد چکر کاٹا کرتے ہیں۔ یہ سب، جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے، سورج کے سیارے کہلاتے ہیں۔ چاند زمین کا طفیلی سیارہ ہے، کیوں کہ وہ زمین کے گرد منڈلاتا رہتا ہے۔ اسی طرح دوسرے سیاروں کے بھی طفیلی سیارے ہیں ، جو ان کے گرد گھوما کرتے ہیں۔ سورج، سیارے اور ان کے طفیلی سیارے مل جل کر ایک خوش و خرم گھرانا بنا لیتے ہیں، جسے نظام شمسی، کہتے ہیں۔

رات کو آسمان پر ہزاروں تارے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے صرف چند ہی سیارے ہیں جن کو کسی طرح بھی ستارے نہیں کہا جاسکتا۔ کیا تم سیارے اور ستارے میں تمیز کر سکتی ہو؟ ستاروں کے مقابلے میں سیارے بالکل ہماری زمین کی طرح بہت ننھے منے سے ہوتے ہیں، لیکن وہ ہماری دنیا سے چوں کہ بہت قریب ہیں اسی لیے ہمیں بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسے چاند جو ایک ننھا سا سیارہ ہے ہم سے بہت قریب ہونے کی وجہ سے ہم کو اتنا بڑا نظر آتا ہے۔ سیاروں اور ستاروں میں تفریق کرنے کی اصلی کسوٹی تو جھلملاہٹ ہے۔ ستارے جھل مل جھل مل کرتے ہیں اور سیارے جھلملاتے نہیں بلکہ چمکتے ہیں، اور یہ چمک ان کو ہمارے سورج کی روشنی سے ملتی ہے۔ سیاروں کی چمک ہو یا چاند کی، یہ حقیقتاً سورج ہی کی روشنی کا عکس ہے۔ لیکن حقیقی ستارے بالکل ہمارے سورج جیسے ہوتے ہیں اور خود اپنی روشنی سے چمکتے ہیں کیوں کہ وہ بہت تیز چلتے اور دہکتے رہتے ہیں۔ دراصل خود ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہی ہے۔ چوں کہ یہ ہم سے قریب تر ہے اس لیے ہمیں ایک بڑے آگ کے گولے کی طرح نظر آتا ہے۔

غرض ہماری زمین سورج کے خاندان یا نظام شمسی سے متعلق ہے۔ ہم اپنی زمین ہی کو بہت بڑا سمجھتے ہیں، اور ہمارے چھوٹے سے قد کو دیکھتے ہوئے تو واقعی وہ ہے بھی بڑی۔ اس کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک سفر کرنے میں تیز رفتار ریل اور اسٹیمر کے باوجود ہفتے اور

مہینے لگ جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں اتنی بڑی لگنے کے باوجود زمین کی حیثیت ہوا میں تیرتے ہوئے ایک ذرے سے زیادہ نہیں۔ سورج کروڑوں میل دور ہے اور دوسرے ستارے تو اور بھی زیادہ دور ہیں۔

علم ہیئت جاننے والے، جو ستاروں کا مطالعہ کرتے ہیں، ہمیں بتاتے ہیں کہ اب سے بہت پہلے ہماری زمین اور دوسرے سیارے سورج ہی کا حصہ تھے۔ سورج اس وقت بھی آگ کا دہکتا ہوا گولہ تھا۔ کسی وجہ سے اس کے کچھ حصے ٹوٹ کر اس کی گرفت سے آزاد ہو گئے اور خلا میں تیرنے لگے۔ لیکن اس کے باوجود انھیں اپنے باپ سورج سے بالکل چھٹکارا نہیں ملا۔ یہ سورج کے گرد چکر کاٹنے لگے، جیسے کسی نے انھیں رسی سے باندھ دیا ہو۔ یہ عجیب و غریب طاقت، جسے میں نے رسی سے تشبیہ دی ہے، ایک قوت ہے جو چھوٹی چیزوں کو بڑی چیز کی طرف کھینچتی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے چیزیں اپنے وزن سے نیچے ہی کی طرف گرتی ہیں۔ ہمارے قریب جو چیزیں ہیں، ان میں زمین ہی سب سے بڑی چیز ہے، اس لیے ہماری ہر چیز کو وہی اپنی طرف کھینچتی ہے۔

سورج سے الگ ہو کر بھاگ نکلنے والے حصوں میں ہماری زمین بھی ہے۔ شروع میں یہ بھی بے حد دہکتی رہی ہو گی اور اس کے ارد گرد گرم گیسوں اور ہوا کا ہجوم رہا ہو گا۔ لیکن چوں کہ یہ سورج کے دیکھتے بہت ہی چھوٹی چیز تھی، اس لیے رفتہ رفتہ یہ ٹھنڈی ہونے لگی۔ خود سورج کی گرمی بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے، لیکن اس کے ٹھنڈے ہونے میں کروڑوں برس لگ جائیں گے، لیکن زمین کے ٹھنڈے ہونے میں بہت کم وقت لگا۔ جب یہ گرم تھی اس وقت ظاہر ہے کہ اس پر کوئی جان دار چیز زندہ نہیں رہ سکتی تھی، نہ آدمی، نہ جانور، نہ پیڑ پودے۔ اس وقت تو جو چیز بھی ہوتی، جل کر راکھ ہو جاتی۔

جس طرح سورج کا ایک حصہ ٹوٹ کر زمین بن گیا، اسی طرح زمین کا ایک حصہ ٹوٹ کر چاند بنا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ امریکا اور جاپان کے بیچ میں جو بہت بڑا سمندر، بحر الکاہل، ہے یہیں سے الگ ہوا تھا جو چاند بن گیا۔

غرض زمین ٹھنڈی ہونی شروع ہوئی، مگر اس میں بڑا زمانہ لگا۔ اس کا اوپری حصہ تو رفتہ رفتہ ٹھنڈا ہو گیا، لیکن اندرونی حصے میں گرمی بھری رہی۔ آج بھی اگر تم کوئلے کی کان میں جاؤ تو جوں جوں نیچے جاؤ گی گرمی بڑھتی جائے گی۔ اگر کسی طرح تم زمین کے اندر بہت گہرائی تک پہنچ سکو تو تم دیکھو گی کہ اندر سے وہ بالکل سرخ انگارہ ہو گی۔ چاند بھی ٹھنڈا ہونا شروع ہوا، اور چوں کہ یہ زمین سے بھی بہت چھوٹا تھا اس لیے زمین کے مقابلے میں جلدی ٹھنڈا ہو گیا۔ چاند کی روشنی کتنی فرحت انگیز ہوتی ہے! ہوتی ہے نا؟ اسی سے تو اس کو خنک چاند کہتے ہیں۔ شاید یہ برف کے دریاؤں اور برفیلی چٹانوں سے بھرا پڑا ہے۔

جب زمین ٹھنڈی ہوئی تو ہوا کی ساری نمی یا بھاپ جم کر قطروں میں بدل گئی، اور شاید پانی بن کر برسنے لگی۔ کس قیامت کی بارش اس زمانے میں ہوئی ہو گی! یہ سارا پانی زمین کے بڑے بڑے گڈھوں میں بھر گیا اور اس طرح بڑے سمندر بنے۔

زمین جوں جوں ٹھنڈی ہوئی اسی کے ساتھ سمندروں کا پانی بھی ٹھنڈا ہوتا گیا اور اب زمین پر اور سمندر میں زندگی کا وجود ممکن ہو سکا۔ اگلے خط میں ہم زندگی کے آغاز پر باتیں کریں گے۔

15.5.2 خلاصہ:

یہ خط پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی (اندرا گاندھی) کو نہایت سادہ اور دل نشیں انداز میں فلکیات (Astronomy) کے

ابتدائی تصورات سمجھانے کے لیے لکھا ہے۔ نہرو جی لکھتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ ہماری زمین کی طرح دوسرے سیارے بھی سورج کے گرد گھومتے ہیں اور ان کے بھی طفیلی سیارے (moons) ہوتے ہیں۔ سورج، سیارے اور ان کے چاند مل کر نظام شمسی (Solar System) بناتے ہیں۔

وہ بتاتے ہیں کہ آسمان پر جو چمک دار نقطے نظر آتے ہیں ان میں سے کچھ ستارے ہیں اور کچھ سیارے۔ ستارے خود اپنی روشنی سے چمکتے ہیں، جب کہ سیارے سورج کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں۔ ستارے جھلملاتے ہیں، جب کہ سیارے صرف چمکتے ہیں۔ سورج کو وہ ایک ستارہ قرار دیتے ہیں جو ہمیں بہت بڑا نظر آتا ہے کیونکہ یہ ہم سے قریب ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ زمین کبھی سورج کا حصہ تھی، جو کسی وجہ سے الگ ہو گئی۔ یہ حصے سورج کے گرد گردش کرنے لگے، اور اسی کو کشش ثقل (gravity) کہتے ہیں۔ زمین جب سورج سے الگ ہوئی تو وہ بہت گرم تھی۔ وقت کے ساتھ وہ ٹھنڈی ہونے لگی، اور پھر اس پر زندگی کے لیے ساز گار حالات پیدا ہوئے۔

چاند کے متعلق وہ بتاتے ہیں کہ شاید وہ بھی زمین کا ایک ٹوٹا ہوا حصہ ہے، اور اس لیے وہ ہم سے قریب اور جلد ٹھنڈا ہو گیا۔ زمین کی ٹھنڈک کے بعد پانی کی بھاپ بارش بن کر برسی اور سمندر وجود میں آئے۔ اس کے بعد زندگی کی ابتدا ممکن ہوئی، جس پر وہ اگلے خط میں بات کریں گے۔

15.5.3 مشکل الفاظ:

خوش و خرم	خوشحال، خوش مزاج، مطمئن اور مسرور	Happy / Content
تجسس	جستجو، کھوج، کسی بات کو جاننے کی شدید خواہش	Curiosity
عکاسی	تصویر اتارنا، کسی چیز کو ظاہر کرنا، باز تاب	Photography / Reflection
گرد	اطراف، آس پاس	Surroundings / Around
اجرام فلکی	آسمانی اجسام، جیسے ستارے، سیارے، چاند، سورج وغیرہ	Celestial bodies
سیارے	وہ اجرام فلکی جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں (جیسے زمین، مریخ وغیرہ)	Planets
طفیلی	دوسروں پر انحصار کرنے والا، یا ایسا جاندار جو کسی دوسرے کے جسم پر یا اندر رہ کر فائدہ اٹھائے	Parasite
نظام شمسی	سورج اور اس کے گرد گھومنے والے تمام سیارے، چاند وغیرہ کا مجموعہ	Solar system
تفریق	علیحدگی، فرق، جدا کرنا	Separation / Difference

علم ہیئت	فلکیات، آسمانی اجسام کا سائنسی مطالعہ	Astronomy
خلا	خالی جگہ، آسمان میں وہ جگہ جہاں ہوا یا کوئی مادہ موجود نہ ہو	Space / Vacuum
تشبیہ	کسی چیز کو کسی اور چیز سے مشابہ قرار دینا، مثال دینا	Simile / Comparison
ہجوم	بھیڑ، لوگوں کا جمع ہونا	Crowd / Mass
رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ، بتدریج	Gradually / Step by step
بحر الکاہل	دنیا کا سب سے بڑا سمندر	Pacific Ocean
کان	معدنیات نکالنے کی جگہ، زمین میں کھودا ہوا حصہ	Mine
خنک	ٹھنڈا، سرد، خوشگوار ٹھنڈک رکھنے والا	Cool / Refreshing
افکار	فکر کی جمع	Thoughts / Ideas

15.5.4 مشقیں :

مشق 1: خالی جگہ کو مناسب الفاظ کے ساتھ پُر کیجیے۔

1۔ دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند.............کے گرد چکر لگاتا ہے۔

2۔ رات کو آسمان پر ہزاروں........................ نظر آتے ہیں۔

3۔ ہماری زمین ....کے خاندان یا نظام شمسی سے متعلق ہے۔

4۔ بہت پہلے ہماری زمین اور دوسرے سیارے ....ہی کا حصہ تھے۔

5۔ جب زمین ....ہوئی تو ہوا کی ساری نمی یا بھاپ جم کر قطروں میں بدل گئی۔

مشق 2: درج ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ چاند زمین کا طفیلی سیارہ ہے۔ (   )

2۔ چاند ہم سے بہت قریب ہونے کی وجہ سے ہم کو اتنا بڑا نظر آتا ہے۔ (   )

3۔ علم طب جاننے والے ستاروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ (   )

4۔ زمین کا اندرونی حصہ بہت ٹھنڈا ہے۔ (   )

5۔ سورج کی گرمی بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے۔ (   )

مشق 3: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

چاند ....

سورج ....

تارے ....

زمین ....

روشنی ....

15.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- خط عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سطر، لکیر، تحریر، نشان وغیرہ کے ہیں۔ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔
- پہلے زمانے میں جب موبائل فون نہیں ہوتے تھے تو لوگ خطوط کے ذریعے ہی ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے تھے۔
- خط تحریری ترسیل کی ایک مؤثر شکل ہے۔ خط لکھنے والا صرف خط میں اطراف اور زمان و مکان کو بھی منعکس کرتا ہے۔
- خط شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خط کے ذریعے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کی شخصیت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں۔
- مرزا اسد اللہ خاں غالب کا شمار اردو کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی خطوط کے ذریعے ایک نئی طرز کی ایجاد کی۔
- غالب کے خطوط کے ذریعے دہلی کی سیاسی، سماجی، معاشرتی زندگی، زوال پذیر تہذیب، مغلیہ سلطنت کا زوال، انگریزوں کے ظلم و ستم کی تاریخ ہم تک پہنچتی ہے۔
- مرزا ہر گوپال تفتہ اور میر مہدی حسین مجروح، مرزا غالب کے دوست تھے۔
- مولانا آزاد کی خدمات کے اعتراف میں بھارت سرکار ان کے یوم پیدائش 11 نومبر کو National Education Day یا قومی یوم تعلیم کے طور پر مناتی ہے۔
- "غبار خاطر" مولانا آزاد کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا آزاد نے 1945-1942 کے دوران احمد نگر قلعے میں قید کے زمانے میں نواب حبیب الرحمن خاں شروانی کے نام لکھے۔
- ان خطوط کی زبان بلند پایہ، شگفتہ، علامتی، اسلوب علمی اور فکری، اور انداز خود کلامی ہے۔
- مولانا آزاد نے خط میں اپنے دوست کو چڑیا چڑے کی کہانی سنائی ہے۔
- اندرا گاندھی جواہر لعل نہرو کی بیٹی تھیں اور جب وہ مسوری میں تھیں تو نہرو جی انھیں خط لکھ کر دنیا، فطرت، تاریخ اور تہذیب جیسے موضوعات آسان اور دلچسپ انداز میں سمجھاتے تھے۔
- اس سبق میں شامل خط میں نہرو نے زمین کے بننے کے عمل اور نظام شمسی کے بارے میں دلچسپ باتیں بتائی ہیں۔

15.7 نمونہ امتحانی سوالات

15.7.1 معروضی سوالات:

1۔ 'چڑیا چڑے کی کہانی' میں مصنف نے کسے مہمان کہا ہے؟

(a) اپنے دوست کو (b) جیلر کو (c) باورچی کو (d) چڑیا کو

2۔ 'چڑیا چڑے کی کہانی' میں مصنف نے باورچی خانے سے کیا منگوایا؟

(a) چاول (b) آٹا (c) بسکٹ (d) سگریٹ

3۔ 'چڑیا چڑے کی کہانی' میں مصنف نے کس کو قلندر کہا؟

(a) چڑیا کو (b) خود کو (c) معمار کو (d) کسی کو نہیں

4۔ غالب نے کس شہر کو دارالسرور کہا ہے؟ رامپور

(a) دہلی (b) آگرہ (c) رامپور (d) حیدرآباد

5۔ جواہر لعل نہرو نے کس کو خطوط لکھے؟

(a) مولانا آزاد (b) گاندھی جی (c) اندرا گاندھی (d) راجہ دھولپور کو

6۔ جواہر لعل نہر نے جب اندر گاندھی کو خط لکھے تو ان کی عمر کیا تھی؟

(a) دس سال (b) بارہ سال (c) پندرہ سال (d) اٹھارہ سال

7۔ سیاروں کو روشنی کہاں سے ملتی ہے؟

(a) سورج سے (b) چاند سے (c) آسمان سے (d) کہیں سے نہیں ملتی

8۔ حقیقی سیارے کیسے ہوتے ہیں؟

(a) چاند کی طرح (b) زمین کی طرف (c) تاروں کی طرح (d) سورج کی طرح

9۔ سورج کی گرمی کو ٹھنڈا ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟ کروڑوں سال

(a) ہزاروں سال (b) کروڑوں سال (c) لاکھوں سال (d) ایک صدی

10۔ غالب نے اپنے خط میں کس شہر کے لوگوں کے خائف ہونے کے بارے میں پوچھا ہے؟

(a) دہلی (b) دھولپور (c) آگرہ (d) رامپور

15.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مولانا آزاد نے اپنے کمرے کا منظر کس طرح پیش کیا ہے؟

2۔ اپنے حریفوں سے صلح کرنے کے لیے مصنف نے کیا تدابیر اختیار کیں؟

3۔ سیاروں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

4۔ علم ہیئت جاننے والے ستاروں کے بارے میں کیا بتاتے ہیں؟

5۔ مرزا غالب نے مرزا ہر گوپال تفتہ سے کیا شکایت کی اور کیوں؟

15.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ خط کی تعریف اور مقصد بیان کرتے ہوئے غالب کے خطوط کا جائزہ لیجیے۔

2۔ چڑیا چڑے کی کہانی کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ ہماری زمین کیسے بنی؟ جواہر لعل نہرو کے خطوط کی روشنی میں تفصیل سے لکھیے۔

15.7.1 کے جوابات: 1۔d 2۔a 3۔a 4۔c 5۔c

6۔a 7۔a 8۔d 9۔b 10۔c

اکائی 16: سیرت

(سیرت النبی ﷺ اور دیگر اکابرین کی سیرتیں)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید
16.1 مقاصد
16.2 سیرت نگاری
16.2.1 سیرت النبی
16.2.2 مشکل الفاظ
16.2.3 مشقیں
16.3 اکابرین کی سیرتیں
16.3.1 مشکل الفاظ
16.3.2 مشقیں
16.4 اکتسابی نتائج
16.5 نمونہ امتحانی سوالات

16.0 تمہید

سیرت ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی لغت میں چال، طریقہ، روش یا طرزِ زندگی کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں سیرت سے مراد ہے: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی، اخلاق، عادات، اقوال و افعال اور آپ کے زندگی کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا جامع جائزہ لینا۔ آپ کا بچپن، جوانی، اعلانِ نبوت، تبلیغ، ہجرت، جہاد، معاشرت، عبادات، اور اخلاقِ حسنہ۔ سیرت کا مطالعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ زندگی کے مختلف مراحل اور آزمائشوں میں ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے، تاکہ ہم اللہ کے محبوب بندے ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ایک بہتر انسان بن سکیں۔

اگرچہ لفظ "سیرت" کا استعمال زیادہ تر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے لیے کیا جاتا ہے، تاہم اس کا لغوی مفہوم زندگی کا طرز، کردار اور رویہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ لفظ کسی بھی شخص کی زندگی اور کردار کے بیان کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سیرتِ اولیاء میں اولیائے کرام کی زندگیوں پر مبنی کتب لکھی جاتی ہیں اور اکابرین کی سیرت میں علما، شعرا، ادبا اور دیگر اہم شخصیات کی زندگی کا بیان کیا جاتا

ہے۔ عام افراد کی سیرت لکھنے کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیوں کو اجاگر کیا جاسکے، ان کے عملی تجربات سے دوسروں کو سیکھنے کا موقع ملے اور ان کی تحریک انگیز زندگی نئی نسل کو متاثر کرے۔ ایسی تحریریں عموماً سوانح عمری یا سوانحی خاکے کہلاتی ہیں، لیکن اگر ان میں کردار، اخلاق اور طرزِ زندگی پر زور ہو تو انھیں سیرت بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس اکائی میں ہم سیرت النبی اور دیگر اکابرین کی سیرت کا مطالعہ کریں گے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سیرت کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے واقف ہو سکیں۔
- پیغمبر اسلام کی سیرت سے واقف ہو سکیں۔
- اکابرین کی سیرت لکھنے کے مقاصد کو سمجھ سکیں۔

16.2 سیرت نگاری

16.2.1 سیرت النبی:

پیغمبر اسلام کا نام حضرت محمد ﷺ تھا۔ آپ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے۔ مکہ عرب دیس کا ایک مشہور شہر ہے۔ عرب دیس میں بہت سے خاندان تھے۔ سب سے عزت والا خاندان قریش کا تھا۔ آپ ﷺ قریش خاندان سے تھے۔ آپ ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ آپ ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ دائی حلیمہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ آپ ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب چھ برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر دادا عبد المطلب نے آپ ﷺ کو پالا پوسا۔ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا بھی انتقال فرما گئے۔ پھر چچا ابو طالب نے پالا۔ چچا نے بڑی محبت سے پالا۔ ہمیشہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ بچپن ہی سے بڑے سچے تھے۔ سب لوگ آپ ﷺ کو صادق کہتے تھے۔ آپ ﷺ بڑے امانت دار تھے۔ لوگ اپنی چیزیں، مال و اسباب حفاظت کے خیال سے آپ کے پاس رکھ دیتے اور جب طویل مدت کے بعد اپنی چیزیں واپس مانگتے تو آپ ﷺ ان کی چیزوں کو جوں کا توں واپس کر دیتے۔ سب لوگ آپ ﷺ کو امین کہتے تھے۔ سب آپ ﷺ کی عزت کرتے تھے۔

جب آپ ﷺ پچیس سال کے ہوئے تو بی بی خدیجہ سے شادی کر لی۔ اس وقت بی بی خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ وہ ایک شریف خاندان کی بیوہ خاتون تھیں۔ بی بی خدیجہ بڑی نیک تھیں۔ انہوں نے ہر مشکل وقت میں اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔

جب چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا۔ یعنی اپنے ایک خاص فرشتے جبرئیل کے ذریعے آپ ﷺ پر قرآن اتارا، تاکہ آپ خود بھی اسلام کی تعلیمات پر چلیں اور لوگوں کو بھی دین اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ اللہ کے حکموں پر چلتے تھے۔ سب کو اللہ کی باتیں بتاتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس لیے صرف اللہ کی عبادت کرنا چاہیے۔ اسی کو توحید کہتے ہیں یعنی صرف ایک خدا کو ماننا، جو دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

اچھے لوگ آپ ﷺ کی باتیں مانتے گئے اور مومن کہلائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے، لیکن جو برے تھے انہوں نے آپ ﷺ کی باتیں ماننے سے انکار کیا۔ وہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کے بھی دشمن ہو گئے۔ آپ ﷺ کو ستانے لگے، آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی ستانے لگے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی اپنا کام کرتے رہے۔ لوگوں کو اللہ کی باتیں بتاتے رہے۔ اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ آخر اللہ کی مدد آئی۔ بُرے لوگوں کا زور ٹوٹا۔ عرب کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔ کوئی انکار کرنے والا نہیں رہا۔ سب کا دین اسلام ہو گیا۔

سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر

درود ہو رسول اللہ ﷺ پر

آپ ﷺ کی تعلیمات:

- پاک صاف رہو، پاکی اور صفائی آدھا ایمان ہے۔
- علم حاصل کرنا فرض ہے۔
- تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سیکھائے۔
- اچھا وہی ہے جسے اُس کے ساتھی اچھا کہیں۔
- بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار، جو ایسا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔
- برے ساتھی سے تنہا رہنا بہتر ہے۔
- جو اپنے لیے پسند کرو، وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو۔
- سچ بولو، چاہے اپنا ہی نقصان ہو۔
- مومن کو اپنے پڑوسی کی عزت کرنی چاہیے۔

16.2.2 مشکل الفاظ:

اخلاق	اچھے برے رویوں کا معیار	Morality, ethics
افعال	اعمال، کیے گئے کام	Actions, deeds
جامع	مکمل، ہر پہلو کو شامل	Comprehensive
تبلیغ	پیغام پہنچانا	Preaching, propagation
ہجرت	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا	Migration
معاشرت	سماجی زندگی، میل جول	Social life
اخلاقِ حسنہ	عمدہ عادات	Good manners, noble character
پیروی	اتباع، کسی کے نقش قدم پر چلنا	Following, imitation
اکابرین	بڑے، معزز اور قابلِ احترام افراد	Elders, respected personalities
تحریک انگیز	متاثر کن، جو عمل پر اُبھارے	Inspirational
سوانح عمری	زندگی کی تفصیل، حالاتِ زندگی	Biography

سوانحی خاکہ	مختصر حالاتِ زندگی	Biographical sketch
دائی	دودھ پلانے والی خاتون	Wet nurse
صادق	سچا، جھوٹ نہ بولنے والا	Truthful
امین	امانت دار، بھروسہ مند	Trustworthy / Reliable
بیوہ	شوہر کی وفات کے بعد تنہا عورت	Widow
نبی	پیغمبر، اللہ کا بھیجا ہوا بندہ	Prophet
توحید	ایک خدا پر یقین (مونو تھیزم)	Oneness of God
مومن	سچا مسلمان	Believer
تعلیمات	سکھائی گئی باتیں، ہدایات	Teachings

16.2.3 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دی گئی خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

1۔ حضرت محمد ﷺ کا تعلق __________ خاندان سے تھا۔

2۔ بی بی خدیجہؓ نے ہر __________ وقت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔

3۔ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کو __________ اور __________ کہتے تھے۔

4۔ سیرت کا مطلب ہے کسی شخص کی __________ اور __________ کا بیان۔

5۔ جب حضرت محمد ﷺ چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے آپ ﷺ کو __________ بنایا۔

مشق 2: ہر جملے کو غور سے پڑھو اور اس میں سے واحد (Singular) اور جمع (Plural) الفاظ تلاش کرو۔

1۔ حضرت محمد ﷺ بچوں سے پیار کرتے اور بڑوں کا ادب کرتے تھے۔

2۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سچ بولیں اور جھوٹ سے بچیں۔

3۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

4۔ بی بی خدیجہ ایک نیک خاتون تھیں اور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیتی رہیں۔

5۔ سیرت کی کتابیں ہمیں اچھے اخلاق سکھاتی ہیں۔

مشق 3: درج ذیل مرکب لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔ آپ کی مدد کے لیے ان کے معنی بھی لکھے جا رہے ہیں۔

1۔ **سیرتِ نبوی** (نبی کریم ﷺ کی زندگی) ....

2۔ اخلاقِ حسنہ (عمدہ اور اچھے اخلاق) ....

3۔ علمِ نبوت (پیغمبری کا علم) ....

4۔ دعوتِ اسلام (اسلام کی طرف بلانا) ....

5۔ اتباعِ رسول (رسول ﷺ کی پیروی) ....

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کا جواب لکھیے۔

1۔ حضرت محمد ﷺ کی پہلی زوجہ کا نام کیا تھا؟

2۔ نبی کریم ﷺ کہاں پیدا ہوئے تھے؟

3۔ آپ ﷺ کو قرآن کس فرشتے کے ذریعے نازل ہوا؟

4۔ نبی کریم ﷺ کے والد کا نام کیا تھا؟

5۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کو کس چیز سے روکا؟

16.3 اکابرین کی سیرتیں

رابندر ناتھ ٹیگور

ٹیگور ہندوستان کے نہیں، دنیا کے بہت بڑے شاعر تھے۔ بہت بڑے سنگیت کار تھے۔ بہت بڑے مصوّر تھے۔ سب باتوں کے ساتھ ساتھ انسان بھی تھے، بہت بڑے انسان، جس سے ملتے برابری سے ملتے۔ بہت اخلاق سے ملتے۔ جس کسی سے ملتے اس کی حیثیت کے مطابق باتیں کرتے۔

انھوں نے ایک زمین دار یا جاگیر دار کے گھر میں آنکھیں کھولی تھی۔ لیکن ان کی سادہ زندگی قابل رشک تھی۔ سادہ لباس پہنتے تھے۔ کھانے میں کسی قسم کا تکلّف نہیں۔ ہمیشہ سادہ غذا کھاتے تھے۔ اپنے شاگردوں کو بھی یہی مشورہ دیتے تھے۔ "سادہ اور قدرتی اصولوں پر زندگی بسر کرو۔"

ٹیگور کو استاد کی حیثیت سے بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ ہندوستان کے پرانے رِشیوں کی طرح انھوں نے ہمارے لیے ایک لازوال ترکہ چھوڑا ہے اور وہ ہے شانتی نکیتن۔ انھوں نے کلکتہ سے نوے 90 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے اسکول کی بنیاد ڈالی۔ یہاں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اس اسکول کو چلانے میں انھیں بڑی مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پوری کا گھر بیچا، بیوی کے زیورات فروخت کیے اور تھوڑی بہت امداد باہر سے حاصل کی۔ خدا خدا کر کے اسے وشو ابھارتی کی شکل دی اور اب اس ادارے کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا۔

لافانی شاہکار گیتا نجلی کا خالق اور قومی ترانہ کا جن داتا 7 اگست 1941ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اَرتھی کے ساتھ کئی میل لمبا جلوس تھا۔ اس جلوس میں ہندو بھی تھے، مسلمان بھی تھے، عیسائی بھی تھے اور سکھ بھی تھے۔ دوسرے ملکوں کے وہ لوگ بھی تھے جو کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور یہ سب شاعر اعظم کے آخری درشن کے لیے بے تاب تھے، بے قرار تھے۔

16.3.1 (الف) مشکل الفاظ:

مصوّر	تصویر کش، فنونِ تصویری کا ماہر	Painter, Artist in visual arts
تکلّف	غیر ضروری تکلیف یا فضول رسم	Unnecessary formality
لازوال	جو کبھی ختم نہ ہو، دائمی	Immortal, Everlasting
ترکہ	وراثت، چھوڑا ہوا خزانہ	Legacy, Inheritance
دشواری	مشکل، پریشانی	Difficulty, Trouble
شاہکار	بہترین تخلیق، اعلیٰ معیار کی چیز	Masterpiece
ارتھی	مردہ کے جسم کو لے جانے والی پگڈنڈی	Funeral bier
لافانی	جو ختم نہ ہو، ہمیشہ کے لیے	Immortal, Eternal

ویر عبدالحمید

ایک فوجی کے لیے اپنے ملک کی حفاظت کرنا سب سے بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، وہ اپنی جان سے زیادہ اپنے ملک سے محبت کرتا ہے۔ ملک کی عظمت اور شان کے لیے مر مٹنے کو تیار رہتا ہے۔ کئی ایسے مواقع آئے کہ ہمارے ملک کے عظیم جاں باز فوجیوں نے ملک کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ وطن پر اپنی جان نچھاور کرنے والوں میں ایک نام ویر عبدالحمید کا بھی ہے۔ ان کی پیدائش 1 جولائی 1933 کو اتر پردیش میں ضلع غازی پور کے گاؤں دھامو پور میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام محمد عثمان اور والدہ کا نام سکینہ بیگم تھا۔

ان کا تعلق غریب گھرانے سے تھا۔ ان کے والد گزر بسر کے لیے کپڑوں کی سلائی کا کام کیا کرتے تھے۔ عبدالحمید بھی اپنے والد کے کام میں ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ انھیں بچپن سے ہی کشتی لڑنے، ندی میں تیرنے اور غلیل سے نشانہ لگانے کا شوق تھا۔

ایک بار ان کے گھر کے قریب کی ندی میں سیلاب آگیا۔ اس سیلاب سے غازی پور ضلع کے پدم پور اور پاس کے علاقے پانی میں ڈوب گئے۔ اس وقت آس عبدالحمید نے اپنی جان کی بازی لگا کر کئی لوگوں کو ڈوبنے سے بچالیا۔ وہ بچپن سے ہی جیالے تھے کسی کے ساتھ نا انصافی ہوتے دیکھنا ان کو سخت ناگوار تھا۔ ایک بار ان کے گاؤں کے زمین دار نے ایک غریب کسان کی فصل کو زبردستی ہتھیانے کی کوشش کی۔ زمین دار نے اپنے آدمیوں کو کٹی ہوئی فصل لوٹ کر لانے کو بھیجا۔ عبدالحمید اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے تن تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور کسان کی فصل کو بچالیا۔

ویر عبدالحمید لوگوں سے ہی نہیں اپنے وطن سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ اسی حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر انھوں نے ہندوستانی فوج میں شامل ہونے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ 27 دسمبر 1953 کو فوج میں ان کی بھرتی ہوئی۔ ٹریننگ کے بعد انھیں نصیر آباد چھاؤنی بھیج دیا گیا۔ یہاں فوجی تربیت دینے والے افسران اُن کی فرض شناسی سے بہت خوش رہتے تھے۔

ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد عبد الحمید کو 4 گرینیڈیئرس کی دسی، کمپنی میں تعینات کیا گیا۔ اپنی بٹالین کے ساتھ وہ آگرہ، امرتسر، جموں وکشمیر، دہلی اور رام گڑھ میں خدمت انجام دیتے رہے۔ 1962 میں ہندوستان اور چین کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس وقت عبد الحمید فوج کے جس دستے میں شامل تھے وہ 7 انفینٹری بریگیڈ کا حصہ تھا۔ یہ وہ بریگیڈ تھی جس نے چین کے فوجیوں کو ناکوں چنے چبوا دیے۔ ان کی بٹالین نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی بہادری اور حوصلے کو دیکھتے ہوئے حکومت نے انھیں کئی فوجی اعزازات سے نوازا۔

1965 میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ میں ہندوستانی فوجیوں نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ اس جنگ میں ویر عبد الحمید اپنے انفرادی کارنامے کے لیے جانے جاتے ہیں۔ جنگ کے دوران وہ کمپنی کواٹر ماسٹر حوالدار کی حیثیت سے کھیم کرن سیکٹر میں تعینات تھے۔ اس جنگ میں پاکستانی فوج نے پین ٹینکوں کے ساتھ حملہ کیا۔ پاکستانی فوج گولہ باری کرتے ہوئے پینوپل کے راستے ہمارے ملک کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عبد الحمید زبردست نشانے باز تھے۔ انھوں نے اُس زمانے کی مشہور آر سی ایل گن سے لگاتار گولہ باری کرکے اس پل کو ہی اڑا دیا۔ اب باری ان ٹینکوں کی تھی جو ہندوستان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عبد الحمید نے ایک جیپ پر لگی آر سی ایل گن کے ساتھ فوج کی ایک ٹکڑی کی کمان سنبھال رکھی تھی۔ انھوں نے دشمن فوج کی نظر سے بچ کر اپنی جیپ کو ایک ٹیلے کی آڑ میں محفوظ کر لیا اور یہاں سے پاکستانی ٹینکوں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے دشمن کے کئی پیٹن ٹینک تباہ کر دیے۔

اتفاق سے اسی درمیان وہ دشمن کی نظر میں آ گئے۔ حملہ آوروں نے اُن کی جیپ پر زبردست حملہ کیا۔ ویر عبد الحمید ہمت ہارے بغیر بلا خوف اپنے مقام پر ڈٹے رہے اور مسلسل گولہ باری کرتے رہے۔ انھوں نے 9 ستمبر 1965 کو دشمنوں کے تین ٹینک تباہ کر دیے جس کے لیے اسی شام حکومت ہند نے انھیں پرم ویر چکر دینے کا اعلان کر دیا۔ دوسرے روز 10 ستمبر کو انھوں نے دشمنوں کے مزید کئی ٹینک تباہ کر دیے۔ گرچہ وہ اس مہم میں بری طرح زخمی ہو چکے تھے اس کے باوجود انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور آخر دم تک دشمنوں کا مقابلہ کرتے اور اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔

ان کی سانس رکتے وقت ان کا آخری جملہ تھا "ساتھیو آگے بڑھو۔" دورانِ جنگ 10 ستمبر 1965 کو گولی لگنے سے جب اُن کی شہادت ہوئی اُس وقت ان کی عمر 32 برس تھی۔ ان کی ناقابل فراموش بہادری، ترغیب آفریں قیادت اور عظیم قربانی کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے عبد الحمید کو پس از مرگ سب سے بڑے فوجی اعزاز پرم ویر چکر سے نوازا۔ محکمہ ڈاک نے ان کے نام کا ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا اور اُن کی یاد میں ان کے گاؤں کا نام عبد الحمید دھام رکھا گیا۔

آج بھی پورے ہندوستان میں ویر عبد الحمید کا نام بڑے عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے ملک کے ان عظیم فوجیوں میں تھے جن میں جذبہ حب الوطنی، شجاعت اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ملک کی سالمیت اور قومی یک جہتی کے علم بردار تھے۔ انھوں نے نہ صرف فوج کے وقار کو بڑھایا بلکہ دوسرے فوجیوں کے لیے حوصلہ مندی کی مثال بھی قائم کی۔

16.3.1 (ب) مشکل الفاظ:

نچھاور	قربان کرنا، نذر کرنا	Devote, Sacrifice
سیلاب	بہت زیادہ پانی آنا، طغیانی	Flood

جیالے	بہادر، نڈر، جری شخص	Brave, Spirited
ناگوار	ناپسندیدہ، برا لگنے والا	Unpleasant, Offensive
ہتھیانے	زبردستی قبضہ کرنا	Snatch, Seize
زیادتی	ناانصافی، ظلم	Injustice, Oppression
حب الوطنی	وطن سے محبت	Patriotism
سرشار	پرُجوش، لبریز	Filled with emotion, Enthusiastic
فرض شناسی	ذمے داری سے کام لینا	Sense of duty
تعینات	مقرر کیا گیا، تعین کیا گیا	Appointed, Deployed
بٹالین	فوج کا ایک بڑا یونٹ	Battalion
نمایاں	واضح، ممتاز	Prominent, Distinguished
اعزازات	انعامات، اعزاز	Awards, Honors
ٹینک	جنگی گاڑی	Tank
آر سی ایل گن	ایک خاص قسم کی توپ	RCL Gun (Recoilless Rifle)
کمان سنبھالنا	قیادت کرنا	Take command, Lead
پرم ویر چکر	بھارت کا سب سے بڑا فوجی اعزاز	India's highest military award
پس از مرگ	وفات کے بعد	Posthumously
ناقابل فراموش	جو بھلایا نہ جاسکے	Unforgettable
ترغیب آفریں	حوصلہ بڑھانے والا	Inspirational
سالمیت	مکمل ہونا، اتحاد	Integrity, Unity
قومی یک جہتی	قوم میں اتحاد و ہم آہنگی	National unity
علم بردار	نمائندہ، پیش رو	Flag bearer, Representative

ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن

ہمارے ملک میں اساتذہ کی حیثیت ایک نعمت کی رہی ہے جن سے استفادہ کا سلسلہ صدیوں سے آج تک جاری ہے۔ ان کے دیے ہوئے سبق کی روشنی صرف کلاس کے کمروں تک ہی محدود نہیں بلکہ ساری دنیا میں پھیلتی رہی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن ہیں جو فلسفے میں غیر معمولی حیثیت رکھنے والے استاد تھے۔ وہ پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے دماغوں کو روشن کرنے والے اپنے لیکچر اور

علمی کتابوں کے ذریعے ہندوستانی فلسفے کو مغربی ملکوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

رادھا کرشنن 5 ستمبر 1888 کو تیروتانی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سروپلی ویر سومیا اور ماں کا نام سیتا تا تھا۔ سروپلی آندھرا پردیش کا ایک گاؤں ہے جہاں سے رادھا کرشنن کے بزرگ ہجرت کر کے تامل ناڈو میں آباد ہو گئے تھے۔ ویر سومیا ایک زمینداری میں بہت معمولی ملازم تھے۔

رادھا کرشنن کی اسکولی تعلیم پہلے تیروتانی اور بعد میں تروپتی کے لوتھیرن مشن اسکول میں ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے ویلور کے وورہیں (Voorhees) کالج میں تعلیم حاصل کی۔

ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے بچپن میں نامساعد حالات، مالی مشکلات اور دوسرے خانگی مسائل کے باوجود اپنی ہمت اور حوصلے سے بلند ترین مقامات حاصل کیے۔ وظیفوں کی مدد سے انھوں نے اپنی ابتدائی اور ثانوی تعلیم مکمل کی۔ ان کی صلاحیت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے ان کے اساتذہ کا مشورہ تھا کہ انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ خود ان کی بھی خواہش تھی لیکن ممکن نہ ہو سکا۔ اپنے خاندان کی قلیل آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے انھیں دوران طالب علمی میں ہی کام کرنا پڑا۔ انھیں اپنے وہ سونے کے تمغے بھی فروخت کرنے پڑے جو انھیں کئی امتحانوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے پر ملے تھے۔ اپنے ملک میں رہ کر ہی انھوں نے اپنی ذہانت، محنت اور لگن سے اعلیٰ ترین تعلیمی سفر، شاندار کامیابی کے ساتھ طے کیا اور ایک منفرد مقام حاصل کیا۔

ایم۔ اے کے بعد رادھا کرشنن 1909 میں مدراس پریسیڈنسی کالج میں اسسٹنٹ لیکچرر ہو گئے۔ یہ ان کی تدریسی زندگی کا آغاز تھا۔ انھوں نے ہندوستانی کلاسیکی فلسفے کو سمجھنے کے لیے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا جن میں اپنشد، بھگوت گیتا اور بدھ مت کی بنیادی تحریریں خاص ہیں۔ انھوں نے چینی اور مغربی ملکوں کے فلسفے کا بھی مطالعہ کیا مغربی فلسفے نے ڈاکٹر رادھا کرشنن کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا۔ رفتہ رفتہ پتلا دبلا سا جسم، بڑا سا سر، چشمہ لگائے، کھلی روشن پیشانی، پتلی عقابی ناک، ایک لمبا پیلا سا کوٹ، سفید پگڑی اور بے داغ سفید دھوتی میں ملبوس شخص علمی دنیا کے لیے ایک جانی پہچانی شخصیت بنتا چلا گیا۔

مدراس کے پریسیڈنسی کالج کے طالب علموں کا کہنا ہے کہ ان کا لیکچر موضوع کی وضاحت اور سادگی میں بے مثال ہوتا تھا۔ اس نوجوان استاد کا ان کے طالب علم دل سے احترام کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی کلاس میں ایک لفظ سخت نہیں کہا مگر ان کی کلاس کا نظم وضبط سب سے بہتر تھا۔

ایک مثالی اور ممتاز استاد کی حیثیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ رادھا کرشنن نے کئی علمی مضامین لکھے جو دنیا کے اہم جریدوں میں شائع ہوئے، جن سے لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کی علمیت، قابلیت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے 1918 میں رادھا کرشنن کو میسور یونیورسٹی میں فلسفے کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کی پہلی کتاب دی فلاسفی آف رابندرناتھ ٹیگور (The Philosophy of Rabindranath Tagore) کے عنوان سے شائع ہوئی۔ دو سال بعد 1920 میں اُن کی دوسری کتاب The Reign of Religion in The

Contemporary Philosophy منظر عام پر آئی۔

ان دو کتابوں اور ان کے علمی مضامین جو بین الاقوامی شہرت یافتہ رسالوں میں شائع ہوئے تھے، ان کو ہندوستان کے علمی طبقے نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ڈاکٹر رادھاکرشنن کو کلکتہ یونیورسٹی میں جارج پنجم: پروفیسر آف فلاسفی کی قابل قدر جگہ پر مقرر کیا گیا۔

میسور کے اپنے تین برس کے قیام کے دوران طالب علموں سے اپنے خصوصی رشتے اور تعلق کی وجہ سے وہ ہر دل عزیز ہو گئے تھے۔ وہ اپنے ہر طالب علم کو پہچانتے اور یاد رکھتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا انھوں نے ایک الگ نام بھی رکھ لیا تھا۔ جب کوئی طالب علم برسوں بعد بھی ان سے کہیں ملتا تو رادھاکرشن اس کا وہی نام لے کر مسکراتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے تھے۔

اسی پیار اور قربت کا سچے دل سے اعتراف کرتے ہوئے میسور کے طالب علموں نے ان کو بالکل نئے انداز سے رخصت کیا۔ طالب علموں نے اپنے استاد رادھاکرشنن کو ایک گاڑی میں بٹھایا اور اپنی پوری جسمانی قوت سے اس گاڑی کو کھینچتے ہوئے اسٹیشن تک لے گئے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ ان سے جدا ہوں، لیکن اگلی کامیابیاں ڈاکٹر صاحب کا انتظار کر رہی تھیں۔ 1923 میں کلکتہ سے انھوں نے وہ کتاب شائع کی جو ان کی زندگی کا شاہکار ہے۔ اس کتاب کا نام ہے انڈین فلاسفی (Indian Philosophy)۔ یہ رادھاکرشنن کی کتاب کا ہی فیض تھا کہ فلسفے کے مطالعات میں ہندوستانی فلسفہ کو ایک اہم اور خصوصی شاخ کے طور پر شامل کیا گیا۔

ڈاکٹر سرو پلی رادھاکرشنن کی علمی لیاقت کو دیکھتے ہوئے برطانیہ میں آکسفورڈ یونیورسٹی نے انھیں دعوت دی کہ وہ ہندو نظریہ حیات کے موضوع پر وہاں لیکچر دیں۔ بعد میں یہ عام لیکچر کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ ان لیکچروں کے بعد رادھاکرشنن کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ برائے مذاہب کا تقابلی مطالعہ (Department of Comparative Religions) میں صدر کی جگہ کے لیے منتخب کیا گیا۔

1931 میں انھیں آندھرا یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنایا گیا۔ اس نئی ذمے داری میں انھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا زبردست مظاہرہ کیا۔ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے بھی وائس چانسلر رہے۔

اپنی تمام علمی، تعلیمی اور انتظامی مصروفیات کے باوجود ڈاکٹر رادھاکرشنن انگریزی راج کے خلاف ہندوستان کے مطالبوں کو بہترین اور مؤثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور 1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے ان سے درخواست کی کہ وہ یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کی صدارت سنبھال لیں۔ اس کمیشن میں ہندوستان اور بین الاقوامی سطح کے تعلیم کے ماہرین شامل تھے اور انھیں تعلیمی نظام کا ایک ایسا خاکہ تیار کرنا تھا جس میں ہندوستانیت پائی جاتی ہو اور یہ نظام نو آبادیاتی طرز فکر اور تصورات سے آزاد ہو۔

اپنے ملک کے تعلیمی اور معاشرتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے ان کی کوششیں سب پر عیاں تھیں۔ اسی لیے 1952 سے 1962 تک نائب صدر جمہوریہ کی حیثیت سے دو مدتیں پوری کرنے کے بعد ڈاکٹر سرو پلی رادھاکرشنن 1962 میں ہندوستان کے صدر جمہوریہ بنائے گئے۔ 1954 میں رادھاکرشنن کو ہندوستان کے سب سے بڑے اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا یوم پیدائش، یوم اساتذہ کے طور پر منایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ 5 ستمبر کو ملک بھر میں یوم اساتذہ کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

1967 میں صدر جمہوریہ کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے۔ 17 اپریل 1975 کو لاکھوں ہندوستانیوں کو غمگین اور اداس چھوڑ کر یہ عظیم شخصیت اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے افکار و نظریات ہماری رہنمائی کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا "تم فلسفی ضرور ہو جاؤ لیکن اپنی شہرت کے اعلیٰ مقام پر بھی آدمی ہی رہو۔"

16.3.1 (ج) مشکل الفاظ:

استفادہ	فائدہ اٹھانا	Benefit, Take advantage
غیر معمولی	عام سے بڑھ کر، خاص	Extraordinary
نامساعد	ناساز گار، مشکل	Unfavorable, Difficult
وظیفہ	تعلیم کے لیے مالی امداد	Scholarship
خانگی	گھریلو	Domestic
تدریسی	تعلیم دینے سے متعلق	Teaching-related
وضاحت	صاف بیان کرنا	Explanation
نظم وضبط	اصول و قواعد، ترتیب	Discipline
تقابلی	مقابلہ یا موازنہ کرنے والا	Comparative
نو آبادیاتی	استعماری نظام سے متعلق	Colonial
عیاں	ظاہر، نمایاں	Obvious, Evident
رہنمائی	رہبری، درست راستہ دکھانا	Guidance
سبک دوش	ریٹائر، منصب سے علیحدہ ہونا	Retired, Relieved from duty

رضیہ سلطانہ

رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی ملکہ تھی جو دہلی کے تخت پر بیٹھی۔ وہ دہلی کے بادشاہ التمش کی بیٹی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں میں رضیہ سب سے زیادہ ذہین، محنتی اور ہوشیار تھی۔ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بیٹے عیش پسند ہیں، بیٹی کے علاوہ کوئی اور حکومت چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس نے اپنے آخری دنوں میں چاندی کے سکے پر رضیہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔

التتمش کی وفات کے بعد دربار میں وزیر نے جب بادشاہ کی وصیت پڑھ کر سنائی تو ترک امیروں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ایک عورت دہلی کے تخت و تاج کی مالک ہو۔ رضیہ نے یہ دیکھا تو امیروں سے کہا: " میرے عورت ہونے پر اعتراض ہے تو میں امن کی خاطر اپنے بھائی رکن الدین کا نام پیش کرتی ہوں۔ آؤ ہم سب مل کر اس سے وفاداری کا عہد کریں۔"

لیکن حکومت ہاتھ آتے ہی رکن الدین عیش و آرام میں پڑ گیا۔ اس کی ماں ایک حاسد عورت تھی۔ اس نے دوسری بیگمات اور ان

کے بچوں کو طرح طرح سے پریشان کیا۔ وہ سوتیلی بیٹی رضیہ کی مقبولیت سے جلنے لگی۔ مگر جلد ہی رکن الدین اپنی عیش پسندی اور اپنی ماں کی زیادتیوں کی وجہ سے اس قدر بدنام ہو گیا کہ دہلی کے لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دہلی کے عوام رضیہ کی خوبیوں اور التمش کی وصیت سے واقف تھے۔ ان میں ایک بزرگ صوفی کاظم الدین زاہد نے رضیہ کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

رضیہ نے تخت نشینی کے بعد نہایت بہادری سے مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ فوج کی کمان خود سنبھالتی تھی۔ اس نے بادشاہوں کی طرح" قبا" اور "کلاہ پہنی۔ اپنے نام کے سکے جاری کیے۔ سلطنت میں امن قائم کیا، انتظام کو بہتر بنایا اور عوام کی خوش حالی کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ تجارت کو فروغ دیا، سڑکیں بنوائیں، درخت لگوائے اور کنویں کھدوائے۔ اس نے مدرسے اور سرکاری کتب خانے بھی قائم کیے۔ رضیہ سلطان کو خود بھی پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ وہ اچھی گھوڑ سوار تھی۔ اور اسے جنگی اسلحوں کے استعمال کا ہنر بھی آتا تھا۔ اس کی حکومت بنگال سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔

رضیہ سلطان با قاعدہ دربار لگاتی تھی۔ اس نے برابری اور بھائی چارے کو عام کیا۔ رضیہ سلطان نے حکومت کے اختیارات کو چالیس امیروں میں بانٹا جن سے وہ ملکی معاملات میں مشورہ کرتی تھی۔ اس نے " میر آخور" کا سب سے بڑا عہدہ ایک حبشی غلام یاقوت کو دیا کیونکہ وہ ایمان دار اور جفاکش تھا۔ یہ اہم عہدہ اب تک صرف ترک امیروں کو ملتا تھا۔ یہ بات ترک امیروں کو پسند نہیں آئی۔ انھوں نے رضیہ کو تخت سے اتارنے کی سازش کی اور بھٹنڈا کے گورنر التونیہ کو بہکا کر بغاوت کروادی۔ جب وہ بغاوت کو کچلنے کے لیے پنجاب میں بھنڈا پہنچی تو اس کے سپاہی طویل سفر اور گرمی سے پریشان ہو چکے تھے۔ اگرچہ دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر رضیہ کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ قید کر لی گئی۔ ادھر دلی میں سازشیوں نے رضیہ کے بھائی بہرام کو تخت پر بٹھا دیا اور بڑے بڑے عہدے آپس میں بانٹ لیے۔ بہرام کمزور بادشاہ ثابت ہوا۔ التونیہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے رضیہ سے معافی مانگی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔

اب رضیہ اور التونیہ نے دلی کا تخت واپس لینے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کچھ ترک امیروں اور راجپوتوں کی مدد سے دہلی پر حملہ کیا۔ مخالف امیروں نے سوچا کہ رضیہ دلی میں بڑی مقبول ہے اگر اس کی فوجیں یہاں پہنچ گئیں تو اس کے مددگار اٹھ کھڑے ہوں گے اس لیے جنگ دلی سے دور ہونی چاہیے۔ چنانچہ بہرام کی فوج نے رضیہ کو راستے ہی میں روک دیا۔ شاہی فوج تعداد میں زیادہ تھی اور اس کے پاس بہتر ہتھیار بھی تھے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رضیہ نے بڑی ہمت دکھائی لیکن اسے شکست ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔

رضیہ سلطان نے صرف ساڑھے تین سال حکومت کی لیکن اس مختصر مدت میں اس نے اپنی ہمت، حوصلے اور حسن انتظام سے ثابت کر دیا کہ وہ اعلیٰ درجے کی حکمراں تھی۔

16.3.1 (د) مشکل الفاظ:

ملکہ	خاتون بادشاہ	Queen
جانشین	وارث، تخت سنبھالنے والا	Successor
وصیت	مرتے وقت کی گئی ہدایت	Will, Testament

حاسد	جلن رکھنے والا، حسد کرنے والا	Jealous, Envious
مقبولیت	لوگوں میں پسندیدگی	Popularity
قبا	لمبا شاہی لباس	Royal robe
کلاہ	ٹوپی، تاج	Cap, Crown
جنگی اسلحہ	لڑائی کے ہتھیار	Weapons of war
اختیارات	طاقتیں، اختیاری قوتیں	Powers, Authorities
حسن انتظام	اچھا نظم وضبط	Good governance

ابن سینا

بو علی ابن سینا اس زمانے کے سائنس داں تھے جب اس علم نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ انھوں نے اپنی محنت لگن اور ذہانت سے سائنس کو بہت فروغ دیا۔ ابن سینا بخارا کے قریب ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ ان کی باقاعدہ تعلیم کی ابتدا 6 سال کی عمر میں ہوئی۔ دس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ اس کے بعد ریاضی، فلسفہ اور فلکیات کی تعلیم ایک مشہور عالم عبداللہ الناتلی سے حاصل کی۔

ابن سینا کو علم طب اور تحقیق سے بڑی دلچسپی تھی۔ انھوں نے طب میں بڑی مہارت حاصل کی اور اس علاقے میں ایک قابل حکیم کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ بخارا کا بادشاہ اتنا بیمار ہو گیا کہ اس وقت کے تمام طبیبوں نے جواب دے دیا۔ ابن سینا کو بادشاہ کے علاج کی غرض سے طلب کیا گیا۔ ابن سینا نے جی لگا کر ایسا علاج کیا کہ کچھ ہی دنوں میں بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے انعام کے طور پر ابن سینا کو شاہی کتب خانے کا ناظم مقرر کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف 16 یا 17 سال کی تھی۔ اس واقعے سے ابن سینا کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ اب دور دور سے لوگ ان کے پاس علاج کی غرض سے آنے لگے۔

انھیں دوسرے ملکوں میں بھی بلایا جانے لگا۔ وہ نئی نئی دوائیں بھی بناتے اور ان کا استعمال کر کے ان پر تحقیق بھی کرتے۔ اطمینان اور خوش حالی کا یہ زمانہ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ وہ بیس برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد بخارا کا بادشاہ بھی چل بسا۔ یہیں سے ابن سینا کی پریشانیوں کا دور شروع ہوا۔

1001ء میں ابن سینا بخارا سے جرجان آ گئے۔ یہیں ان کی ملاقات البیرونی، ابونصر عراقی اور ابوسعید جیسے علما اور صوفیاء سے ہوئی۔ کچھ عرصہ یہاں گزارنے کے بعد وہ رے چلے گئے اور وہاں سے ہمدان کا رخ کیا۔ یہاں لمبا عرصہ پریشانیوں میں گزارا۔ پھر وہ اصفہان آئے۔ یہاں انھوں نے اپنی مشہور کتابیں مرتب کیں۔ لگاتار سفر، محنت اور مسلسل پریشانیوں کی وجہ سے ان کی صحت خراب رہنے لگی۔ آخری عمر میں وہ پھر ہمدان آ گئے جہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ آج بھی ان کا مقبرہ وہاں موجود ہے۔

ابن سینا نے سائنس پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ علم طب پر بھی کتابیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب القانون ہے۔ اس کتاب میں بیماریوں کی تفصیلات، علاج کے نسخے اور اس سلسلے میں اپنے تجربات بیان کیے ہیں۔ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی

اس کتاب کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ القانون کی اشاعت کے بعد 600 سال تک اسلامی دنیا ہی میں نہیں، یورپ میں بھی طب کی تعلیم ابن سینا کی اسی کتاب سے دی جاتی رہی۔

ریاضی اور فلکیات سے بھی ابن سینا کو بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے ہمدان میں رصد گاہیں تعمیر کروائیں۔ طبیعیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس موضوع پر بھی انھوں نے کتابیں لکھیں۔ ابن سینا نے اپنی ساری زندگی سائنس کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے بہت سی ایجادات کیں اور انسانی فلاح کے بہت سے کام کیے۔

16.3.1 (ہ) مشکل الفاظ:

فروغ دینا	بڑھانا، عام کرنا	To promote, to advance
فلکیات	ستاروں اور آسمانی اجسام کا علم	Astronomy
تحقیق	کھوج، جانچ، علمی مطالعہ	Research
طبیب	حکیم، ڈاکٹر	Physician
ناظم	منتظم، دیکھ بھال کرنے والا	Manager, Administrator
مرتب کرنا	ترتیب دینا، جمع کرنا	Compile
نسخہ	علاج کا طریقہ، دوا کی ترکیب	Prescription, Formula
اشاعت	چھپائی، عام ہونا	Publication
رصد گاہ	ستاروں کی نگرانی کی جگہ	Observatory
طبیعیات	مادے اور توانائی کا علم	Physics
انسانی فلاح	انسانوں کی بھلائی کے کام	Human welfare

16.3.2 مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ ٹیگور ایک __________، سنگیت کار اور مصوّر تھے۔

2۔ شانتی نکیتن کی بنیاد ٹیگور نے __________ کے قریب رکھی۔

3۔ ویر عبدالحمید کا تعلق __________ کے گاؤں دھاموپور سے تھا۔

4۔ عبدالحمید نے دشمن کے __________ ٹینک تباہ کیے۔

5۔ عبدالحمید کو بعد از مرگ __________ اعزاز سے نوازا گیا۔

6۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن فلسفے کے ایک __________ استاد تھے۔

7۔ رادھا کرشنن نے اپنی تعلیم کے لیے اپنے __________ بھی فروخت کر دیے۔

8۔ رادھا کرشنن کی پہلی کتاب __________ کے فلسفے پر تھی۔

9۔ عبدالحمید بچپن میں __________ سے نشانہ لگانے کا شوق رکھتے تھے۔

10۔ ٹیگور بچوں کو __________ زندگی گزارنے کا مشورہ دیتے تھے۔

مشق 2: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ٹیگور نے بھارت کا قومی ترانہ "جن گن من" لکھا۔

2۔ ویر عبدالحمید ایک مشہور مصوّر تھے۔

3۔ عبدالحمید کو پرم ویر چکر بعد از مرگ دیا گیا۔

4۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن بھارت کے پہلے صدر تھے۔

5۔ ٹیگور نے شانتی نکیتن اسکول کی بنیاد رکھی تھی۔

6۔ رادھا کرشنن ایک فلسفی اور معلم تھے۔

7۔ عبدالحمید کا تعلق بہار سے تھا۔

8۔ ٹیگور کو ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

9۔ رادھا کرشنن نے کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی۔

10۔ عبدالحمید نے 1965 کی جنگ میں بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔

مشق 3: کالم الف کو کالم ب سے درست ملان کیجیے۔

الف: شخصیات / معلومات	ب: متعلقہ معلومات
رابندر ناتھ ٹیگور	بھارت کے دوسرے صدر
ویر عبدالحمید	قومی ترانہ لکھا
ڈاکٹر رادھا کرشنن	بھارت اور پاکستان کی جنگ
1965	بہادری سے دشمن کے ٹینک تباہ کیے
پرم ویر چکر	نوبل انعام یافتہ
شانتی نکیتن	عظیم فلسفی و معلم
صدرِ جمہوریہ	اعلیٰ عہدہ
"جن گن من"	ٹیگور کا قائم کردہ تعلیمی ادارہ

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کا جواب دیجیے۔

1۔ ڈاکٹر سرو پلی رادھا کرشنن کا یوم پیدائش کب منایا جاتا ہے؟
2۔ ویر عبد الحمید کی شہادت کب ہوئی؟
3۔ رادھا کرشنن کو کس یونیورسٹی نے ہندو نظریہ حیات پر لیکچر دینے کے لیے دعوت دی تھی؟
4۔ ویر عبد الحمید نے کس جنگ میں پاکستان کے ٹینکوں کو تباہ کیا؟
5۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی پہلی کتاب کا کیا عنوان دیا؟
6۔ ویر عبد الحمید کو کون سا فوجی اعزاز دیا گیا؟
7۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کون سی کتاب شائع کی جس نے ہندوستانی فلسفے کو عالمی سطح پر متعارف کرایا؟
8۔ ویر عبد الحمید کا تعلق کس گاؤں سے تھا؟
9۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کی تعلیم کہاں سے ہوئی؟
10۔ ویر عبد الحمید نے کس ندی میں سیلاب آتے ہوئے لوگوں کو بچایا؟

16.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- سیرت ایک عربی لفظ ہے، جس کے لغوی معنی چال، طریقہ، روش یا طرزِ زندگی کے ہیں۔ اگرچہ لفظ "سیرت" کا استعمال زیادہ تر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے لیے کیا جاتا ہے، تاہم اس کا لغوی مفہوم زندگی کا طرز، کردار اور رویہ ہے۔
- پیغمبر اسلام کا نام ہے حضرت محمد ﷺ تھا۔ آپ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ﷺ قریش خاندان سے تھے۔ آپ ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ آپ ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا۔
- ٹیگور ہندوستان کے نہیں، دنیا کے بہت بڑے شاعر تھے۔ بہت بڑے سنگیت کار تھے۔ ہندوستان کے پرانے رِشیوں کی طرح انھوں نے ہمارے لیے ایک لازوال ترکہ چھوڑا ہے اور وہ ہے شانتی نکیتن۔
- ویر عبد الحمید نے پاکستان کے خلاف 1965 کی جنگ میں شہادت پائی۔ انہیں بھارت سرکار نے پرم ویر چکر کے اعزاز سے نوازا۔ جب اُن کی شہادت ہوئی اُس وقت ان کی عمر 32 برس تھی۔
- ڈاکٹر سرو پلی رادھا کرشنن نے 1952 سے 1962 تک نائب صدر جمہوریہ کی حیثیت سے دو مدتیں پوری کرنے کے انہیں 1962 میں ہندوستان کے صدر جمہوریہ بنائے گئے۔ 1954 میں رادھا کرشنن کو ہندوستان کے سب سے بڑے اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔

- رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی ملکہ تھی جو دہلی کے تخت پر بیٹھی۔ وہ دہلی کے بادشاہ التمش کی بیٹی تھی۔ رضیہ نے تخت نشینی کے بعد نہایت بہادری سے مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ فوج کی کمان خود سنبھالتی تھی۔ اس نے بادشاہوں کی طرح " قبا" اور "کلاہ پہنی۔ اپنے نام کے سکے جاری کیے۔
- ابن سینا کو علم طب اور تحقیق سے بڑی دلچسپی تھی۔ انھوں نے طب میں بڑی مہارت حاصل کی۔ ابن سینا نے سائنس پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ علم طب پر بھی کتابیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب القانون ہے۔ ابن سینا نے اپنی ساری زندگی سائنس کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے بہت سی ایجادات کیں اور انسانی فلاح کے بہت سے کام کیے۔

16.5 نمونہ امتحانی سوالات

16.5.1 معروضی سوالات:

1۔ حضرت محمد ﷺ کے کردار کا سب سے اہم پہلو کیا تھا؟

(a) آپ ﷺ کا علم (b) آپ ﷺ کا اخلاقی سلوک (c) آپ ﷺ کی عبادات (d)ہجرت

2۔ عبدالحمید کا تعلق کس جنگ سے تھا؟

(a) جنگِ1947 (b) جنگِ1965 (c) جنگِ1971 (d) جنگِ1962

3۔ ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کی سب سے اہم خصوصیت کیا تھی؟

(a) فلسفہ (b) تعلیمی سفر (c)سیاسی کردار (d)سماجی خدمات

4۔ ابن سینا نے کس شعبے میں اہم کام کیا؟

(a)طب (b)فلسفہ (c)ان دونوں میں (d)ان میں سے کسی میں نہیں

5۔ رضیہ سلطانہ تاریخ کے کس عہد کی بادشاہ تھیں؟

(a) دہلی سلطنت (b) غزنوی سلطنت (c) مغلیہ سلطنت (d)ان میں سے کوئی نہیں

6۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے کہاں ایک چھوٹے سے اسکول کی بنیاد ڈالی تھی؟

(a)دہلی (b)بمبئی (c)کلکتہ (d) شانتی نکیتن

7۔ حضرت محمد ﷺ کی عمر کتنی تھی جب آپ ﷺ کو نبی مقرر کیا گیا؟

(a) تیس سال (b)چالیس سال (c)پچاس سال (d)ساٹھ سال

8۔ ابن سینا کا اصل نام کیا تھا؟

(a) ابراہیم بن زکریا (b) ابوہلال بن زکریا (c) محمد بن حسان (d) ابو علی حسین بن عبداللہ

9۔ رضیہ سلطانہ نے کس اہم حکومتی پوزیشن پر فائز ہو کر تاریخ میں اپنا نام درج کیا؟

(a) وزیر (b) سپہ سالار (c) قاضی (d) حکمران

10۔ ویر عبدالحمید کو 1965 کی جنگ میں کس فوجی اعزاز سے نوازا گیا؟

(a) بھارت رتن (b) پرم ویر چکر (c) پدم بھوشن (d) پدم شری

16.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور کردار کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

2۔ ویر عبدالحمد کی قربانی اور شہادت پر روشنی ڈالیں۔

3۔ ابن سینا اور ان کے دور کی سائنسی ترقی کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

4۔ ڈاکٹر سر وپلی رادھا کرشنن کی تعلیمات اور ان کا فلسفہ زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

5۔ ابن سینا اور ان کے دور کی سائنسی ترقی کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

16.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سیرت کسے کہتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

2۔ رضیہ سلطانہ کی حکومتی پالیسیوں اور ان کے اثرات بیان کیجیے۔

3۔ اپنے پسندیدہ کردار کی سیرت پر دس جملے لکھیے۔

16.5.1 کے جوابات:

1-b	2-b	3-a	4-c	5-a
6-d	7-b	8-c	9-d	10-b

نمونۂ امتحانی پرچہ

نشانات : ۷۰ Marks: 70 | وقت: 3 گھنٹے Time :3hours

ہدایات :

یہ پرچۂ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہیں۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں، جو کہ معروضی سوالات/خالی جگہ پُر کرنا/مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ **(1x10= 10Marks)**

2۔ حصہ دوم میں آٹھ سوالات ہیں، ان میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ **(5x6=30 Marks)**

3۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں، ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ **(3x10=30 Marks)**

حصہ اول

سوال 1۔

(i) نثر کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b) ترکی (c) عربی (d) فارسی

(ii) نثر میں مافوق الفطرت کس صنف کا خاص جزو ہوتا ہے؟

(a) داستان (b) افسانہ (c) ناول (d) ڈراما

(iii) افسانہ "کابلی والا" کا مصنف کون ہے؟

(a) پریم چند (b) رابندر ناتھ ٹیگور (c) کرشن چندر (d) راجندر سنگھ بیدی

(iv) نذیر احمد کہاں پیدا ہوئے؟

(a) بدایوں (b) فیض آباد (c) آگرہ (d) بجنور

(v) "پتھر کا جگر" کس کا ناول ہے؟

(a) قرۃ العین حیدر (b) عصمت چغتائی (c) جیلانی بانو (d) خدیجہ مستور

(vi) محمد مجیب کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a) 1902 (b) 1915 (c) 1925 (d) 1932

(vii) ڈراما "سمجھوتا" کس نے لکھا ہے؟

(a) محمد مجیب (b) حبیب تنویر (c) امتیاز علی تاج (d) انور عنایت اللہ

(viii) خاکہ "مہدی نواز جنگ" کس نے تخلیق کیا ہے؟

(a) محمد حسین آزاد (b) صالحہ عابد حسین (c) مولوی عبد الحق (d) رشید احمد صدیقی

(ix) تاج محل کہاں واقع ہے؟

(a) دہلی (b) ممبئی (c) آگرہ (d) کلکتہ

(x) اردو کا پہلا سفر نامہ کون سا ہے؟

(a) دنیا گول ہے (b) مصر وروم وشام (c) عجائبات فرہنگ (d) مسافران لندن

حصہ دوم

2۔ داستان کی تعریف بیان کیجیے۔

3۔ سعدی شیرازی کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

4۔ لوک کہانی "تین سوال" کا خلاصہ بیان کیجیے۔

5۔ پریم چند کا تعارف پیش کیجیے۔

6۔ نذیر احمد کی تخلیقات پر روشنی ڈالیے۔

7۔ باغ و بہار پر نوٹ لکھیے۔

8۔ مضمون "عورتوں کے حقوق" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

9۔ مرزا غالب کے اخلاق عادات پر روشنی ڈالیے۔

حصہ سوم

10۔ نثر کی تعریف بیان کرتے ہوئے افسانوی نثر کی اقسام پر روشنی ڈالیے۔

11۔ افسانہ "کابلی والا" کا خلاصہ لکھیے۔

12۔ ڈراما "آزمائش" کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

13۔ ابن انشا کے حالات زندگی اور ادبی خدمات پر مضمون قلم بند کیجیے۔

14۔ خط کی تعریف اور اس کے مقاصد بیان کیجیے۔

اہم نکات

اہم نکات